سراج الوقایہ
شرح اردو
شرح الوقایہ
مولانا مفتی کفیل الرحمان صاحب عثمانی (مفتی دارالعلوم دیوبند)
مکتبہ شرکت علمیہ

اس شرح کی چند اہم خصوصیات (۱) پوری عبارت کا عام فہم اور آسان انداز میں ترجمہ کر دیا گیا (۲) ترجمہ کے اندر جو الفاظ غیر مشہور تھے ان کو ( ) کے اندر آسان الفاظ میں اس کی تشریح کر دی گئی (۳) ہر باب کے مسائل کی مکمل تشریح کر دی گئی (۴) ائمہ اربعہ و دیگر مشہور ائمہ کرام کے مسالک کو مع الدلائل واضح انداز میں بیان کیا گیا (۵) بعض مشکل الفاظ کی لغوی طرز پر تحقیق کی گئی جس میں مصدر، باب، صیغہ کے نوع کی وضاحت کے ساتھ واضح کر کے بیان کیا گیا (۶) متعلقات و احادیث کے مآخذ و مراجع کی نشاندہی کر دی گئی (۷) شرح الوقایہ کے شروحات میں جو عمدۃ الرعایہ ہے اس کا خلاصہ بہترین طریقے سے اردو میں پیش کیا گیا (۸) علم فقہ پر ایک جدید، جامع اور مفصل مقدمہ بنام مقدمۃ الفقہ کا اضافہ کیا گیا جس سے تمام شروحات خالی ہیں (۹) صاحب وقایہ و صاحب شرح وقایہ کے حالات زندگی کا مختصر جامع انداز میں پیش کیا گیا (۱۰) ہمارے جید علماء و اساتذہ تدریس کے ذریعے اس شرح کی نظر ثانی اور تصحیح کرائی گئی۔

مکتبہ شرکت علمیہ

بیرون بوہڑ گیٹ - ملتان فون، ۵۴۴۳۰۹

1/2

سلامت اقبال پرنٹنگ پریس چوک فوارہ ملتان

فہرست مضامین سراج الوقایہ جلد اول

فہرست مضامین سراج الوقایہ

صاحبِ وقایہ — وشارحِ وقایہ

نام ونسب | شارح وقایہ کا نام عبید اللہ ہے اور لقب صدر الشریعۃ الاصغر اور والد کا نام مسعود ہے اور دادا کا نام محمود اور لقب تاج الشریعۃ ہے (علامہ ریاضی نے شمائل الانوار علی الدر المختار میں بواسطہ شیخ مرتضیٰ حسینی تاریخ بخارا سے اور علامہ کفوی رومی نے کتاب اعلام الاخیار فی طبقات فقہاء مذہب النعمان المختار میں علامہ ازمیری نے موضوعات العلوم میں یہی ذکر کیا ہے علامہ قہستانی نے جامع الرموز میں اور ملا لطف اللہ نے حواشی شرح میں دادا کا نام عمر بتایا ہے۔

اور پردادا کا نام احمد ہے اور لقب صدر الشریعۃ الاکبر ہے اور پردادا کے باپ کا نام عبید اللہ ہے اور لقب جمال الدین اور کنیت ابو المکارم اور عبید اللہ جمال الدین کے باپ کا نام ابراہیم ہے آخر میں آپ کا نسب حضرت عبادہ بن الصامت سے مل جاتا ہے مجموعہ نسب یہ ہے: صدر الشریعۃ الاصغر عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ محمود بن صدر الشریعۃ الاکبر احمد بن جمال الدین ابی المکارم عبید اللہ بن ابراہیم بن احمد بن عبد الملک بن عمیر بن عبد العزیز بن محمد بن جعفر بن خلف بن ہارون بن محمد بن محمد بن محبوب بن الولید بن عبادہ بن الصامت الانصاری المحبوبی۔

رفع اشتباہ | ہم نے یہ پوری تفصیل اس لیے ذکر کی کہ ان کے نسب کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے غلطی کی ہے چنانچہ صاحب مدینۃ العلوم نے عبید اللہ کو تاج الشریعۃ کا والد قرار دیا ہے اور ان کے درمیان جو صدر الشریعۃ الاکبر احمد کا واسطہ ہے اس کو حذف کر دیا فانہ قال "ومن شروح الہدایۃ الکفایۃ لتاج الشریعۃ وہو محمود بن عبید اللہ بن محمود المحبوبی اھ" نیز عبید اللہ کے باپ کا نام محمود بتاتا ہے حالانکہ ان کا نام ابراہیم ہے اسی طرح قہستانی نے اپنی عبارت "عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ عمر بن صدر الشریعۃ عبید اللہ بن محمود بن محمد المحبوبی اھ" میں پانچ جگہ غلطی کی ہے۔ اول یہ کہ تاج الشریعۃ کا نام عمر قرار دیا ہے حالانکہ ان کا نام محمود ہے دوم یہ کہ تاج الشریعۃ کو عبید اللہ کا بیٹا مانا ہے حالانکہ وہ احمد بن عبید اللہ کا بیٹا ہے سوم یہ کہ صدر الشریعۃ کو عبید اللہ کا لقب دیا ہے حالانکہ وہ ان کے بیٹے احمد کا لقب ہے جو تاج الشریعۃ کے باپ ہیں چہارم یہ کہ عبید اللہ کے والد کو محمود کے ساتھ موسوم کیا ہے حالانکہ وہ مسمّیٰ بابراہیم ہے پنجم یہ کہ عبید اللہ کے دادا کو محمد کے ساتھ موسوم کیا ہے حالانکہ ان کا نام احمد بن عبد الملک ہے۔ اسی طرح صاحب کشف الظنون وغیرہ نے بھی سلسلہ نسب میں کئی جگہ غلطی کی ہے جس کی تفصیل مقدمہ سعایہ، مقدمہ عمدۃ الرعایۃ اور الفوائد البہیہ میں موجود ہے۔

تحصیل علوم | شارح وقایہ اپنے وقت کے امام جامع معقول و منقول، محدث جلیل، بے مثل فقیہ، عالم تفسیر، علم خلاف و جدل، نحو و لغت، ادب و کلام اور منطق وغیرہ کے متبحر عالم تھے علم کی تحصیل اپنے دادا تاج الشریعہ وغیرہ اکابر علماء سے کی تھی آپ کے خاندان میں نسلاً بعد نسل علم و کمال منتقل ہوتا رہا آپ کے جد امجد صدر الشریعہ اکبر سے مشہور ہوئے تو آپ صدر الشریعہ اصغر کہلائے۔ حافظ ابو طاہر محمد بن حسن بن علی الطاہری اور صاحب فصل خطاب محمد بن محمد بخاری مشہور بہ خواجہ پارسا وغیرہ آپ کے شاگرد رشید ہیں۔

وفور علم و طرز تدریس | علامہ قطب الدین رازی شارح شمسیہ آپ کے ہمعصر ہیں اور معقولات میں طرز و ڈھنگ رکھتے تھے۔ آپ سے بحث و مباحثہ کرنا چاہا تو پہلے آپ نے اپنے پروردہ غلام و تلمیذ خاص مولوی مبارک شاہ کو ان کے درس میں بھیجا اس وقت آپ ہرات میں تھے اور قطب الدین رازی بھی وہیں تھے مبارک شاہ نے وہاں پہونچ کر دیکھا کہ صدر الشریعہ ابن سینا کی کتاب الاشارات اس طرح پڑھا رہے ہیں کہ نہ مصنف کی پیروی کرتے ہیں اور نہ کسی شارح محقق طوسی وغیرہ کی مبارک شاہ نے درس کی یہ کیفیت دیکھ کر قطب الدین رازی کے پاس لکھ کر بھیجا کہ یہ شخص تو آگ کا شعلہ ہے آپ اس کے مقابلہ کے لئے ہرگز نہ آئیں ورنہ شرمندگی ہوگی قطب الدین نے مبارک شاہ کی یہ بات مان لی اور مباحثہ کا خیال چھوڑ دیا۔

سنہ وفات و آرامگاہ | آپ نے بزبان حال یہ کہتے ہوئے ؎

ایں جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست ÷ روزے رخش ببینم و تسلیم وے کنم

سنہ ۷۴۷ھ میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔ تعدیل علوم کا تعارف کراتے ہوئے صاحب کشف الظنون نے کتاب الطبقات میں علامہ کفوی نے اور خطیب عبد الباقی وغیرہ نے سنہ وفات یہی ذکر کیا ہے ملا علی قاری نے [illegible] کے قریب بتایا ہے اور صاحب کشف الظنون نے وشاح، وقایہ، النقایہ اور شرح فصول الخمسین کا تعارف کراتے ہوئے ۷۴۵ھ ذکر کیا ہے غالب یہ ہے کہ پہلا قول (سنہ ۷۴۷ھ) ہی صحیح ہے۔

آپ کا اور آپ کے والدین کا اور دیگر ان کے اجداد کے مزارات شارع آبار بخارا میں ہیں اور آپ کے دادا تاج الشریعہ اور نانا برہان الدین کا مزار کرمان میں ہے۔

تصنیفات و تالیفات | آپ نے مشہور فقہی کتاب وقایہ (جو آپ کے دادا تاج الشریعہ کی تصنیف ہے) کی شرح لکھی جو نہایت مقبول و متداول اور داخل درس ہے پھر آپ نے اس کا اختصار کیا جو نقایہ کے نام سے موسوم ہے جس کو مختصر الوقایہ بھی کہتے ہیں اصول فقہ میں تنقیح پھر اس کی شرح توضیح لکھی جس کی شرح سعد الدین تفتازانی نے تلویح کے نام سے کی ہے یہ کتاب داخل درس ہے۔ ان کے علاوہ دوسری اہم تصانیف یہ ہیں۔

المقدمات الاربعہ، تعدیل العلوم (اقسام علوم عقلیہ میں)، وشاح (علم معانی میں)، شرح فصول الخمسین (نحو میں)، کتاب الشروط، کتاب المحاضر وغیرہ۔ مشکل ترین علوم و درس [illegible] کے فن میں آپ بڑے ماہر تھے اس لئے آپ کی تمام تصانیف سے نفع عظیم ہوا۔

(۱)

مقدمۃ الفقہ

فقہ کی لغوی تحقیق اور وجہ تسمیہ

لغت میں فقہ بفہم، سمجھداری اور ذہانت کو کہتے ہیں اور فقیہ ذہین اور سمجھدار شخص کو کہا جاتا ہے (کمافی الصحاح للجوھری ج ۱ صفحہ ۲۲۴۳) لفظ فقہ باب سمع یسمع سے آتا ہے بمعنی فھم یفھم جیساکہ قرآن پاک میں ہے یا شعیب ما نفقہ کثیرا مما تقول اس صورت میں فقہ کو فقہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ فقہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام (جو حلال و حرام سے متعلق ہیں) سمجھے جاتے ہیں اور سمجھنے والے کو بصیغہ فاعل فقیہ کہتے ہیں۔ اور باب کرم سے بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی علم یعلم (جاننا) (کمافی المنجد عربی) اور باب فتح یفتح سے شق یشق (بمعنی پھاڑنا) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ فقہاء مسائل کی چادر کو پھاڑ کر تحقیق کر کے احکام کے استنباط لمقتضیٰ بعض دوسروں سے آگے نکل جاتے ہیں اس لئے ان کو فقہاء کہتے ہیں، در مختار کے مطابق بھی فقہ کے لغوی معنی دانستن (جاننا) ہے پھر یہ علم شریعت کے ساتھ خاص ہوگیا۔

فقہ کی قدیم اصطلاحی تعریف

واضح ہو کہ فقہ کی موجودہ اصطلاحی تعریف عہد رسالت سے تابعین کے زمانہ تک کسی کے نزدیک نہیں تھی بلکہ ان کے نزدیک فقہ سے مراد دین کی تمام تعلیمات (خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبہ زندگی سے ہو) کی گہری بصیرت و مہارت اور پورے دین کی گہری سمجھ ہے اور فقیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو پورے دین کی گہری بصیرت و مہارت رکھتا ہو چنانچہ جب حسن بصریؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں مسئلہ میں فقہاء آپ کے خلاف کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اپنی آنکھ سے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے، فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو آخرت کا طلبگار ہو، اپنے دین کی بصیرت رکھتا ہو، اپنے رب کی عبادت کرتا ہو، متقی ہو، مسلمانوں کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرتا ہو، ان کے مال و دولت سے بے تعلق ہو اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہو (کمافی رد المحتار ج ۱ صفحہ ۵ ومرقات شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری صفحہ ۲۱۷ ج ۱ و الکوکب الدری لعلامہ رشید احمد گنگوہی ج ۲ صفحہ ۳۳۴)

اس لئے امام الائمہ سراج الامہ ابو حنیفہؒ نے فقہ کی تعریف یہ کی ہے الفقہ معرفۃ النفس ما لہا وما علیہا یعنی فقہ کہتے ہیں ان چیزوں کو جاننا جن کے جاننے سے اپنے نفس کے مفید اور مضر (دونوں) پہلو معلوم ہو جائیں (کمافی توضیح و تلویح البحر الرائق ج ۱ صفحہ ۶) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ فقہ علم و عمل دونوں کے مجموعے کا نام ہے (کمافی احیاء العلوم لحجۃ الاسلام امام غزالیؒ) علامہ زرنوجیؒ (شاگرد

رشید صاحب بدایونی) تعلیم المتعلم میں فرماتے ہیں الفقه معرفة دقائق العلم مع نوع علاج بہرحال اس تعریف قدیم کی رو سے فقہ میں تینوں قسم کے احکام (۱) وہ احکام جن کا تعلق عقائد سے ہے جیسے اللہ کی ذات وصفات اور توحید پر ایمان لانا جس کو علم الکلام کہا جاتا ہے (۲) وہ احکام جن کا تعلق باطنی اخلاق ورذائل سے ہے جیسے خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھنا، نیت کو خالص رکھنا وغیرہ جس کو تصوف کہا جاتا ہے (۳) وہ احکام جن کا تعلق بندے کے ظاہری اعضاء سے ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ شامل ہیں۔

قدیم اصطلاحی فقہ کا موضوع

اس تعریف کی بنا پر فقہ کا موضوع عقائد اور تمام ظاہری و باطنی اعمال ہیں (یعنی علم الکلام و التصوف بھی موضوع میں شامل ہیں۔)

فقہ کی جدید اصطلاح کی ضرورت

عہد رسالت کے بعد جب اسلام کی فتوحات دنیا میں پھیلیں، بڑے بڑے متمدن ممالک اسلام کے زیر حکومت آئے، دوسری قوموں کے بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے، کئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں اور نت نئے حالات و مسائل سامنے آئے جن کا جواب دلائل و تفصیل کے ساتھ دینا فقہاء پر لازم ہوا اور اس کے نتیجہ میں مذکورہ تینوں قسم کے احکام و مسائل میں دلائل اور متعلقہ مباحث کا بھی اضافہ ہوتا رہا، تو ضرورت اس بات کی ہوئی کہ آسانی اور سہولت کیلئے تینوں قسموں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرکے الگ الگ مرتب کیا جائے چنانچہ اس طرح علم فقہ تین علوم میں تقسیم ہو گیا اور ہر علم کا الگ الگ نام رکھ دیا گیا (۱) علم کلام (۲) علم تصوف (۳) جدید اصطلاح کے مطابق موجودہ علم فقہ (جس کی تفصیل آرہی ہے)

فقہ کی جدید اصطلاحی تعریف

چونکہ دینی احکام کی دو قسمیں فقہ سے الگ کردی گئیں، چنانچہ فقہ کا موضوع اور دائرہ کار نسبتاً کافی محدود ہو گیا۔ اس وجہ سے متأخرین نے ایک مستقل علم و فن کی حیثیت سے فقہ کی تعریف از سر نو کرنی چاہی۔ اب فقہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہوگئی کہ العلم بالاحکام الشرعية العملية (فرعية)

المکتسب من ادلتها التفصیلیۃ (کمافی تسہیل الاصول، البحر الرائق، التوضیح والتلویح) یعنی اصطلاح میں فقہ ظاہری اعمال کے ان احکام شرعیہ کے جاننے کا نام ہے جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کئے گئے ہوں، اور وہ تفصیلی دلائل چار ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنۃ رسول اللہ (۳) اجماع الامۃ (۴) القیاس الشرعی۔

فوائد قیود

العلم کی قید سے ظن نکل گیا۔ یعنی اگر کسی کو احکام شرعیہ کا علم نہ ہو بلکہ ظن ہو تو اس کو فقیہ نہیں کہا جا سکتا، احکام حکم کی جمع ہے، اس سے پتہ چلا کہ ایک دو حکم جاننے والے کو بھی فقیہ نہیں کہا جا سکتا۔ الشرعیۃ کی قید سے غیر شرعی احکام (مثلاً امور عقلیہ حسیہ) نکل گئے صرف ان کا جاننے والا بھی فقیہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

العملیۃ سے ظاہری اعمال (مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، کھانا پینا، سونا وغیرہ) مراد ہیں جس سے فقہ کو تصوف اور علم کلام سے ممتاز کرنا مقصود ہے کیونکہ علم کلام میں عقائد کا بیان ہوتا ہے اور تصوف میں باطنی اعمال کا، ہاں کبھی کبھی فقہ میں ضمناً و تبعاً عقائد و باطنی اعمال کا بیان بھی آجاتا ہے۔

المکتسب من ادلتها التفصیلیۃ اس قید سے تین قسم کے لوگ خارج ہو گئے (۱) وہ حضرات جن کو احکام شرعیہ کا علم دلیل کے بغیر (مثلاً فقہاء سے سن کر یا ان کی کتابوں میں پڑھ کر) حاصل ہوا ہے۔ (۲) وہ حضرات جن کو احکام شرعیہ کا علم دلیل سے تو حاصل ہوا۔ لیکن خود انہوں نے دلائل سے احکام مستنبط نہیں کئے بلکہ یہ حضرات جس مجتہد کی تقلید کرتے ہیں ان کے بتانے سے دلائل معلوم ہوئے (۳) وہ حضرات جن کو احکام شرعیہ کا علم دلیل اجمالی سے (مثلاً نماز قائم کرنا فرض ہے کیونکہ قرآن سے ثابت ہے اب قرآن کی کس آیت سے ثابت ہے یہ معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس حکم کے خلاف کوئی اور آیت یا حدیث مشہور موجود ہے یا نہیں) حاصل ہوا۔ حالانکہ فقیہ بننے کیلئے احکام شرعیہ کا علم دلیل تفصیلی سے ہونا ضروری ہے۔ مثلاً نماز قائم کرنا فرض ہے کیونکہ آیت باری تعالیٰ اقیموا الصلوٰۃ الآیۃ سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور فرضیت صلوٰۃ کے خلاف کوئی دوسری آیت اور حدیث مشہور بھی موجود نہیں۔ اس تفصیل سے پتہ چلا کہ فقیہ درحقیقت صرف مجتہد کو ہی کہہ سکتے ہیں غیر مجتہد کو خواہ ہزاروں احکام شرعیہ مع ان کے دلائل معلوم ہوں تب بھی وہ فقیہ نہیں مانا جائے گا، اس پر فقیہ کا اطلاق ہو سکتا ہے (ملاحظہ ہو ردالمحتار ج ۱ صفحہ ۳۴، البحر الرائق ج ۱ صفحہ ۸)

(۲) دوسری تعریف یہ ہے، ھو الاصابۃ والوقوف علی المعنی الخفی الذی یتعلق بہ الحکم وھو علم

ہیں اور واضح ہو کہ ضروریات دین کا سیکھنا فرض عین ہے اور ہر اس معاملہ کا سیکھنا ضروری ہے جس میں وہ فی الحال مبتلا ہے اس کی حدود بقیہ کا حصول سنت و استحباب کے درجہ میں ہے۔

عہد نبوی میں تعلیم مسئلہ کا طریقہ

حضورؐ کے زمانہ میں تعلیم مسئلہ کا یہ طریقہ نہیں تھا جو آج ہے کہ فقہ کے نام سے مستقل تصانیف اصول فقہ کے نام سے الگ کتابیں مرتب اور ہر ہر مسئلہ پر جدا جدا رسائل لکھے جاتے اور پائے جاتے ہیں بلکہ جب کوئی حکم نازل ہوا تو حضورؐ نے اس کو قولاً و فعلاً تحریر کرکے بتادیا جیسے وضو کا حکم آیا تو خود وضو فرما کر بتلادیا اور نماز نازل ہوئی تو جبرئیل امینؑ نے پڑھ کر حضورؐ کو بتادی اور امت کو سکھادی اور اس میں یہ تدقیقات نہیں ہوتی تھیں کہ فلاں جزء فرض ہے فلاں رکن ہے فلاں سنت ہے فلاں واجب و مستحب ہے صحابہ کرامؓ احتمالات اور عقلیات دریافت نہیں فرماتے تھے اگر کوئی جرح بھی کرتا تھا تو اس کو خلاف ادب شمار کیا جاتا تھا۔

عہد صحابہ میں اجتہاد و استنباط کی ضرورت اور مختلف فرقوں کا وجود

زمانۂ نبوت کے بعد عہد صحابہ میں جب اسلامی فتوحات کو وسعت ہونے لگی اور دائرہ خلافت وسیع ہونے لگا اور صحابہ کرام مختلف بلاد میں منتشر ہوگئے تو اکثر ایسے واقعات پیش آئے جن میں اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی تھی مثلاً کسی نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کردیا تو یہ بحث ہوئی کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اور یہ تو ممکن نہیں تھا کہ نماز کے تمام اعمال فرض قرار دیا جائے یا واجب قرار دیا جائے اس لئے صحابہ کو یہ تفریق کرنی پڑی کہ فلاں عمل فرض ہے فلاں جزء واجب ہے فلاں سنت ہے فلاں مکروہ ہے فلاں حرام ہے اور اس تفریق کیلئے جو اصول قرار دیے جاسکتے تھے ان پر تمام اصحاب کا اتفاق ممکن نہ تھا اس لئے مسائل میں بھی اختلاف پیدا ہوگیا اور صحابہ کی آراء مختلف ہوگئیں شروع میں یہ اختلاف ضعیف تھا۔ رفتہ رفتہ اختلاف کی حیثیت قوی سے قوی تر ہوتی گئی اور تدوین فقہ کی سخت ضرورت محسوس ہونے لگی۔

نیز خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں میں مختلف فرقے وجود میں آنا شروع ہوگئے مثلاً (۱) خوارج (۲) شیعہ (۳) اہل حدیث کی جماعت جو صرف ظاہر حدیث پر عمل ضروری جانتی تھی اور رائے و قیاس کی طرف نظر نہیں کرتی تھی۔ اور ایسے مسائل میں جو خارج میں واقع نہیں ہوئے غور و خوض نہ

مذموم جانی تھی (۲) اہل الرائے کی جماعت۔ جو قرآن وحدیث کے ساتھ درایت پر مکمل غور کی جاتی تھی اور علل واسباب کے تحت تفریع مسائل متوقعہ کی طرف بھی توجہ دیتی تھی۔ آخری دونوں جماعتیں بنی امیہ کے وسطی دور میں پیدا ہوئیں اہل حجاز اکثر اہل حدیث تھے جن میں امام مالک کا استاد ربیعۃ الرائے مشہور ہے اور اہل العراق اکثر اہل الرائے تھے جن میں ابراہیم نخعی اور ان کے شاگرد حماد بن ابی سلیمان زیادہ مشہور ہوئے۔

غیر مرتب طور پر فقہ کی ابتداء

عہد نبوی سے خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت (۳۵ھ) تک بلاد اسلامیہ اور علوم وفنون کا مرکز مدینہ منورہ رہا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کے زمانے میں ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک کوفہ مرکز رہا۔ اس سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ میں معلم ومفتی بنا کر بھیجا تقریباً دس سال وہ وہاں رہے ان کے فتاوی کا کافی ذخیرہ غیر مرتب طور پر تھا جو منتقل ہو کر علقمہ کے پاس آیا انہوں نے اس کی توضیح وتشریح کی پھر یہ حضرت ابراہیم نخعیؒ (المولود ۵۰ھ المتوفی ۹۶ھ) کے پاس آیا انہوں نے اس کو خوب منقح کیا اور اس سلسلے کے تمام فوائد ونوادر کو جمع کیا پھر یہ ذخیرہ حضرت حمادؒ کے پاس آیا انہوں نے اس کو مزید منقح کیا پھر جب حضرت حماد کا ۱۲۰ھ میں وصال ہو گیا تو لوگوں نے امام الائمہ سراج الامۃ ابو حنیفہؒ کو اس کا جانشین مقرر کر لیا۔ اور فقہ کا مذکورہ ذخیرہ ان کے پاس آیا اور اس زمانہ تک فقہ کے کافی مسائل غیر مرتب طور پر مدون ہو چکے تھے لیکن ان کو فنی حیثیت حاصل نہ تھی اور نہ استنباط واستدلال کے قواعد مقرر تھے نہ تفریع احکام کے اصول منضبط تھے نہ حدیثوں میں امتیاز مراتب قائم تھا نہ قیاس واستحسان اور الحاق النظیر بالنظیر کے ضوابط متعین تھے۔

موجودہ فقہ کی تدوین کا داعیہ

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے صحابہ کرام کو بلاد اسلامیہ میں منتشر پایا اور متاخرین کے سوء حفظ اور یادداشت کی کمی کو محسوس کیا اور ۱۳۰ھ ہجری میں حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں بلاد مختلفہ کے مختلف الخیال علماء وفضلاء سے ملاقات ہوئی، تبادلہ خیال ہوا مختلف بلاد کے حالات وضروریات ومسائل سے بھی واقفیت ہوئی تو ان کے دل میں ایسی طور پر باقاعدہ اصول وضوابط کے تحت فقہ کی تدوین کا داعیہ پیدا ہوا جسکو عملی جامہ پہنانے کیلئے عزم بالجزم کر لیا

موجودہ فقہ کی تدوین کی ابتداء

۱۲۰ھ میں امام حمادؒ کا انتقال ہونے کے بعد امام صاحب کے دل میں باقاعدہ تدوین فقہ کا خیال آیا۔ لیکن وہ اس اہم کام کو اپنی ذاتی معلومات تک محصور کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ۱۳۲ھ کے بعد بنی امیہ کی حکومت کے اختتام کے ساتھ اپنے ایک ہزار شاگردوں میں سے چالیس کو تدوین فقہ کیلئے منتخب کیا (جس کی کچھ تفصیلی بحث آرہی ہے) جنہوں نے لیل و نہار محنت و مشقت اور بحث و مباحثہ کے بعد موجودہ فقہ کو مدون کیا۔ تدوین فقہ کا یہ عظیم الشان کام تیس سال کی طویل مدت میں دور عباسیہ کی ابتداء دوسری صدی ہجری کے اختتام پر پورا ہوا۔ امام المحدثین عبداللہؒ بن المبارک فرماتے ہیں۔

لقد زان البلاد ومن علیها ＋ امام المسلمین ابو حنیفہ
باحکام وآثار وفقہ فی حدیث ＋ کآیات الزبور علی الصحیفہ
فما فی المشرقین لہ نظیر ＋ ولا بالمغربین ولا بکوفہ
(کذافی فہرست لابن ندیم ص ۲۰۳)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اصول فقہ اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور فقہ کی حیثیت فرع کی ہے اور اصل کا مقدم ہونا مسلم ہے۔ اس لحاظ سے اصول فقہ کی تدوین پہلے ہونی چاہئے تھی حالانکہ فقہ کی تدوین پہلے ہے جیسا کہ گزشتہ عبارت سے معلوم ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ قوانین و ضوابط کے درجہ میں ہے اور کسی علم کے قوانین ضوابط کی تدوین علم کے بعد ہوتی ہے جیسا کہ علم عروض کے قواعد ضوابط کو خلیل بن احمد نے مدون کیا۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی شعراء شعر پڑھتے تھے۔ اور ارسطو نے علم منطق کو مدون کیا حالانکہ اس سے پہلے بھی لوگ غور و فکر سے کام لیتے تھے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ تدوین فقہ کے وقت امام ابو حنیفہؒ کے ذہن میں اصول فقہ مستحضر تھے اگرچہ تدوین کا مرحلہ بعد میں پیش آیا۔

فقہ عراقی و حجازی کی ابتداء

جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا ہے کہ خلیفہ رابع حضرت علی نے ۳۶ھ میں کوفہ کو اپنا

دار الخلافہ اور علوم و فنون کا مرکز بنائے رکھا۔ اس عہد کے بعد فقہ کے دو اہم مرکز قائم ہوئے (۱) کوفہ میں جس کی نگرانی امام ابو حنیفہؒ کر رہے تھے جو بعد میں عراقی فقہ کے نام سے مشہور ہوا (۲) حجاز مقدس میں جس کی قیادت امام مالکؒ مدینہ منورہ میں کر رہے تھے جو بعد میں فقہ حجازی کے نام سے مشہور ہوا۔ اور اسی زمانہ میں فقہ اسلامی کی باقاعدہ ابتداء ہوئی۔

تدوین فقہ کے ادوار

ہم فقہ اسلامی کو تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں (۱) تدوین و اجتہاد کا دور۔ یہ دور دوسری صدی کے ربع دوم سے شروع ہو کر تیسری صدی کے آخر تک رہا۔ جس میں امام ابو حنیفہؒ نے باقاعدہ موجودہ فقہ کی ابتداء کی اور اپنی زندگی میں اس کی تکمیل بھی کر دی۔ اسی طرح دوسرے ائمہ کرام نے بھی اپنا اپنا فقہ مدون کیا۔ اصول فقہ کی تدوین بھی اسی دور میں ہوئی۔
(۲) دور تکمیل و تقلید۔ یہ دور چوتھی صدی ہجری سے ساتویں صدی تک رہا۔ اس دور میں تقلید عام کی۔ پہلے دور کے مجموعوں اور ائمہ کے فقہ پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے (۳) دور تقلید محض۔ اس میں اجتہاد کا سلسلہ تقریباً بند ہو گیا اور عوام و خواص سب مذاہب اربعہ کے مقلد ہو گئے ہر مسئلہ میں دور اول و دوم کے ائمہ کرام کی رائے تلاش ہونے لگی۔ یہ دور ساتویں صدی سے آج تک قائم ہے۔

فقہ اور فقیہ کے فضائل

واضح ہو کہ احادیث مبارکہ میں فقہ اور فقیہ کے جو فضائل آئے ہیں وہ فقہ اور فقیہ کے اسی قدیم معنی سے متعلق ہیں (امانی الکوکب الدری للشیخ الجلیل رشید احمد گنگوہی مع الحاشیہ شیخ الحدیث ج ۲ صفحہ ۳۰۳) فقہ اور فقیہ کے متعلق چند فضائل ذیل خدمت ہیں (۱) قال اللہ تعالیٰ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا سورۃ بقرہ آیت ۲۶۹ یعنی جس کو سمجھ دی اس کو بڑی خوبی ملی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ الحکمۃ میں علم قرآن بھی اور علم فقہ بھی شامل ہیں (الکوکب ذخیرۃ الفقہ تعلیق علامہ ساہر محمد سلیمان صفحہ ۳) (۲) فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین الآیہ سورۃ توبہ آیت ۱۲۲ یعنی سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب کہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں (۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین یعنی جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرما دیتا ہے۔

(كذا في صحيح البخاري والكوكب الدري مع الفاظ ... ج ۲ صفحہ ۳۳)

(۴) قال رسول اللہ ﷺ "فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد" یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے سخت تر ہے (كذا في ذخيرة الفقه الكبرى صفحہ ۴) "خصلتان لا تجتمعان في منافق حسن سمت وفقه في الدين" یعنی دو خصلتیں ہیں کہ منافق میں نہیں ہوتیں اچھی خوبی اور دین کی سمجھ (كذا في ترمذي) (۵) قال رسول اللہ ﷺ "الناس معادن كمعادن الذهب والفضة خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام اذا فقهوا" یعنی لوگ کانیں ہیں مثل سونے اور چاندی کی کانوں کے پس جو کفر میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں جبکہ دین میں سمجھ پیدا کریں (كذا في احياء العلوم) (۶) حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ پیدا کرے اللہ تعالیٰ اس کو رنج سے بچاتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے کہ جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو (كذا ذكره الخطيب البغدادي في تاريخه) (۷) حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں دو قسمیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہوں تو سب لوگ درست ہو جاویں اور اگر وہ بگڑ جاویں تو سب لوگ بگڑ جاویں ایک امراء یعنی حکام ہیں دوسرے فقہاء ہیں (كذا ذكره ابن عبد البر وابو نعيم) (۸) اللہ تعالیٰ کی عبادت دین کی سمجھ سے جس طرح بہتر ہوتی ہے اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ (كذا ذكره الطبراني في الاوسط) (۹) حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے دین میں سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو اور بہتر عبادت فقہ ہے (كذا في احياء العلوم)

(۱۰) امام شافعیؒ نے فرمایا "العلم علمان علم الفقه للاديان وعلم الطب للابدان وما وراء ذلك بلغة مجلس" یعنی سیکھنے کے لائق علم تو بس دو ہی ہیں ایک علم فقہ جس کے ذریعہ دین کے احکام سے واقفیت ہو جاتی ہے اور دوسرا علم طب جس سے صحت انسانی کی تدبیر ہوتی ہے اور بقیہ علوم تو صرف حفظ مجلس کا ذریعہ ہیں (كذا في تعليم المتعلم للعلامة زرنوجي تلميذ صاحب ہدایہ) (۱۱) تفقه فان الفقه افضل قائد — الى البر والتقوى واعدل قاصد

هو العلم الهادي الى سنن الهدى — هو الحصن ينجي من جميع الشدائد

فان فقيها واحدا متورعا — اشد على الشيطان من الف عابد

یعنی فقہ ضرور حاصل کرو کیونکہ اس سے اعمال صالحہ کی توفیق اور تقویٰ کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور فقہ سے ہدایت کی راہیں کھل جاتی ہیں اور یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کی پناہ میں فقیہ تمام حوادثات و آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے بے شک ایک متقی فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے (كذا في تعليم المتعلم) تفصیل کیلئے احیاء العلوم کا ملاحظہ ہو۔

(۱) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "لكل شيء عماد وعماد الدين الفقه" (كذا في المعلومات النافعة لاحمد جودت پاشا صدر اعظم) (۲) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "افضل العبادة الفقه" (حوالہ بالا) (۳) "ما عبد الله بافضل من فقه في الدين" (حوالہ بالا)

(۱۰)
فقہ حنفی کا مختصر جائزہ

فقہ حنفی کس طرح وجود میں آیا اور اس میں کیا خصوصیات و امتیازات ہیں اس کا اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے: یحییٰ بن ضریس فرماتے ہیں کہ ایک دن میں سفیان کے پاس حاضر تھا ایک شخص آیا اور کہا کہ تم کو امام ابو حنیفہؒ پر کیا اعتراض ہے سفیان کہنے لگے کہ مجھے کیا اعتراض ہوتا میں نے تو خود انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں سب سے پہلے قرآن کو لیتا ہوں اگر کوئی مسئلہ اس میں نہ ملے تو پھر حدیث رسولﷺ میں تلاش کرتا ہوں اگر دونوں میں نہ ملے تو پھر آپ کے اصحاب کے اقوال میں تلاش کرتا ہوں ان میں جو زیادہ پسند آئے اس کو لیتا ہوں مگر ان اقوال کے باہر نہیں جاتا جب تابعین کا نمبر آتا ہے تو پھر ان کی اتباع کو لازم نہیں سمجھتا (امام صاحب خود بھی تابعی ہیں) انہوں نے بھی اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرلیتا ہوں ہم رجال و نحن رجال (کتاب خطیب بغدادی ج ۱۳ صفحہ ۳۶۸ و معارف السنن ج ۱ صفحہ ۴۹) اور معارف السنن میں مزید یہ ہے کہ امام اعظمؒ نے فرمایا کہ جو حدیث صحیح ہے وہ میرا مذہب ہے اور میں ہر مسئلہ میں بلا ضرورت قیاس سے کام نہیں لیتا بلکہ جس مسئلہ کی دلیل کتاب اللہ، سنت رسول اور صحابہ کرامؓ کے فیصلوں میں نہیں ملتی اس میں قیاس سے کام لیتا ہوں۔

خطیب بغدادی یحییٰ بن معینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدیث روایت کرنے کیلئے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے برابر یاد رہے اگر مسلسل یاد نہ رہے تو اس کی روایت درست نہیں سمجھتے۔ علامہ کوثری مصریؒ نے ذہبی کے مقدمہ میں ایک مقالہ لکھا اس میں رقمطراز ہیں کہ فقہ حنفی ایک شخص کی رائے نہیں ہے۔ بلکہ چالیس علماء کرام کی جماعت شوریٰ کی ترتیب دادہ ہے امام طحاویؒ نے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ چالیس میں یہ ممتاز ہستیاں شامل ہیں۔ ۱۔ قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ ۲۔ امام زفر بن ہذیلؒ ۳۔ داؤد طائیؒ ۴۔ اسد بن عمرو ۵۔ یوسف بن خالد السمتی (یہ حضرات امام شافعیؒ کے شیوخ ہیں) ۶۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، خطیب بغدادی نے کچھ اور ناموں کا اضافہ کیا ہے جیسے عافیہ ازدی، قاسم بن معینؒ، علی بن مسہر، مندل

امام صاحب اپنا مسلک تسلیم کرانے میں کسی پر جبر نہیں کرتے تھے بلکہ ہر ایک کو اپنی رائے دینے میں پوری آزادی تھی اور ہر ہر مسئلہ پر تین تین دن تک بحث ہوتی پھر اتفاق رائے یا کثرت رائے سے لکھا جاتا تھا۔ یہ مجلس شوریٰ نقل و عقل ہر دو لحاظ سے بہت کامل مجلس تھی چنانچہ علامہ بنوریؒ معارف السنن میں لکھتے ہیں ابو حنیفہؒ اول من وضع اساسا للمجمع الشوری فی الاحکام الشرعیۃ الاجتہادیۃ وارسی وضع لہ دستورا اساسیا علی اسس شرعیۃ تسمح لکل مجتہد باختیار وحریۃ مطلقۃ فی الاظہار رأیہ وذلک من تمام فضلہ بعد الصحابۃ لقولہ تعالیٰ "وامرھم شوریٰ"

بتغیر" (معارف السنن ج ۲ صفحہ ۲۴۳)

خطیب بغدادیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کسی شخص نے امام وکیعؒ سے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس مسئلہ میں غلطی کی تو امام وکیعؒ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ جیسے غلطی کر سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ امام ابو یوسفؒ و زفر بن ہذیلؒ جیسے قیاس کے ماہر اور یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان، مندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت جاننے والے داؤد الطائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی شامل ہیں اگر وہ غلطی کر جائیں تو کیا یہ لوگ ان کی اصلاح نہ کریں گے۔

امام صاحبؒ کا ضابطہ یہ تھا کہ آپ پہلے خبر واحد کو اس باب کی دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھتے اور قرآن کریم کے بیان سے بھی ان کو ملاتے اگر وہ قرآن کریم اور ان احادیث کے بیان کے مطابق ہو جاتی تو اس پر عمل کر لیتے ورنہ اسے شاذ قرار دیتے اور عمل نہ کرتے (کذا فی الموافقات ج ۳ صفحہ ۴۴)

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کے ادلّہ پر خوب غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ امام صاحب کے دلائل یا تو قرآن کریم سے ماخوذ ہیں یا احادیث صحیحہ سے یا احادیث حسنہ سے یا ایسی ضعیف احادیث سے جو تعدد طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ میں آ گئی ہوں اس سے کم درجہ کی کوئی دلیل نہیں (کذا فی المیزان الکبریٰ صفحہ ۶۲) حافظ ابو عمرؒ لکھا ہے کہ تقریباً ہر امام کے نزدیک جب کوئی حدیث صحیح معمول بہ بن جائے تو وہ اس کے مخالف حدیث میں تاویل و توجیہ کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن حنفیہ نے اکثر مواضع میں اصول کو جزئیات پر قربان نہیں کیا جب کسی مسئلہ میں ان کے نزدیک صاحب شریعت سے ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو گیا تو انہوں نے اس کے برخلاف جزئیات کو "قابل تاویل" سمجھا مثلاً انسانی حاجت کیلئے بیٹھنے میں ایک قانون یہ ہے کہ قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت اس ضابطہ کو حنفیہ نے پہلے منقول و معقول کے میزان میں پرکھا جب ان کے نزدیک ادب و احترام کا یہ آئین ثابت ہو گیا۔ تو حضرت ابن عمرؓ کے ایک جزئی واقعہ سے کہ انہوں نے ایک بار حضور ﷺ کو قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف پشت کئے ہوئے بیٹھے دیکھا اس ضابطہ کلیہ میں تاویل نہیں کی بلکہ اس واقعہ میں تاویل کی اسی طرح حدیث مصراۃ اور کلام فی الصلاۃ کی بحث ہے (کذا فی تذکرہ ائمہ اربعہ و مشہور محدثین)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ مافقہ المذاہب الاربعہ میں لکھتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں اگر احادیث میں تعارض ہو اور صحابہ باہم مختلف ہوں تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین نے جو امر اختیار کیا ہے وہ نہایت واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ہم نے شریعت اسلامیہ کے تمام احکام کی تحقیق کی تو شریعت میں دو قسم کے احکام پائے (۱) قواعد کلیہ جو جامع و مانع ہیں مثلاً لا تزر وازرۃ

وزوائدہ (ابن) الغنم بالغرم، الخراج بالضمان، الغاشق لا یحتمل الفسخ، البیع تم بالایجاب والقبول، البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر وغیرہ ذلک مما لا یحصی (۲) دوسری قسم وہ احکام ہیں جو حوادث جزئیہ اور اسباب مختصہ میں وارد ہوئے گویا اس قسم کے احکام ان کلیات سے جن کا تعلق قسم اول سے ہے استثناء کے طور پر ہیں پس مجتہدین پر واجب ہے کہ وہ ان کلیات کو محفوظ رکھے جو امور ان کے خلاف ہوں ان کو ترک کرے کیونکہ شریعت حقیقت میں انہیں کلیات کا نام ہے۔

فقہ حنفی مقبول ہونے کی وجوہات

واضح ہو کہ پوری دنیا میں فقہ حنفی مقبول عام اور رائج ہونے کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) اس کے مسائل حکم و مصالح پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ روایت و درایت کے عین مطابق ہیں (۲) فقہ حنفی دوسرے تمام فقہوں کی بہ نسبت نہایت آسان اور یسیر العمل ہے (۳) فقہ حنفی میں معاملات کے حصہ میں وسعت احکام اور باقاعدگی جو تمدن کی لئے بہت ضروری ہے تمام فقہوں سے زیادہ ہے (۴) فقہ حنفی نے غیر مسلم رعایا کو نہایت فیاض اور آزادی سے حقوق بخشے جس سے نظم مملکت میں بڑی سہولت ہوتی ہے (۵) احکام منصوصہ میں امام اعظمؒ نے جو پہلو اختیار کیا ہے عموماً وہ نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے (کذا فی سیرۃ النعمان علامہ شبلیؒ ج ۲)
(۶) خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں امام ابو یوسفؒ قاضی بنے اور وہ عراق خراسان ماوراء النہر وغیرہ میں مسلک حنفی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے جس کے ذریعہ فقہ حنفی کو شہرت ہوئی (کذا فی الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف للمحدث دہلویؒ)

امام صاحب کا قیاس کو خبر واحد پر مقدم کرنا اور اس کی وجوہات

متقدمین میں سفیان ثوریؒ اور متاخرین میں حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ کوفی شیخ بخاریؒ نے امام اعظمؒ پر یہ الزام لگایا کہ امام صاحب قیاس کو خبر واحد پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ امام صاحب کا قیاس کو خبر واحد پر ترجیح دینا یا رد کر دینا بلا وجہ نہیں ہے بلکہ چند وجوہ سے ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔
(۱) حدیث پر مطلع نہ ہوئے (۲) یا حدیث پر مطلع تو ہوئے مگر وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ثابت نہ ہوئی (۳) یا اس حدیث کا راوی غیر فقیہ ہے (اس پر علماء کا اختلاف ہے اور اس میں طویل بحث ہے)
(۴) یا راوی کا عمل حدیث مروی کے خلاف ہو کیونکہ یہ نسخ یا اس کے مثل پر دلالت کرتا ہے (۵) یا ایسی حدیث ہے جس سے واقف ہونے کی تمام لوگوں کو ضرورت ہے پھر بھی ایک راوی کے علاوہ اور کسی سے روایت نہیں آتی (۶) یا وہ حدیث حدود یا کفارہ میں وارد ہوئی ہو کیونکہ یہ دونوں شبہ کی وجہ

سے ساقط ہو جاتے ہیں اور راوی منفرد میں ذہول کا احتمال ہے (۷) یا وہ حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو اور اس قیاس جلی کو دوسری حدیث سے تقویت ملی ہو (۸) یا اس حدیث میں بعض سلف پر طعن ہو جیسے حدیث قسامہ (۹) یا اس مسئلہ میں خبر واحد وارد ہوئی ہو پھر بھی صحابہ کرام میں وہ مسئلہ مختلف فیہا ہو اور کسی نے اس حدیث سے استدلال نہ کیا، باوجود شدت اعتناء واہتمام صحابہ کرام کا اس حدیث کو مطلقاً چھوڑ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہے یا پایۂ ثبوت تک نہ پہنچی جیسے حدیث الطلاق بالرجال (۱۰) یا وہ خبر واحد ظاہر عموم قرآن کے مخالف ہو اس لئے کہ امام صاحب عموم قرآن کو خبر واحد سے خاص کرنا یا قرآن کریم کا منسوخ ماننا جائز نہیں جانتے۔ کیونکہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن کریم قطعی ہے اور اقوی کو مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کہ یہ عموم آیت کریمہ فاقرءوا ما تیسر منہ کے مخالف ہے (۱۱) یا وہ خبر واحد سنت مشہورہ کے مخالف ہو کیونکہ سنت مشہورہ خبر واحد سے قوی ہے جیسے حدیث شاہد واحد اور یمین کی کہ یہ عموم خبر مشہور البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر کے مخالف ہے

(۱۲) یا وہ خبر واحد قرآن کریم پر زائد ہو جیسے کہ یہی حدیث کہ قرآن میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا ذکر ہے تو شاہد اور یمین ان دونوں پر زائد ہیں (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الخیرات الحسان علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی المتوفی ۹۷۳ھ)

چونکہ امام صاحب بلا وجہ قیاس کو حدیث پر مقدم نہیں کرتے اس لئے مندرجہ ذیل مسائل میں امام صاحب نے قیاس کے بجائے نص پر عمل کیا (۱) عورت کا حصہ میراث میں مرد کا آدھا ہے حالانکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ مرد کا حصہ آدھا ہو کیونکہ عورت ضعیف ہے مرد قوی ہے (۲) حائضہ عورت روزے قضاء کرے گی نہ کہ نماز، حالانکہ نماز روزہ سے افضل ہے اس لئے نماز کی قضاء ہونی چاہئے نہ کہ روزے کی (۳) خروج منی سے غسل واجب ہے نہ کہ پیشاب سے، حالانکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ پیشاب سے غسل واجب ہو نہ کہ منی سے کیونکہ پیشاب بالاتفاق نجس ہے۔ منی امام شافعیؒ کے نزدیک پاک ہے (اس کی مکمل بحث درس ترمذی ج اول میں ملاحظہ ہو)

(۴) قہقہہ سے وضوء واجب ہے، حالانکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ وضوء واجب نہ ہو کیونکہ قہقہہ نجس نہیں ہے (۵) نماز جنازہ و سجدہ تلاوت میں قہقہہ ناقض للوضوء نہیں ہے نص کی وجہ سے (۶) بھول کر کھا لینے سے روزہ نہیں جاتا اور قصداً قے کرنے سے روزہ جاتا رہتا ہے حالانکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ پہلی صورت میں روزہ جاتا رہے کیونکہ روزہ کو پیٹ کے اندر جانے والی چیز توڑتی ہے اور دوسری صورت میں روزہ نہ ٹوٹے کیونکہ پیٹ سے باہر نکلنے والی چیز روزہ کو نہیں توڑتی ہے۔

(۷) مسح موزے کے اوپر ہوتا ہے نہ کہ نیچے حالانکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ مسح موزہ کے نیچے ہو کیونکہ گندگی نیچے لگتی ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے مسائل ہیں نمونے کیلئے یہی چند ذکر کئے گئے ہیں اور امام صاحب کی

نے فرمایا ابو اللہ الرازی فی تفسیر التبیان (کذا فی حوالہ بالا)

امام صاحب کے خصوصی اساتذہ و تلامذہ کی تعداد

خطیب بغدادیؒ روایت کرتے ہیں کہ امیر المومنین ابو جعفر نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ آپ نے کن صحابہ کرام کا علم حاصل کیا۔ امام صاحب نے فرمایا حضرت عمرؓ، علیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عباسؓ اور ان کے شاگردوں کا۔ ابو جعفر نے فرمایا کہ آپ نے تو بہت صحیح اور پختہ علم حاصل کیا کیونکہ یہ ہستیاں بہت مبارک اور بڑی مقدس تھیں (کذا فی خطیب بغدادی ج ۱۳ صفحہ ۳۳۴)

امام مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام کے علوم کو چھ صحابہ میں پایا (۱) عمرؓ (۲) علیؓ (۳) عبد اللہ بن مسعودؓ (۴) ابو الدرداءؓ (۵) زید بن ابی کعبؓ (۶) عبد اللہ بن عباسؓ ...... اور ان چھ کے علوم کو حضرت علیؓ و عبد اللہ بن مسعودؓ میں پایا (کذا فی معارف السنن ...... تدریب الراوی ج ۲ صفحہ ۲۱۸)

امام صاحبؒ نے تین سو تابعین سے علم حاصل کیا اور آپ کے کل اساتذہ جو حدیث کے ہیں چار ہزار تھے (کذا فی مناقب الامام الاعظم للشیخ صدر الائمہ موفق بن احمد المکی ج ۱ صفحہ ۹۶) بعض محدثین کرام نے امام صاحب کے خصوصی تلامذہ میں سے آٹھ سو تلامذہ فقہاء و محدثین کا تذکرہ مع نسب و مقام تفصیلاً کیا ہے اور جنہوں نے آپ کی مسند کو روایت کیا ان کی تعداد پانچ سو لکھی ہے اور جس وقت امام صاحب اپنے استاد حماد کی جگہ جامع مسجد کوفہ میں مسند درس پر رونق افروز ہوئے تو ایک ہزار شاگرد آپ کے پاس جمع تھے (کذا فی قال بعض الناس صفحہ ۹)

امام اعظمؒ سے منقول شدہ مسائل و روایات کی تعداد

جاننا چاہئے کہ امام صاحب سے جو مسائل منقول ہیں ان کی تعداد کم از کم تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) ہے اور ابو الفضل الکرمانی مصری الجوینی امام الحرمین نے ان میں ایک سو ہزار کا اور اضافہ کیا ہے۔ الشیخ محمود البابرتی صاحب العنایۃ فی شرح الہدایۃ فرماتے ہیں کہ جن مسائل کو امام اعظمؒ نے مدون فرمایا ان کی تعداد بارہ لاکھ ستر ہزار ہے (۱۲۷۰۰۰۰) (کذا فی معارف السنن ج ۲ صفحہ ۲۹۲)

امام حسن بن زیادؒ کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہؒ چار ہزار حدیثیں روایت کیا کرتے تھے جن میں دو

ہزار امام صنعانی تیس اور دو ہزار دیگر مشائخ کی (کذا فی مناقب الامام الاعظم للشیخ صدر الائمہ موفق بن احمد المکی ج ۱ صفحہ ۹۶) بعض محدثین کا کہنا ہے کہ امام صاحب کی تصانیف میں ستر ہزار حدیثیں ملتی ہیں (کذا فی دروس ترمذی ج ۱ صفحہ ۹۸)

تصنیفات امام اعظمؒ

جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ دور عباسیہ کی ابتداء یعنی دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے امام صاحب نے علم فقہ مدون کیا اور اس مدونہ فقہ کا فقہی مجموعہ تیار ہو کر کتب ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مجموعہ فقہی ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا جن میں ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے ۳۰ ہزار دفعات کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا ترتیب اس کی یہ تھی باب الطہارۃ، باب الصلوٰۃ، معاملات، عقوبات، آخر میں باب المیراث یہ مجموعہ فقہی ۱۲۰ھ کے مکمل ہو چکا تھا مگر بعد میں بھی اس میں اضافے ہوتے رہے بعد اضافہ اس مجموعہ کے مسائل کی تعداد پانچ لاکھ تک ہو چکی تھی (کذا فی جامع المسانید الخوارزمی صفحہ ۳۵)

علامہ کوثریؒ نے بلوغ الامانی کے حاشیہ پر امام صاحب کی گیارہ تصنیفات کا ذکر کیا ہے (۱) کتاب الرائے (۲) کتاب اختلاف الصحابہ (۳) کتاب الجامع (۴) کتاب السیر (۵) کتاب الاوسط (۶) الفقہ الاکبر (۷) الفقہ الابسط (۸) کتاب العالم والمتعلم (۹) کتاب الرد علی القدریہ (۱۰) مکاتیب ورسائل (۱۱) رسالۃ الامام الی عثمان البتی فی الارجاء مولفات القدیمین میں آپ کی اور بھی بہت سی تصنیفات کا ذکر ہے (۱۲) کتاب الآثار امام اعظمؒ نے یہ کتاب چالیس ہزار احادیث سے انتخاب کر کے مرتب کی ہے (کذا فی مناقب الامام الاعظم صفحہ ۹۰) اس کے بہت سے راوی ہیں جن میں چار مشہور ہیں (۱) امام ابو یوسفؒ (۲) امام محمدؒ (۳) امام زفرؒ (۴) امام حسن بن زیاد۔ یہ کتاب فقہی ابواب پر سب سے پہلی مرتب کتاب ہے جس کی تالیف کا شرف امام اعظمؒ کو حاصل ہے (کذا فی تبییض الصحیفہ للعلامہ جلال الدین السیوطی) یہ کتاب موطا امام مالک کیلئے اصل وماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اس میں [illegible] آثار و ۱۰۰ احادیث ہیں کثرت آثار کی وجہ سے کتاب کا نام ہی کتاب الآثار رہ گیا۔ اس کتاب میں امام محمدؒ اپنا اور امام اعظمؒ کا مسلک ذکر کرتے ہیں لیکن امام ابو یوسفؒ کا مسلک ذکر نہیں کرتے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی انہی کے ساتھ ہیں۔

(۱۹)

دور تدوین میں فقہ حنفی کی کتابیں

دور تدوین میں فقہ حنفی کی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے چند اہم کتابوں کا اجمال خاکہ پیش خدمت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ میں سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ نے متعدد کتابیں لکھیں ہیں ابن ندیم نے کتب ابی یوسف کی طویل فہرست دی ہے ان میں سے مندرجہ ذیل کتابیں چھپ چکی ہیں (۱) کتاب الخراج (۲) کتاب اختلاف ابی حنیفہ و (۳) ابن ابی لیلی

اس کے بعد امام محمدؒ نے کتابیں لکھی ہیں مشہور ہے کہ امام محمدؒ نے ۹۹۰ کتابیں تصنیف کی ہیں اور وہ سب کی سب علوم دینیہ میں ہیں جن میں سے زیادہ تر تصانیف فقہ حنفی کیلئے اساس کا درجہ رکھتی ہیں (کذافی الفوائد البہیہ لعلامہ مولانا عبدالحیؒ) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ امام محمدؒ کی جمیع تصنیفات کی تعداد ۱۰۰۰ ہے (کذافی مفتاح السعادۃ) لیکن صاحب تذکرۃ ائمہ اربعہ و مشہور محدثین نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے۔

بہر حال امام محمدؒ کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں اس کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ دس ہزاری اونٹنی نقل کتب پر مامور تھیں اور امام محمدؒ کتابوں کے ڈھیر کے درمیان تشریف فرما ہوتے ایک انگریز نے جب تصانیف امام محمدؒ کو دیکھا تو بے اختیار بول پڑا کہ جب چھوٹے محمدؒ کا یہ حال ہے تو بڑے محمد (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا عالم ہوگا۔

امام محمدؒ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں جو مسائل استنباط کئے ہیں ان کی تعداد ۱۰,۰۰,۰۰۰ ہے۔ ان کی چند مشہور تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں (۱) المبسوط چونکہ اس کی تصنیف سب سے پہلے ہوئی ہے اور سب سے بڑی بھی ہے اس لئے اس کو الاصل بھی کہا جاتا ہے یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے اس میں آپ نے امام ابو یوسفؒ کے جمع کردہ مسائل کو خوب وضاحت کے ساتھ مرتب کیا ہے اس میں تقریباً ہزار ہا قریب مسائل مذکور ہیں مقدمہ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ صفحہ ۵ میں ہے کہ اگر مسئلہ اختلافی ہو تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف مذکور ہوتا ہے جہاں اختلاف مذکور نہیں وہ سب کا متفقہ سمجھا جائے اور ہر باب کا آغاز ان آثار سے کرتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوتے تھے پھر سوالات اور ان کے جوابات ذکر کرتے ہیں بعض جگہ ابن ابی لیلی کا اختلاف بھی ذکر کرتے ہیں لیکن اس میں تعلیل یعنی دلیل ذکر نہیں۔ اس کتاب کو روایت کرنے والے آپ کے شاگرد احمد بن حفص ہیں۔

تاریخ علم فقہ صفحہ ۲۲ میں ہے کہ اس کتاب میں اکثر ان مسائل پر بحث کرتے ہیں جن میں امام ابو حنیفہؒ اور ابن ابی لیلی کا اختلاف ہے اور اس میں علل و احکام قیاسیہ نہیں ہیں۔ واضح ہو کہ المبسوط کے کئی نسخے ہیں ان میں زیادہ مشہور ابو سلیمان جوزجانی کا نسخہ ہے جس کی شروح شارحین

نے کی ہیں لیکن ان شرحوں کی نسبت شارحین کی طرف ہوتی ہے مثلاً المبسوط شمس الائمہ الحلوانی المبسوط شیخ الاسلام خواہرزادہ ایک اور مبسوط علامہ سرخسی کی ہے جو کتاب الکافی کی شرح ہے جس کا مصنف حاکم شہید ہے اور یہ مجموعہ تیس جلدوں پر مشتمل ہے جب مبسوط علی الاطلاق بولا جائے تو یہی مراد ہوتی ہے۔

(۲) الجامع الصغیر: اس میں آپ نے امام ابویوسف کی روایت سے امام اعظمؒ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل ۱۵۳۲ مسائل ہیں جن میں سے ۱۷۰ مسائل میں اختلاف رائے بھی کیا ہے یہ فقہ کے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ اس کے مسائل کو احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ سے ثابت کیا گیا ہے مقدمہ اشرف الہدایہ شرح اردو ھدایہ صفحہ ۲۰ میں فاضل مصنف لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے تمام مسائل بروایت محمدؒ ابویوسفؒ سے ماخوذ ہیں اسی لئے ہر باب کا آغاز اس عبارت سے کرتے ہیں محمدؒ عن یعقوب عن ابی حنیفہؒ بعض علماء کا خیال ہے کہ امام محمد کی کتابوں میں سے یہی ایک کتاب ہے جو انہوں نے صرف امام ابویوسفؒ سے روایت کی ہے اور کسی دوسرے سے استفادہ نہیں کیا "ابن البزازی المناقب میں لکھتے ہیں کہ امام محمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے الجامع الکبیر امام ابویوسفؒ سے سنی ہے تو انہوں نے جواب دیا بخدا نہیں نے آپ سے صرف الجامع الصغیر کا سماع کیا ہے اور یہ کتاب آپ نے نہیں سنی حالانکہ آپ اس کے مضامین سے خوب آگاہ تھے مگر زیادہ قرین صواب یہ ہے کہ امام محمدؒ کی جو کتب صغیر کے نام سے موسوم ہیں وہ امام ابویوسفؒ سے مروی ہیں۔

ابن نجیم البحرالرائق کے باب التشہد میں یوں رقمطراز ہیں کہ محمدؒ کی وہ تالیفات جو صغیر کے نام سے موسوم ہیں وہ امام محمدؒ و امام ابویوسفؒ کے متفق علیہ مسائل پر مشتمل ہیں اس کے برخلاف جو تالیفات کبیر کہلاتی ہیں وہ امام ابویوسف کے سامنے پیش نہیں کی گئیں محقق ابن امیر حاج حلبیہ منیہ کی شرح باب الصبح میں لکھتے ہیں کہ امام محمدؒ نے اپنی اکثر کتابیں امام ابویوسف کو سنائیں بجز ان کتابوں کے جن میں کبیر کا نام موجود ہے یہ کتب صرف امام محمدؒ کی تصنیف ہیں اور امام ابویوسفؒ کو نہیں سنائی گئیں۔ جیسے المضاربۃ الکبیر، المزارعۃ الکبیر، الماذون الکبیر، الجامع الکبیر، السیر الکبیر

بہرحال امام محمدؒ سے یہ کتاب عیسیٰ بن ابان اور محمد بن ماعۃؒ نے روایت کی ہے اس کتاب کی مندرجات اگرچہ امام محمدؒ کی جمع کردہ ہیں مگر ترتیب و تبویب آپ کی نہیں اسی لئے الجامع الصغیر کا جو نسخہ مصر میں کتاب الخراج کے حاشیہ پر چھپا ہے اس کے مقدمہ میں مذکور ہے کہ محمدؒ نے فقہ میں ایک کتاب لکھی جسے الجامع الصغیر کے نام سے موسوم کیا اس نے اس میں فقہ کی چالیس کتابوں کو سمو دیا مگر جس طرح آپ نے المبسوط کی تبویب کی تھی اسی طرح الجامع الصغیر میں شامل کردہ کتب کی تبویب نہیں کی یہ کام قاضی ابوطاہر دباس نے انجام دیا تھا تاکہ طلباء پر اس کا حفظ و مطالعہ آسان ہو جائے پھر ان کے تلمیذ رشید فقیہ ابو عبداللہ ابن محمود نے ان کے گھر میں بیٹھ کر اسے لکھا اور ۳۳۳

دمیں انہیں پڑھ کر سنایا۔

(۳) الجامع الکبیر۔ اس میں اپنے امام صاحب کے اقوال کے ساتھ امام ابو یوسفؒ و امام زفرؒ کے اقوال بھی ذکر کئے ہیں اور ہر مسئلہ کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کیا گیا ہے جامع صغیر سے زیادہ مشکل ہے یہ بہت اہم کتاب ہے علماء کا متفقہ بیان ہے کہ امام محمدؒ نے یہ کتاب امام ابو یوسفؒ سے روایت نہیں کی اگرچہ امام ابو یوسفؒ اس کے مندرجات سے ناآشنا نہ تھے جیسا کہ امام محمدؒ کا اپنا بیان ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کتاب میں ذکر کردہ بہت سے مسائل امام ابو یوسفؒ سے ماخوذ ہیں علاوہ ازیں اور مسائل بھی ہیں جو امام محمدؒ کی ذاتی کاوش کا نتیجہ ہیں یا انہوں نے علماء کی زبانی ذاتی طور سے اخذ کئے آپ نے یہ کتاب دو مرتبہ تصنیف کی پہلی تصنیف کو روایت کرنے والے کبیر ابو سلیمان جوزجانی، ہشام بن عبید اللہ رازی، محمد بن سماعہ اور کچھ تلامذہ تھے پھر اس پر نظرثانی کی اور بہت سے ابواب و مسائل بڑھا دیئے۔

(۴) زیادات جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آتے رہے وہ اس میں درج کئے ہیں اس لئے اس کو زیادات کہتے ہیں اس کے راوی احمد بن حفص ہیں اور اس کی زیادۃ الزیادات بھی امام محمدؒ نے ہی لکھی ہیں (۵) السیر الصغیر یہ سیر پر ہے۔ اس کے راوی احمد بن حفص ہیں اس میں جہاد اور حکومت و سیاست کے مسائل ہیں امام اوزاعیؒ نے جب اس کو دیکھا تو تعریف کی مگر بطور طنز یہ کہا کہ اہل عراق کو اس میں سے کیا نسبت؟ جب امام محمدؒ نے یہ جملہ سنا تو سیر کبیر لکھنا شروع کی جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے امام سرخسیؒ سے نقل کرتے ہوئے السیر الکبیر کی تالیف و تاریخ کے متعلق لکھا ہے۔

(۶) السیر الکبیر اس کو ساٹھ ضخیم اجزاء میں مرتب کیا اس میں مغازی سیر جہاد صلح احکام امان فداء خراج، غلامی وغیرہ مسائل ہیں اور تیاری کے بعد ایک گاڑی لدوا کر خلیفہ وقت ہارون رشید کے پاس لیجایا گیا اراداۃً خلیفہ نے شہزادوں کو استقبال کیلئے بھیجا۔ اور امام اوزاعیؒ نے اس کو دیکھ کر بہت تعریف کی لیکن امام محمدؒ نے یہ کتاب اس وقت تصنیف کی جب آپ کے مراسم امام ابو یوسفؒ سے ٹھیک نہ تھے یہی وجہ ہے امام محمدؒ اس کتاب میں شدت وحشت و نفرت کی بناء پر امام ابو یوسفؒ کا نام بھی نہیں لیتے اور صحت روایت کرتے وقت یہ کہہ دیتے ہیں کہ حدثنی الثقۃ حالانکہ اس سے مراد امام ابو یوسفؒ ہوتے ہیں (مزید معلومات کیلئے مقدمہ اشرف الہدایہ صفحہ ۷۲ کا ملاحظہ ہو)

واضح ہو کہ مذکورہ چھ کتابوں کی ترتیب زمانہ اور تصنیف کے لحاظ سے یہی ہے اور ان کتابوں میں وہی مسائل موجود ہیں جو ائمہ ثلثہ (امام ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ، امام محمدؒ) سے مروی ہیں چونکہ یہ مسائل اصحاب مذہب سے مروی ہیں اور کتب مشہورہ متداولہ میں مندرج ہیں اس لئے ان کو مسائل الاصول اور ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے سیر کبیر بالکل آخری تصنیف ہے۔

(۷) کتاب الحج امام اعظمؒ کی وفات کے بعد امام محمدؒ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور امام مالک کی

خدمت میں تین سال رہے ان سے موطا پڑھی بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابوحنیفہؒ سے
اختلاف رکھتے تھے امام محمدؒ مدینہ سے واپس آکر یہ کتاب لکھی اس میں فقہی ابواب باندھتے ہیں پھر
اہل مدینہ کا قول نقل کرتے ہیں احادیث وآثار سے ثابت کرتے ہیں کہ امام اعظم کا مسلک راجح ہے
(۸) کتاب الامام راس کی تفصیل گزر گئی ہے (۹) رقیات (۱۰) کیسانیات (۱۱) جرجانیات (۱۲)
ہارونیات (۱۳) کتاب الحیل (۱۴) کتاب النوادر (۱۵) کتاب الرد علی اہل المدینہ (مزید تفصیل کیلئے
ملاحظہ ہو قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون صفحہ ۸۲ والفہرست لابن ندیم)

فقہ مالکی پر ایک نظر

امام مالکؒ اپنے مذہب کی بنیاد ان روایات پر رکھی ہے جو روایات ان تک مرفوع ہیں اس کے
مراسیل ذکر کرتے ہیں اس کے بعد حضرت عمرؓ کے فیصلے ذکر کرتے ہیں پھر عبداللہ بن عمرؓ کے فتاوی پھر
فقہاء مدینہ کے اقوال امام مالکؒ کے فقہ میں اہل مدینہ کے تعامل کو خاص اہمیت حاصل ہے ان کے
نزدیک مدینہ مہبط وحی ہونے کی وجہ سے اس کا تعامل ثبت ہونا چاہئے اور اہل مدینہ وحی کے معانی
ومطالب سے زیادہ واقف ہیں لہٰذا جو حدیث اہل مدینہ کے عمل کے خلاف ہو ضروری ہے کہ وہ
حدیث منسوخ ہو یا مؤول یا مخصص ہو یا کوئی وقتی اتفاق ہو غرض ایسی حدیث پر احکام شرعیہ کا مدار
نہیں ہو سکتا۔ اور امام مالکؒ فقہاء مدینہ سبعہ کی اقتداء میں بسا اوقات حدیث مرفوع کو بھی چھوڑ
دیتے ہیں (ماخوذ معارف السنن ج ۱ صفحہ ۲۲ و بیان ماخذ مذاہب کا ربط اور تذکرہ ائمہ اربعہ
رحمہم محدثین)

حافظ ابو عمرو الدانی نقل کرتے ہیں امام مالکؒ جب یہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے شہر کا عمل اسی
مسئلہ پر دیکھا تو اس سے ان کی مراد ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن اور ابن ہرمز ہوتے ہیں (کمافی جامع بیان
العلم ج ۲ صفحہ ۴۵)

فقہ مالکی کا زیادہ چرچا اہل مغرب اور اندلس میں ہوا اس کی وجہ ابن خلدون یہ لکھتے ہیں کہ اہل
مغرب اور اندلس کا سفر اکثر حجاز مقدس کی جانب ہوا کرتا تھا اس زمانہ میں مدینہ منورہ علم کا گہوارہ بن
رہا تھا۔ یہیں سے علم نکل کر عراق پہنچا ان کے راستہ میں عراق نہیں پڑتا تھا اس لئے ان کے علم کا مأخذ
علماء مدینہ تھے اور مدینہ میں امام مالکؒ کا درجہ معلوم ہے اس لئے مغرب اور اندلس کے اصحاب کا علم
امام مالکؒ اور اس کے بعد ان کے تلامذہ میں منحصر ہو گیا تھا یہ لوگ امام مالکؒ کے مقلد بن گئے اور
جس کا علم انہیں نہیں پہنچا ان کے وہ مقلد نہیں تھے (کمافی تذکرہ ائمہ اربعہ ومشہور محدثین) امام
مالکؒ کے نزدیک استنباط مسائل کے ذرائع یہ ہے (۱) قرآن (۲) احادیث (۳) آثار صحابہ (۴)

تعامل اہل مدینہ (۵) قیاس اور مصالح مرسلہ' اور وہ اہل حجاز میں سے کبار محدثین پر اعتماد کرتے تھے (کمافی تاریخ علم فقہ صفحہ ۱۳۸ از مولانا سید محمد نعیم الاحسان صاحب)

فقہ شافعی کی تعمیر

فقہ حنفی کے بعد فقہ شافعی کا چرچا زیادہ ہوا اور ان کے متبعین بھی بہت زیادہ ہیں فقہ میں امام شافعی کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح حدیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک کر دیتے تھے کسی اور مذہب میں فقہ کی تعمیر اس معیار پر نہیں کی گئی اور عبادات کے مسائل میں آپ احتیاط کا پہلو اختیار فرمایا کرتے ہیں' اور اگر کسی مسئلہ میں احادیث متعارض ہوں اور اقوال صحابہ بھی باہم مختلف ہوں تو ایسی صورت میں امام شافعیؒ اہل حجاز کو مقدم مانتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں بایں وجہ امام شافعیؒ نے اس سلسلے میں درایت وفہم کو دخل دیا ہے اور روایات متعارضہ کو مختلف حالات پر حمل کرکے حتی الامکان روایات میں تطبیق دینے کی راہ اختیار کی۔

جب آپ مصر و عراق تشریف لے گئے اور ان ملکوں کے ثقات سے اور بہت سی روایات سنی اور آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ بعض روایات کو اہل حجاز کے عمل پر ترجیح ہے تو اس کے بعد ہی سے آپ کے مذہب میں دو قول' قدیم وجدید کا ظہور ہوا (کمافی بیان ماخذ المذاہب الاربعہ) تاریخ علم فقہ صفحہ ۱۴۸ میں مصنف فاضل لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے فقہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مذہب قدیم جسے انہوں نے عراق میں مرتب کیا تھا۔ اس میں عراقی رنگ غالب ہے (۲) مذہب جدید جسے انہوں نے مصر میں مرتب کیا تھا اس میں حجازی رنگ کا غلبہ ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے مذہب کے اساسی اصول خود اپنے رسالہ اصولیہ میں لکھے ہیں وہ ظاہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں یہاں تک کہ کسی دلیل سے ثابت ہو کہ ظاہر قرآن مراد نہیں۔

اس کے بعد وہ حدیث کو لیتے ہیں خواہ جس مقام کے علماء سے حاصل کی ہو بشرطیکہ متصل ہو روات ثقہ ہوں امام مالکؒ کی طرح اس کے بعد وہ کسی عمل کی جو حدیث کی مؤید ہو قید نہیں لگاتے نہ امام ابو حنیفہؒ کی طرح حدیث کی شہرت وغیرہ کی قید لگاتے ہیں اس لئے علماء حدیث میں امام شافعیؒ کو نہایت حسن قبول حاصل ہوا یہاں تک کہ اہل بغداد ان کو ناصر السنہ کہتے تھے۔ وہ حدیث کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور واجب الاتباع سمجھتے ہیں جس طرح قرآن حکیم کو دیکھتے ہیں اس میں تعیین اور ظن کا بھی فرق نہیں کرتے حدیث کے بعد اجماع پر عمل کرتے ہیں اس کے بعد وہ قیاس پر اس شرط کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ اس کیلئے کوئی اصل معین ہو۔ عراقیوں کے استحسان اور حجازیوں کے استصلاح کی انہوں نے شدت سے مخالفت کی البتہ وہ استدلال پر عمل کرتے ہیں جو اس کے قریب ہے۔

(۲۱)

فقہ حنبلی کے پانچ زرین اصول

کسی مسئلہ میں اگر احادیث متعارض ہوں اور اقوال صحابہ و تابعین بھی باہم مختلف ہوں تو اس صورت میں امام احمدؒ ہر حدیث کو اس کے ظاہر معنی پر محمول کرتے ہیں لیکن منشہ حکم کے اتحاد کی صورت میں وہ احادیث کو ان کے مراد کے ساتھ خاص کرتے ہیں اس لئے اس کا مذہب خلاف قیاس ہوا اور بلاوجہ فرق کے اس میں حکم کا اختلاف ہوا اسی وجہ سے اس کا مذہب ظاہریہ کی طرف منسوب ہے (کمانی بیان ماخذ المذاہب الاربعہ)

فقہ حنبلی کے پانچ زرین اصول مندرجہ ذیل ہیں (۱) جب کسی مسئلہ کے متعلق صریح نص موجود ہو تو پھر اسی پر عمل کرنا ہے اور کسی کے اختلاف کی پرواہ نہ کی جائے اسی لئے امام احمدؒ کے نزدیک

مبتوتہ عورت کیلئے نفقہ و سکنیٰ دونوں واجب نہیں کیونکہ اس بارے میں فاطمہ بنت قیس کی صریح حدیث موجود ہے اسی طرح ان کا مذہب یہ تھا کہ حج کو فسخ کرکے عمرہ بنایا جاسکتا ہے کیونکہ اس کے متعلق حدیث ثابت ہو چکی ہے۔

(۲) جب کسی مسئلہ میں صحابی کا فتویٰ معلوم ہو جائے اور اس کے مخالف کسی صحابی کا قول معلوم نہ ہو سکے تو پھر وہی مختار ہونا چاہئے ایسے مقام پر امام احمدؒ بطور تاثر اجماع کا لفظ نہیں فرمایا کرتے بلکہ یہ فرما دیتے ہیں کہ مجھے اس کے خلاف کسی کا قول معلوم نہیں' حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کے نزدیک فتویٰ صحابی کی اہمیت حدیث مرسل سے بھی زیادہ ہے' اسحاق بن ابراہیم نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ آپ کو صحیح مرسل حدیث زیادہ محبوب ہے یا صحابی کا صحیح اثر فرمایا صحابی کا صحیح اثر۔

(۳) جس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہوا اس میں جس کا قول کتاب و سنت کے قریب نظر آئے اسی کو اختیار کر لینا چاہئے اگر یہ ترجیح ثابت نہ ہو سکے تو پھر صحابہ کے مختلف اقوال کو نقل کر دینا چاہئے کسی قول پر جزم نہ کرنا چاہئے (۴) اگر کسی مسئلہ میں ضعیف یا مرسل حدیث موجود ہو اس کو بھی قیاس پر مقدم رکھنا چاہئے بشرطیکہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی اور حدیث یا قول صحابی یا اجماع مخالف نہ ہو' امام احمدؒ کے نزدیک یہاں ضعیف سے منکر یا باطل حدیث مراد نہیں بلکہ حسن لغیرہ مراد ہے ان کے نزدیک حدیث کی دو ہی قسم تھیں' صحیح و ضعیف اور حدیث حسن صحیح میں داخل تھی۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ اصول اجمالی طور پر دوسرے ائمہ کے نزدیک بھی مسلم ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ نے نماز میں قہقہہ لگانے کو نواقض وضوء میں شمار کیا ہے حالانکہ یہ قیاس کے مخالف ہے لیکن اس کے متعلق ایک ضعیف حدیث موجود ہے لہٰذا قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔

(۵) قیاس اس وقت جائز ہو سکتا ہے جب کسی مسئلہ میں مذکورہ سامان نہ مل سکے اور وہ بھی بقدر

ضرورت (کذا فی اعلام الموقعین ج ا صفحہ ۳۳) عبداللہ بن امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص رائے پر عمل کرے اس کے دل میں دھوکہ ہے اس لئے میرے نزدیک رائے سے حدیث ضعیف پر عمل کرنا اولیٰ و ارجح ہے (کذا فی مقدمہ فتح الملہم صفحہ ۷۵ و تدریب الراوی صفحہ ۱۶۸ ج ا)

طبقات سبعۃ للفقہاء الکرام

فقہاء کرام کے سات طبقے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) الطبقۃ الاولیٰ المجتہدون فی الشرع) اس کو مجتہد مطلق بھی کہتے ہیں یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں اصول و قواعد کی بنیاد ڈالی اور ان قواعد و ضوابط کو پیش نظر رکھ کر ادلہ اربعہ سے مسائل شرعیہ کا استنباط کرتے ہیں نیز یہ حضرات استخراج احکام و استنباط مسائل میں کسی کی تقلید نہیں کرتے نہ اصول میں نہ فروع میں بلکہ ان حضرات کیلئے تقلید جائز ہی نہیں جیسا کہ ائمہ اربعہ اور ان کے ہم مثل ائمہ کرام ہیں۔

(۲) الطبقۃ الثانیۃ المجتہدون فی المذہب' یہ وہ حضرات ہیں جو ائمہ مذکورین کے مقررکردہ اصول و ضوابط کو سامنے رکھ کر ادلہ اربعہ سے نئے نئے مسائل استنباط و استخراج کرتے ہیں یہ حضرات اصول میں اپنے استادوں کی تقلید کرتے ہیں لیکن فروع میں تقلید نہیں کرتے جیسا کہ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ و زفرؒ وغیرہ ہیں' لیکن اس پر اعتراض یوں ہوگا کہ بہت سے مسائل میں یہ حضرات اصول و فروع دونوں میں اپنے استاد کے خلاف گئے ہیں چنانچہ امام محمد بن محمد حجۃ الاسلام غزالی المتوفی ۵۰۵ صاحب احیاء العلوم اپنی مشہور کتاب المنخول میں رقمطراز ہیں کہ امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے دو ثلث مسائل میں من حیث الاصول و الفروع اختلاف کئے ہیں۔

اس کے جواب میں شمس الائمہ محمد بن عبدالستار الکردریؒ اپنی کتاب رد المنخول میں لکھتے ہیں کہ امام اعظمؒ کو معلوم ہے کہ امام ابو یوسفؒ و محمدؒ اجتہاد کے مرتبے میں ہیں اور مجتہد کا عمل اجتہاد کرنا ہے دوسروں کی تقلید اس کیلئے جائز نہیں اس لئے امام صاحب نے ان کو اپنے ان مسائل میں تقلید کرنے سے منع کیا جن میں ان کو امام صاحب کے دلائل ظاہر نہ ہوا اور فرمایا کسی کیلئے میرے اس قول کو اختیار کرنا جائز نہیں جس کے بارے میں اس کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کس دلیل کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں اب صاحبین کو امام صاحب کے بعض مسائل میں دلیل واضح نہیں ہوئی بلکہ ان کے خلاف

علامات پائی گئیں اس لئے ان مسائل میں صاحبین امام صاحب ہی کے حکم سے خلاف قول کیا' یا یوں کہئے کہ یہ حضرات راتقاً' مجتہد فی الدین والشرع تھے لیکن تواضعاً' وادباً' للاستاذ اپنے آپ کو اس حیثیت سے ظاہر نہیں کیا بلکہ ان کے مقرر کردہ اصول سامنے رکھ کر جن مسائل میں ان کی رائے کے خلاف دیکھا وہیں اپنا اختلاف رائے ظاہر کردیا اسی وجہ سے علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے المیزان میں اور شاہ ولی اللہ نے الانصاف میں ان کو مجتہدین منتسبین لکھا ہے (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حضرات مجتہد مطلق نہیں تھے بلکہ مقلدین تھے وجہ یہ ہے کہ فقہاً اختلاف فرماتے ہیں مثلاً ہم جس قول پر فتویٰ دیتے ہیں یا جس قول کو ترجیح دیتے ہیں امام صاحب کے خلاف وہ در حقیقت انہی کا ایک قول ہوتا ہے چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ نے شرح عقود رسم المفتی میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

(۳) الطبقۃ الثالثۃ المجتہدون فی المسائل۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے ائمہ اربعہ کی تاسیس کردہ اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھ کر ان احکام کا استنباط و استخراج کیا ہے جن میں صاحب مذہب سے کوئی نص نہ ہو اور یہ حضرات صاحب مذہب کے کسی اصول و فروع میں کسی سے اختلاف نہیں کرتے جیسا کہ علامہ ابی بکر احمد خصاف' ابوبکر جصاص' ابو جعفر احمد طحاوی' ابوالحسن کرخی' شمس الائمہ محمد سرخسی' شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی' فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی' فخر الدین قاضی خان وغیرہ ہیں۔

(۴) الطبقۃ الرابعۃ اصحاب التخریج' یہ وہ حضرات ہیں جو اجتہاد کی طاقت نہیں رکھتے لیکن اصول و ضوابط پر ایسی مہارت تامہ حاصل ہے کہ کسی مجمل ذی وجہین قول کی تفصیل بیان کر سکتے ہیں۔ یعنی اگر صاحب مذہب سے کوئی بات بطور مبہم یا مجمل نقل ہوئی ہو تو یہ حضرات اس کے احتمال شرعی یا ابہام دور کر کے صحیح محمل بیان کر دیتے ہیں جیسا کہ ابوبکر احمد بن علی الرازی المتوفی ۳۷۰ھ ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ الجرجانی متوفی ۳۹۸ھ اور ان کے ہم مثل علماء ہیں

(۵) الطبقۃ الخامسۃ اصحاب الترجیح یہ وہ حضرات ہیں جن کی شان یہ ہے کہ بعض روایات کو بعض پر ترجیح دینا' اور وجہ راجح اور اغلب راجح بیان کرنا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ' ابوالحسین احمد صاحب قدوری' ابن ہمام صاحب فتح القدیر اور ان کے ہم مثل علماء ہیں

(۶) الطبقۃ السادسۃ القادرون علی التمیز' یہ وہ حضرات ہیں جو صحیح اور ضعیف قوی اور ظاہر و غیر ظاہر کے درمیان تمیز دے سکتے ہیں جیسا کہ صاحب الوقایہ صاحب المجمع' صاحب الکنز حافظ الدین نسفی وغیرہ ہیں۔

(۷) الطبقۃ السابعۃ المقلدون محضاً' یہ وہ حضرات ہیں جو مذکورہ اشیاء میں سے کسی پر بھی طاقت نہیں رکھتے بقول علامہ شامیؒ ان کو دائیں بائیں کی خبر تک بھی نہیں بل یجمعون ما یجدون کا

مصداق ہیں ان کی تقلید جائز نہیں ہے ' (تفصیل کیلئے مقدمہ عمدۃ الرعایہ لمولانا عبدالحی ' الجواہر النقیہ شرح الدرۃ المنیفۃ فی مذاہب ابی حنیفہ لمولانا عمر بن عمر الازہری المصری ' ذم الروافض لملا علی قاری صاحب مرقات شرح مشکوٰۃ ' الفتح الکبیر لمن یطعن فی تابع الصغیر وغیرہ ملاحظہ ہو)

ضروری اصطلاحات وفوائد متفرقہ

عام طور پر مصنفین حضرات کتابوں میں کچھ ایسے الفاظ و عبارات لاتے ہیں جن سے خاص بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے چند مندرجہ ذیل ہیں (۱) تأمل ' سے قوی جواب کی طرف اشارہ ہوتا ہے یعنی سوال مذکور کا جو جواب دیا گیا اس سے ایک اور قوی جواب موجود ہے (۲) قیل ' سے ضعیف جواب کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے (۳) فیتأمل ' سے جواب اضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۴) فیہ بحث ' سے گزشتہ عبارت میں کسی تحقیق یا فساد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ (۵) فیہ نظر اس موقع پر استعمال کرتے ہیں جہاں فساد لازم آرہا ہو (۶) جاز ' سے اقوی سوال کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس کے جواب میں اقول یا نقول استعمال کرتے ہیں۔

(۷) فان قیل ' سے سوال ضعیف کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس کے جواب میں اجیب یا قلنا کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں (۸) لا یقال ' سے سوال اضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کے جواب میں لانا نقول استعمال کرتے ہیں (۹) فان قلت ' سے سوال قوی کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کے جواب میں قلت یا قلنا استعمال کرتے ہیں (۱۰) فی الجملہ ' سے قلت اور اجمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۱۱) بالجملہ سے کثرت اور تفصیل کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۱۲) محصول کلام ' تفصیلی بحث کے بعد جو نتیجہ وخلاصہ نکلتا ہے اس کو محصول کلام کہا جاتا ہے (۱۳) حاصل کلام ' اجمالی بحث کرنے کے بعد تفصیلی بحث اگر کرلی ہے تو اس کو حاصل کلام کہا جائیگا (۱۴) صواب ' سے خطاء کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۱۵) حق وباطل کا استعمال اعتقادیات میں ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون لمولانا محمد حنیف بالنفس)

(۱۶) فیہ ' اورد ' سے ایسے سوال کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کا جواب بزعم المعترض مشکل ہے اس سے ملتا جلتا لفظ توجیہ ہے لیکن یہ اعم ہے (۱۷) لا یبعد ' یمکن ' یہ دونوں ترجیح کے صیغے ہیں ان سے جواب ضعیف کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۱۸) حاصلہ ' محصلہ ' تحریرہ ' تنقیحہ ' ان الفاظ سے گزشتہ عبارت کے کسی نقص یا اس میں کسی زائد بات ' یا ابہام کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۱۹) بسا اوقات ایک چیز کو حذف کرکے دوسری چیز کو اس کا قائم مقام کردیتے ہیں اس کیلئے بھی نقل حرکتہ ' انیب منابہ ' اقیم مقامہ ' جیسے جملے استعمال کرتے ہیں ان تینوں جملوں میں معمولی سا فرق بھی ہے

ہے کہ اگر شئی ادنیٰ کو حذف کر کے شئی اعلیٰ کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا تو پہلا جملہ استعمال ہوگا اور اگر شئی اعلیٰ کو حذف کر کے شئی ادنیٰ کو قائم مقام کر دیا گیا تو دوسرا جملہ استعمال ہوگا اور اگر شئی ادنیٰ کو حذف کر کے شئی ادنیٰ یا شئی اعلیٰ کو حذف کر کے شئی اعلیٰ کو قائم مقام بنا لیا گیا تو تیسرا جملہ استعمال ہوگا (۲۰) تأمل میں لفظ فی داخل ہو یا نہ ہو ہر صورت میں اس سے کبھی دقت مقام کی طرف اشارہ ہوتا ہے کبھی کسی خدشہ و اعتراض کی طرف اشارہ ہوتا ہے لیکن علامہ جلال الدین الدوانی کی تصنیفات میں لفظ تأمل سے دقت مقام کی طرف اور غیروں کے خدشہ و سوال کی طرف اشارہ ہوتا ہے (کذا فی شرح رسالہ نواب سلطان لمولانا عظیم احمد بن عبد الرزاق) (۲۱) لفظ قالوا سے مشائخ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہوتا ہے (۲۲) عامۃ المشائخ سے اکثر مشائخ مراد ہیں (۲۳) فقہاء کی عبارت میں لفظ یجوز کبھی یصح اور کبھی یحل کی معنی میں استعمال ہوتا ہے لفظ جواز دو معنوں کیلئے استعمال ہوتا ہے (۱) جواز بمعنی نفس الصحۃ جو بطلان کا مقابل ہے اس صورت میں جواز سے اباحت یا کراہت کی نفی مقصود نہیں ہوتی اس لئے بعض مواقع میں شراح و محشین حضرات جاز مع کے ساتھ مع الکراہۃ کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں (۲) کبھی لفظ جواز کا استعمال ہوتا ہے لیکن اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو شرعاً ممتنع نہ ہو اس میں مباح مکروہ واجب مندوب سب شامل ہیں۔

(۲۴) لفظ لا بأس اکثر اوقات مباح اور ترک اولیٰ کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار مندوب کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے (۲۵) لفظ ینبغی متأخرین کے عرف میں اکثر اوقات مندوبات میں مستعمل ہے لیکن متقدمین کے عرف میں اس کا استعمال عام معنی کیلئے ہوتا ہے جس میں واجب بھی شامل ہوتا ہے (۲۶) عندنا قول المشائخ میں مشائخ سے مراد وہ حضرات ہیں جن کی ملاقات امام ابوحنیفہؒ سے نہیں ہوئی (۲۷) ہمارے فقہائے متقدمین سے مراد وہ حضرات ہیں جن کی ملاقات ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ) سے ہوئی ہے اور جن حضرات کی ملاقات ائمہ ثلاثہ سے ثابت نہیں وہ متأخرین ہیں یہی صحیح ہے لیکن عبد النبی الاحمد نگری صاحب المقامات العلیہ نے نقل کرتے ہوئے جامع العلوم میں لکھتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک لفظ سلف کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ سے امام محمدؒ تک کے مشائخ پر ہوتا ہے اور خلف کا اطلاق امام محمدؒ سے شمس الائمہ الحلوانی تک کے مشائخ پر ہوتا ہے اور لفظ متأخرین کا اطلاق شمس الائمہ الحلوانی سے حافظ الدین البخاری تک کے حضرات پر ہوتا ہے اور علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اپنی مشہور کتاب میزان الاعتدال فی نقد اسماء الرجال میں لکھتے ہیں ان حد الفاصل بین المتقدمین والمتأخرین ہو راس ثلث مائۃ وہکذا فی مآثر عبد النبی الا انہ کثیرا ما یطلقون المتأخرین علی من بعد الحلوانی الی اسناد المیزان ج ۱ صفحہ ۴ و فوائد البہیہ و ارشاد الشیعۃ صفحہ ۱۹ ان حد الفاصل بینہما الثلاثمائۃ ۳۰۰ھ

اسی طرح حکماء بھی دو قسمیں ہیں متقدمین و متأخرین۔ حکماء متقدمین سے مراد افلاطون

(الموالی ۳۳۰ قبل المسیح المتوفی ۳۲۸ قبل المسیح) سے اوپر کے علماء مراد ہیں اور علماء متأخرین سے مراد ہرات و بخارا و ۳۸۲ قبل المسیح متوفی ۳۲۲) کے بعد کے علماء مراد ہیں (کمافی تفسیر حقانی ج ۱ سورہ بقرہ صفحہ ۱۵۰) (۲۸) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں جب حسن کا لفظ بولا جائے تو اس سے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید امام حسن بن زیاد مراد ہوتے ہیں اور کتب تفسیر میں حسن بصریؒ مراد ہوتے ہیں (کمافی غایۃ البیان شرح الہدایہ لامیر کاتب الاتقانی المتوفی ۷۵۸ ھ) اور طبقہ صحابہ میں حسن بن علی مراد ہوتے ہیں (کمافی مقدمہ دراسات حدیث مولانا محمد ابراہیم میاں ولی) (۲۹) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں امام اعظم، الامام، صاحب المذہب کے الفاظ سے امام ابو حنیفہؒ مراد ہوتے ہیں صاحبین سے امام ابو یوسفؒ و محمدؒ مراد ہوتے ہیں اور شیخین سے مراد امام ابو حنیفہ و ابو یوسف ہیں۔ اور کتب حدیث میں شیخین سے امام بخاری و مسلم مراد ہیں اور طرفین کا اطلاق امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ پر ہوتا ہے اور طبقہ صحابہ میں شیخین کا اطلاق حضرت ابو بکر صدیق و عمرؓ پر ہوتا ہے۔

(۳۰) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں الامام الثانی سے امام ابو یوسفؒ اور الامام الربانی سے امام محمدؒ مراد ہیں اور ائمہ ثلاثہ کا اطلاق امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ و امام محمدؒ پر ہوتا ہے اور الائمۃ الاربعۃ کا اطلاق امام ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ و شافعیؒ و امام احمد بن حنبلؒ پر ہوتا ہے (۳۱) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں شمس الائمہ کا لفظ اگر مطلقاً مذکور ہو تو اس سے شمس الائمہ السرخسی مراد ہوتے ہیں اور یہ شاگرد ہیں شمس الائمہ الحلوانی کے (کما ذکرہ العلامہ شامی فی شرح عقود رسم المفتی) (۳۲) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں جب لفظ "روی الاصل" میں اصل سے مراد المبسوط للامام محمدؒ ہے (۳۳) اکثر جگہوں میں لفظ قیل کا استعمال ہوتا ہے اس سے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ لفظ قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ ہے حالانکہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ جس کتاب کے مصنف نے یہ التزام کیا ہو اور دیباچہ میں لکھ دیا ہو کہ وہ لفظ قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ کریگا تو وہاں قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ ہوگا ورنہ نہیں۔

(۳۴) کتب فقہ میں جب ابن ابی لیلیٰ کا ذکر مطلقاً آئے تو اس کا اطلاق محمد بن عبد الرحمن الکوفی پر ہوگا (۳۵) کتب فقہ و حدیث میں ابن عباس کا اطلاق عبد اللہ بن عباسؓ پر اور ابن مسعودؓ کا اطلاق عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابن عمرؓ کا اطلاق عبد اللہ بن عمرؓ پر ہوگا بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ ہو (۳۶) الکراہۃ کا لفظ جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوگی (۳۷) السنۃ کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے سنت مؤکدہ مراد ہوگی۔ اگرچہ سنت کا اطلاق سنت غیر مؤکدہ اور سنت الصحابہ اور کبھی مستحب پر بھی ہوتا ہے (۳۸) الصدر الاول کا اطلاق صرف سلف الصالحین پر ہوگا اور سلف الصالحین سے بھی القرون الثلاثۃ الاولیٰ کے حضرات مراد ہیں (۳۹) کبھی لفظ وجوب کا ہوتا ہے لیکن اس سے فرض بھی شامل ہوتا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ لمولانا عبد الحئی)

3/2

مشہور شرح عارضۃ الاحوذی تصنیف کی ہے جب علماء کرام کسی کتاب میں ابن العربی کا حوالہ دیں یا ابن العربی کا لفظ علی الاطلاق بولا جائے اور العربی میں الف ولام لکھا جائے تو اس سے قاضی ابوبکر مراد ہوتے ہیں اور اگر العربی بغیر الف ولام کے ہو بلکہ ابن عربی بولا جائے تو اس سے محی الدین ابن عربی مراد ہوتے ہیں۔

(المولود ۴۲۰ قبل المسیح المتوفی ۳۴۸ قبل المسیح) سے اوپر کے علماء مراد ہیں اور علماء متاخرین سے مراد ارسطو (المولود ۳۸۴ قبل المسیح متوفی ۳۲۲) کے بعد کے علماء مراد ہیں (کذا فی تفسیر حقانی ج ا سورۃ بقرہ صفحہ ۶۰) (۲۸) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں جب حسن کا لفظ بولا جائے تو اس سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید امام حسن بن زیاد مراد ہوتے ہیں اور کتب تفسیر میں حسن بصریؒ مراد ہوتے ہیں (کذا فی غایۃ البیان شرح الہدایہ لامیر کاتب الاتقانی المتوفی ۷۵۸ھ) اور طبقہ صحابہ میں حسن بن علیؓ مراد ہوتے ہیں (کذا فی مقدمہ درس حدیث مولانا محمد ابراہیم سیالوی) (۲۹) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں امام اعظم، امام اصحاب المذہب کے الفاظ سے امام ابوحنیفہؒ مراد ہوتے ہیں صاحبین سے امام ابویوسفؒ و محمدؒ مراد ہوتے ہیں اور شیخین سے مراد امام ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ ہیں۔ اور کتب حدیث میں شیخین سے امام بخاری و مسلم مراد ہیں اور طرفین کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ پر ہوتا ہے اور طبقہ صحابہ میں شیخین کا اطلاق حضرت ابوبکر صدیقؓ و عمرؓ پر ہوتا ہے۔

(۳۰) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں الامام الثانی سے امام ابویوسفؒ اور الامام الربانی سے امام محمدؒ مراد ہیں اور ائمہ ثلاثہ کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ و ابویوسفؒ و امام محمدؒ پر ہوتا ہے اور ائمہ اربعہ کا اطلاق امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ و شافعیؒ و امام احمد بن حنبلؒ پر ہوتا ہے (۳۱) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں شمس الائمہ کا لفظ اگر مطلقاً مذکور ہو تو اس سے شمس الائمہ السرخسی مراد ہوتے ہیں اور یہ شاگرد ہیں شمس الائمہ الحلوائی کے (کذا ذکرہ العلامہ شامی فی شرح عقود رسم المفتی) (۳۲) ہمارے اصحاب کی کتابوں میں جو الحکم ذکرہ فی الاصل، میں اصل سے مراد المبسوط للامام محمدؒ ہے (۳۳) اکثر جگہوں میں لفظ قیل کا استعمال ہوتا ہے اس سے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ لفظ قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ ہے حالانکہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ صحیح قول یہ ہے کہ جس کتاب کے مصنف نے یہ التزام کیا ہو اور دیباچہ میں لکھ دیا ہو کہ وہ لفظ قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ کریگا تو وہاں قیل سے ضعیف کی طرف اشارہ ہوگا ورنہ نہیں۔

(۳۴) کتب فقہ میں جب ابن ابی لیلیٰ کا ذکر مطلقاً آئے تو اس کا اطلاق محمد بن عبدالرحمٰن الکوفی پر ہوگا (۳۵) کتب فقہ و حدیث میں ابن عباس کا اطلاق عبداللہ بن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کا اطلاق عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عمرؓ کا اطلاق عبداللہ بن عمرؓ پر ہوگا بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ ہو (۳۶) الکراہۃ کا لفظ جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوگا (۳۷) السنۃ کا لفظ جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے سنت مؤکدہ مراد ہوگی۔ اگرچہ سنت کا اطلاق سنت غیر مؤکدہ اور سنت الصحابہ اور کبھی مستحب پر بھی ہوتا ہے (۳۸) الصدر الاول کا اطلاق صرف سلف الصالحین پر ہوگا اور سلف الصالحین سے بھی القرون الثلاثۃ الاولیٰ کے حضرات مراد ہیں (۳۹) کبھی لفظ رموز کا ہوتا ہے لیکن م، ج، خ، خ بھی شامل ہوتا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ لمولانا عبدالحیؒ)

(۴۰) اہل السنۃ والجماعۃ کا اطلاق خراسان، عراق، بلاد شام، افریقہ اور بلاد مغرب میں اشعریہ پر ہوتا ہے اور بلاد ماوراء النہر میں ماتریدیہ پر ہوتا ہے۔ اور چین (ارکان بہا) ہندوپاک، افغانستان، ترکستان وغیرہ میں دونوں پر ہوتا ہے (کذا فی معارف السنن ج ۱ صفحہ ۴۴۳) (۴۱) الستر مختصر ہے "الستر لما انکشف من عضب الحیوان" کی۔ تکلوۃ الاسرار والمصالح للشیرازی والمتوفی (۴۲) جو کتاب مناسب فروع، درست سارے مسائل پر مشتمل ہو اسے فتاویٰ کہا جاتا ہے۔

(۴۳) جس کتاب کا مقصود متن کو برقرار رکھ کر نفس کتاب پر عمل کرنا ہو اس کو شرح کہا جاتا ہے جیسا کہ شرح الوقایہ، شرح المواقف، شرح المقاصد، شرح الہدایہ وغیرہ ہیں اور اگر وہ کتاب حامل متن نہ ہو تو اس کو تعلیقات وحاشیہ کہا جاتا ہے جیسے کہ فتح القدیر ہدایہ کا حاشیہ ہے (تعلیق شرح الوقایہ صفحہ ۱۵ مع الحاشیہ) (۴۴) علم العقائد، اصول فقہ، اصول حدیث اور شروح حدیث میں قاضی کا اطلاق قاضی باقلانی پر ہوتا ہے جن کا مختصر تذکرہ الدیباج المذہب لابن فرحون صفحہ ۲۶۷ میں ہے اور ان ہی علوم میں استاذ سے امام ابو اسحٰق ابراہیم اسفرائنی مراد ہوتے ہیں (کذا فی انعام الباری تفہیم البخاری صفحہ ۸۷ مولانا سرفراز خان صاحب)

(۴۵) عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مفہوم مخالف کلام انسانی میں ظاہر المذہب کے مطابق حجت نہیں ہے لیکن امام محمدؒ نے السیر الکبیر میں لکھا ہے کہ مفہوم مخالف حجت ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ نصوص شرعیہ میں مفہوم مخالف حجت نہیں ہے لیکن کتب فقہ کی عبارتوں میں حجت ہے جب تک کہ یہ مفہوم مخالف کسی دوسری صریح عبارت کا مخالف ومعارض نہ ہو کیونکہ نصوص شرعیہ مثلاً قرآن وحدیث کی عبارات مختلف فصاحتوں پر مشتمل ہوتی ہیں اس لئے بسا اوقات بعض قید کا ذکر محض تاکید یا ترغیب یا تشنیع یا وعظ وتذکیر کیلئے ہوتا ہے قید نہیں ہوتی مثلاً لا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا میں قلیلا کا لفظ محض اشاعت وقباحت کیلئے ہے قید نہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ثمن کثیر کے ساتھ جائز ہے اس طرح لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر ربوا اضعاف نہ ہو تو جائز ہے بخلاف کتب فقہ کی عبارتوں کے کہ ان کا مقصود اصلی اصولی ضوابط کو پیش نظر رکھ کر احکام شرعیہ کی تدوین کرنا ہے اس میں تاکید وغیرہ مقصود نہیں ہوا کرتی اس لئے مفہوم مخالف معتبر ہے (کذا فی اصول الافتاء، درس مفتی مولانا محمد تقی عثمانی صاحب غیر مطبوعہ) (۴۶) فقہاء کے عرف میں لفظ محدث کا اطلاق اس آدمی پر ہوتا ہے جس کا حفظ الحدیث مع الرجال جرحا وتعدیلا حفظ ہو صرف سماع حدیث کافی نہیں (کذا فی تدریب الراوی ج صفحہ ۴۳)

(۴۸) ابن العربی کے نام سے دو امام گزرے ہیں (۱) قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی متوفی ۵۴۳ھ (۲) الشیخ محی الدین ابن العربی صوفی، دونوں سرزمین اندلس میں پیدا ہوئے لیکن قاضی ابوبکر نے زندگی کی

مشہور شرح عارضۃ الاحوذی تصنیف کی ہے جب علماء کرام کسی کتاب میں ابن العربی کا حوالہ دیں یا ابن العربی کا لفظ علی الاطلاق بولا جائے اور العربی میں الف ولام لکھا جائے تو اس سے قاضی ابو بکر مراد ہوتے ہیں اور اگر العربی میں الف ولام نہ ہو بلکہ ابن عربی بولا جائے تو اس سے محی الدین ابن عربی مراد ہوتے ہیں۔

اور اصول و قواعد مرتب کرنے کی احتیاج ہوئی۔

پس مجتہدین فقہاء کرام نے تعیینِ مسلک کا عزم کیا۔ ان کے سامنے دورِ رسالت میں بھی ایسے اجتہاد کی نظیریں موجود تھیں۔

مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بحیثیت قاضی یمن روانہ فرماتے وقت معاذ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: اے معاذ! تم کس چیز سے فیصلہ کرو گے۔ عرض کیا: کتاب اللہ (قرآن کریم) سے۔ ارشاد ہوا اگر اس کا حکم کتاب میں (واضح) نہ ملے۔ عرض کیا: سنتِ رسول سے۔ ارشاد ہوا اگر سنتِ رسول میں بھی (واضح) نہ ملے؟ عرض کیا: اپنی رائے سے اجتہاد (ان دونوں کی روشنی میں) کروں گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ساری تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے رسول کے قاصد کو اس کی توفیق عطا فرمائی جس سے اس کا رسول خوش ہو۔

پھر علماء نے (یعنی ائمہ مجتہدین نے) شرعی مسائل کی تحقیق اور احکام شرعیہ کے استنباط میں پوری عرق ریزی و دیدہ ریزی سے کام لے کر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور ان تینوں کی روشنی میں قیاس یعنی ان چاروں کی بنیاد پر اصول و قواعد مرتب کئے۔

اہل علم و فقہاء کا اتفاق دلیلِ قطعی اور ان کا اختلاف آیۂ رحمت ہے۔ ان مجتہدین فقہاء میں جن کے مسلک زیادہ اشاعت پذیر ہوئے اور پھیلے امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، امام مالک بن انس، امام سفیان ثوری، امام ابن ابی لیلیٰ (محمد بن عبد الرحمٰن)، امام عبد الرحمٰن اوزاعی، امام محمد بن ادریس الشافعی، امام احمد بن حنبل، اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ لیکن ان میں امتیازی شہرت مسلک چار ہی کو دوامی طور پر نصیب ہوئی یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ۔

ائمہ اربعہ میں بھی جو شہرت، ہر دلعزیزی اور امتیاز اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک و مذہب کو عطا فرمایا، وہ ان تینوں کو بھی اس درجہ معروف سے کم ملا۔ امام ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے چالیس ممتاز علماء مجتہدین کی ایک مجلس بنا کر علم فقہ میں تصنیف و تالیف اور تدوینِ فقہ کا آغاز کیا۔

ان کے اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ چالیس عالم مختلف علوم و فنون میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ مثلاً امام ابو یوسفؒ اخبار و روایات کے بیان میں، امام محمد فقہ، اعراب و بیان میں، امام زفرؒ قیاس میں، حسن بن زیادؒ استخراجِ مسائل و نکات میں، عبد اللہ بن المبارکؒ حدیث اور رموز شناسی میں، وکیع بن الجراح تفسیر میں، حفص بن غیاث مسائلِ قضاء و ذکاوت میں، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ احادیث و روایات کے حفظ میں۔

امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ اگر ابوحنیفہؒ اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو دلیل سے ثابت کر سکتے ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فقہ میں سب لوگ امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

علماء احناف کو ہی فقہ و اجتہاد اور رائے و حدیث میں اولیت کی فضیلت حاصل ہے۔ فقہاء و علماء احناف نے مختلف شہروں اور ممالک مثلاً عراق، بغداد، شام، خراسان، سمرقند، بخارا، مصر، شیراز، طوس، زنجان، ہمدان

ان کی علمی یادگار دوں میں ان کا رسالہ شرح وقایہ پر باب الشہید تک اور شرح سراجیہ پر حواشی ہیں۔

(۷) مصلح الدین مصطفیٰ بن حسام الدین المشہور بحسام زادہ۔ علوم ادبیہ و شرعیہ کے ماہر و عارف تھے۔ ان کی تصانیف میں حاشیہ شرح وقایہ وغیرہ ہیں۔

(۸) محی الدین محمد شاہ بن علی بن یوسف بالی بن شمس الدین محمد بن حمزہ الفناری اپنے والد اور خطیب زادہ سے تلمذ حاصل ہے۔ اول ۸۰ ہیر و سہ میں مدرس ہوئے پھر قسطنطنیہ میں پھر منصب قضا سپرد کیا گیا۔ عہد شباب ہی میں ۹۲۶ھ میں انتقال ہوا۔ ان کے شرح مواقف امرا جیہ اور شرح وقایہ کے اوائل پر حواشی ہیں۔

(۹) سعدی بن عیسیٰ بن میر خان المشہور بسعدی چلپی زادہ۔ شرح وقایہ کے باب الشہید تک اس کا حاشیہ اور حواشی شرح المفتاح ان کی تصنیفی یادگار ہے۔ ۹۴۵ھ میں انتقال ہوا۔

(۱۰) کمال الدین اسمٰعیل قرامانی۔ مولیٰ احمد الخیالی اور مولیٰ خسرو سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ حواشی شرح وقایہ، حواشی حاشیہ الخیالی وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔

(۱۱) یعقوب پاشا بن خضر بیگ بن جلال الدین اردنی اپنے والد سے تحصیل علم کی اور فنون میں مہارت تامہ حاصل کی قسطنطنیہ میں منصب قضا پر فائز تھے کہ ۸۹۱ھ میں انتقال ہو گیا۔ حواشی شرح وقایہ (جو ابواب الانتفاع کا احاطہ کر تا ہے) حواشی شرح مواقف وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔

(۱۲) سنان الدین یوسف الرومی۔ علوم ادبیہ کے ماہر تھے۔ ان کی تصانیف میں شرح مراح الارواح، شرح شافیہ، الزوائد کی شرح وقایہ وغیرہ ہیں۔

(۱۳) المولیٰ احمد الخیالی۔ صاحب کشف نے ان کے شرح وقایہ پر حاشیہ کا ذکر کیا۔ بروسہ کے مدرسہ سلطانیہ میں مدرس تھے۔ اس کے بعد دوسرے مدارس میں خدمت تدریس انجام دی۔

(۱۴) المولیٰ محمد بن محمد المشہور بعرب زادہ الرومی اپنے دور کے ممتاز عالم تھے۔ اولاً بروسہ میں مدرس رہے پھر محمود پاشا کے مدرسہ قسطنطنیہ کے مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کی تصنیفی یادگاریں حسب ذیل ہیں۔ حاشیہ علی شرح الوقایہ، حاشیہ علی الہدایہ، شرح ہدایہ، حاشیہ علی فتح القدیر ۹۶۹ھ میں دریا کے سفر کے دوران کشتی ٹوٹ جانے کے باعث غرقاب ہو کر شہید ہو گئے۔

ان علماء کے علاوہ جن کا مختصر تذکرہ سطور بالا میں ہوا اور وہ بہت سے مایہ ناز عالم جنہوں نے دیگر تصانیف کے ساتھ شرح وقایہ پر بھی کچھ لکھا ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) المولیٰ تاج الدین ابراہیم بن عبداللہ الحمیدی۔ (۲) المولیٰ صالح بن جلال۔ (۳) حسام الدین حسین بن عبدالرحمٰن (۴) مصطفیٰ بن خلیل (۵) مولیٰ شمس الدین احمد بن المولیٰ بدر الدین المعروف بقاضی زادہ الرومی (۶) شیخ الاسلام احمد الرومی بن محمد بن سعد الدین تفتازانی حفید سعد الدین۔ (۷) محی الدین محمد القرہ (۸) قاضی شمس الدین احمد بن حمزہ المعروف بعرب چلپی (۹) المفتی زکریا بن بیرام۔ (۱۰) المولیٰ محی الدین محمد بن الخطیب قاسم (۱۱) محمد بن پیر علی البرکلی۔ (۱۲)

سلیمان بن علی الغربانی (۱۷) محمد بن ابراہیم الحلبی (۱۸) المولوی علم شاہ بن عبدالرحمن (۱۹) عبداللہ بن صدیق بن الاہر (۲۰) شاہ لطف اللہ المعروف بھکاری (۱۸) ابو المعارف محمد عنایت اللہ القادری المقصودی (۱۹) مولانا مفتی یوسف بن مفتی محمد اصغر (۲۰) مرزا عبدالحکیم بن مولانا عبدالرب بن بحر العلوم (۲۱) مولانا محمد عبدالرزاق بن مولانا جمال الدین احمد (۲۲) مولوی محمد حسن بن محمد حسن۔

کچھ صاحب مقدمہ کے بارے میں

میں نے اپنے متعلق کچھ "النافع الکبیر" میں بیان کیا ہے تاکہ میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد میری یادگار باقی رہے۔ بقدر ضرورت اس جگہ بھی عرض کرتا ہوں۔

۲۶ ذی قعدہ ۱۲۶۴ھ بروز منگل باندہ میں پیدا ہوا۔ میرے والد ان دنوں وہیں خدمت تدریس انجام دیتے تھے۔ ابھی پانچ ہی سال کی عمر تھی کہ حفظ قرآن شروع کر دیا اور دس سال کی عمر میں مکمل حفظ کر لیا۔ اس دوران فارسی کی کچھ کتابیں بھی پڑھ لی تھیں۔ حفظ سے فارغ ہو کر اپنے والد سے علوم درسیہ کی تحصیل شروع کی۔ میزان سے لے کر تفسیر بیضاوی تک تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، منقولات اور معقولات کی ساری کتابیں پڑھ ڈالیں۔

ابھی عمر سترہ ہی سال کی تھی کہ تحصیل علوم سے فراغت حاصل کر لی۔

زندگی میں دو سفر پیش آئے (۱) اپنے وطن سے حیدرآباد کا سفر (۲) حیدرآباد سے حرمین شریفین کا سفر۔ میں نے سب کتابیں اپنے والد سے پڑھیں البتہ بعض علم ریاضی کی کتابیں مثلاً برجندی اور خفری کی شرح، طوسی کا رسالہ "الاسطرلاب" اور علم نجوم میں ایک رسالہ والد کے انتقال کے بعد اپنے ماموں مولانا محمد نعمت اللہ سے پڑھیں۔ مولانا علوم ریاضیہ کے ماہر تھے اور میں ان کے تلامذہ میں آخری شاگرد تھا۔

محقق طوسی خواب میں

انہیں دنوں میں نے خواب میں محقق نصیر الدین طوسی مؤلف "التذکرۃ"، "التجرید" اور "تحریر اقلیدس" وغیرہ کو دیکھا۔ میں نے ان سے کچھ باتیں دریافت کیں۔ انہوں نے میری اس فن میں مشغولیت پر فرحت و انبساط کا اظہار کرتے ہوئے اس فن میں باکمال ہونے کی بشارت دی۔

اجازت

میرے والد کو سارے علوم میں شیخ جمال الدین الحنفی (مفتی مکہ مکرمہ)، مفتی عبداللہ السراج، شیخ محمد بن محمد الغرب الشافعی مسجد نبوی کے استاذ، شیخ عبدالغنی المجددی تلمیذ شیخ عابد السندی مؤلف "حصر الشارد"، السید احمد دحلان الشافعی اور دوسرے شیوخ و علماء سے اجازت (درس و تدریس) حاصل تھی۔

مجھے والد کے علاوہ محرم ۱۲۸۰ھ کے اوائل میں شیخ العلامہ علی الحریری المدنی مفتی حنفیہ مکہ مکرمہ، السید محمد بن محمد بن حمید المتوفی [illegible]ھ اور شیخ عبدالغنی نے بھی اجازت عطا فرمائی۔

مشغلہ تصنیف و تالیف

جوانی بلکہ عہد طفلی ہی سے تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے رہا۔ میں نے علم صرف میں "التبیان شرح المیزان"، "تکملۃ المیزان" اور اس کی شرح "امتحان الطلبۃ فی الصیغ المشکلۃ" اور ایک رسالہ "چہار گل" لکھا۔

اور ۱۳۸ھ یا ۱۳۹ھ میں بغداد میں انتقال ہوا۔

ابن ہبیرہ۔ عبد اللہ بن ہبیرہ السبائی القتبانی حضرت انس رضی اللہ عنہ اور تابعین سے روایت کرتے ہیں۔ کوفہ کے ثقہ اور عاقل وعارف وشاعر تھے۔ ۱۲۶ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ ذہبی نے "العبر" میں اور یافعی نے "مرآۃ الجنان" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

ابن عباسؓ۔ عبد اللہ بن عباس عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد المطلب بحر المفسرین حبر العالمین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے "اللہم فقہہ فی الدین" اور تاویل وتفسیر کے علم کی دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کی دعا قبول فرمائی۔

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ گذشتہ علم اور اس علم کی جس کے لوگ محتاج ہوتے ہیں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ میں نے ان سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور ابوبکرؓ وعثمانؓ کے فیصلوں، شعر وادب، تفسیر قرآن، حساب وفرائض کا عالم نہیں دیکھا۔ ایک روز آپ کی مجلس صرف فقہ کی اور ایک روز تاویل کی، ایک روز مغازی کی، ایک دن شعر کی ایک دن ایام عرب کی ہوا کرتی تھی۔

میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا کہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کے سامنے فروتن نہ ہوا اور کسی سوال کرنے والے کو نہیں دیکھا کہ اسے آپ سے سوال کا کافی جواب نہ ملا ہو۔

لیث بن ابی سلیم نے طاؤس سے کہا کہ آپ نے اس لڑکے یعنی حضرت ابن عباسؓ کی ہم نشینی کا بڑے صحابہؓ کی صحبت چھوڑ کر اختیار کی۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر صحابہؓ کو دیکھا کہ جب انہیں کسی امر میں دشواری پیش آتی تو ابن عباسؓ کے قول کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ نے انہیں بصرہ کا امیر بنایا۔ یہ بصرہ کے امیر رہے پھر حضرت علیؓ کی شہادت سے قبل حجاز لوٹ آئے۔

حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے حضرت ابن عمرؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو الطفیلؓ، حضرت ابو امامہؓ، حضرت سہل بن حنیف اور ان کے صاحبزادے علی بن عبد اللہ اور آپ کے موالی عکرمہ، کریب، عطاء بن ابی رباح، مجاہد اور سعید بن المسیب، علی بن الحسین، عروہ بن الزبیر، ابو اسحٰق وغیرہ بکثرت افراد نے روایت کی ہے۔

اسد الغابہ میں ہے کہ آپ نے ۶۸ھ یا ۶۹ھ اور ایک قول کے مطابق ۷۰ھ میں وفات پائی۔

ابن عمرؓ۔ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ باعتبار علم وعمل ممتاز صحابی، غزوۂ خندق ۵ھ اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ اور بیعت رضوان میں بیعت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس طرح تعریف فرمائی کہ "وہ صالح شخص ہے"۔ ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اس زمانے کے سب سے بڑے عالم

سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے جنتی ہونے کی گواہی دوں تو حضرت ابن عمرؓ ہیں۔ نافعؒ کا بیان ہے کہ ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کا شدت سے اتباع کرتے تھے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے بجز ابن عمرؓ کے کوئی ایسا نہیں کہ دنیا اس کی طرف مائل نہ ہوئی ہو اور وہ دنیا کی طرف راغب نہ ہوا ہو۔

سعید بن عمرو القرشی کا بیان ہے کہ حجاج خطبہ دے رہا تھا۔ ابن عمرؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا یہ اللہ کا دشمن ہے جس نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کیا، بیت اللہ کو پامال کیا اور اولیاء اللہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔

حجاج نے پوچھا یہ کون ہے! کہا گیا کہ ابن عمرؓ ہیں۔ حجاج بولا اے بڈھے خاموش!

پھر حجاج نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو پیچھے لگا دیا۔ اس نے حضرت ابن عمرؓ کو زہر آلود برچھا لگا دیا۔ حضرت ابن عمرؓ اس کے اثر سے بیمار رہے اور ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں انتقال فرمایا۔ تذکرۃ الحفاظ میں ذہبیؒ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

ابن المبارکؒ: ابو عبدالرحمن عبداللہ بن المبارک الحنظلیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ۱۱۸ھ یا ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ساری عمر حج و جہاد میں بسر کر دی۔

حدیث کی سماعت سلیمان التیمی، عاصم الاحول، حمید الطویل اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے کی۔ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

ان سے یحییٰ بن معین، عبدالرحمن بن مہدی، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کثیر جماعت نے روایت کی۔

ابن مہدیؒ کہتے ہیں کہ ائمہ چار ہیں۔ مالک، سفیان ثوری، حماد بن زید اور ابن مبارک۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں ان کے دور میں ان سے بڑا علم کا طلب گار کوئی نہ تھا۔

ابن معینؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ و معتبر تھے۔ ان سے روایت کردہ احادیث جو لکھی گئیں بیس ہزار سے زیادہ ہیں

عباس بن مصعب کا بیان ہے کہ ابن المبارک حدیث، فقہ، ایام الناس، شجاعت و سخاوت کے جامع تھے

ابن معین کہتے ہیں کہ وہ مومنین کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔

نعیم بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر دانشمند اور عبادت گزار نہیں دیکھا۔ خطیب بغدادی کی تاریخ دمشق، ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء وغیرہ میں ان کے فضائل کا مفصل تذکرہ ہے۔ رمضان ۱۸۱ھ میں انتقال ہوا۔

ابن مسعودؓ: ابو عبدالرحمن عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب الہذلی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین اور عصا، وسادہ، طہور (وضو کا برتن) سنبھالنے والے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار سے حاصل کرو اور ان چار میں سے ایک ابن مسعودؓ کو بتایا۔ کتاب اللہ کے سب سے بڑے عالم۔

حارث بن عبد الرحمن، حسن بن عبید اللہ، حکم بن عتیبہ، طریف بن سفیان السعدی، عامر شعبی، عبد الکریم بن ابی امیہ، عطاء بن السائب، محارب بن دثار، محمد بن السائب، معن بن عبد الرحمن، منصور بن معتمر، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید، ابو الزبیر مکی وغیرہ۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے اس میں سے چند نام یہ ہیں:۔

زفر، حسن بن زیاد، ابو مطیع بلخی، محمد بن الحسن، ابو یوسف، وکیع بن الجراح، عبد اللہ بن المبارک، زکریا بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث نخعی، عیسیٰ بن یونس، داؤد الطائی، یوسف بن خالد السمتی، اسد بن عمرو، نوح بن ابی مریم

امام صاحب تابعی ہیں

بعض نے امام صاحب کو تبع تابعین شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کا میلان بھی اسی طرف ہے مگر یہ خیال صحیح نہیں بلکہ درست یہ ہے کہ امام صاحب تابعی ہیں کیونکہ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ خطیب بغدادی، دار قطنی، ابن الجوزی، نووی، ذہبی، ابن حجر مکی، سیوطی اور ابن حجر عسقلانی بھی ایک قول کے مطابق ہیں، اس کی صراحت کی ہے۔

بزرگوں کے اقوال

حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے فقہ میں ابو حنیفہؒ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ سفیان ثوریؒ سے کہا گیا کہ امام ابو حنیفہؒ کو کسی دشمن کی بھی غیبت کرتے نہیں سنا۔ وہ بولے ابو حنیفہؒ اتنے بے وقوف نہیں کہ اپنی نیکیاں اس کی غیبت کے بدلے گنوا دیں۔

ابراہیم بن عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے پورے دور میں ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر عالم متقی و پرہیزگار نہیں دیکھا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جسے فقہ میں مہارت مطلوب ہو وہ ابو حنیفہؒ کا محتاج ہے۔

ابن عیینہؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک قراءت حمزہ کی قراءت ہے اور فقہ ابو حنیفہ کا فقہ ہے۔

علی بن عاصم کہتے ہیں کہ اگر ابو حنیفہؒ کی عقل اہل علم کی عقل کے ساتھ تولی جائے تو ابو حنیفہؒ کی عقل کا پلڑا بھاری رہے گا۔

امام صاحبؒ کے زہد و تقویٰ، خشیت، سخاوت، ذکاوت و ذہانت، فتوے وغیرہ میں احتیاط، مناقب کی کتابوں میں بالتفصیل ذکر کئے گئے ہیں۔ امام صاحبؒ کے متعلق مناقب کی چند کتابیں یہ ہیں: (۱) تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ (۲) الخیرات الحسان فی مناقب النعمان (۳) عقود المرجان فی مناقب النعمان (۴) شقائق النعمان فی مناقب النعمان (۵) قلائد عقود الدرر والعقیان فی مناقب النعمان (۶) الروضۃ العالیۃ المنیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ (۷) المواہب الشریفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ (۸) تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان (۹) البستان فی مناقب النعمان۔

معترضین کو منہ توڑ جواب

اگر کوئی طعنہ زن یہ اعتراض کرے کہ پوری رات عبادت میں گزار دینا، ایک رات میں پورا قرآن کریم ختم کرنا اور ہزار رکعات وغیرہ پڑھنا وغیرہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض وہی کر سکتا ہے جو فہم و دانش سے کورا ہو۔ ابو حنیفہؒ کی سی عبادت کی نظیر صحابہ میں

تفسیر و حدیث و ایام عرب کی وافر مقدار کے حافظ تھے۔ ۱۸۲ھ میں انتقال ہوا۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ۔ ہند بنت ابی امیہ حذیفہ بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم القرشیہ المخزومیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد کرنے سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد کے نکاح میں تھیں، اپنے شوہر کے ساتھ شروع ہی میں اسلام لے آئی تھیں۔ اول حبشہ ہجرت کی پھر مکہ واپس آکر مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ حضرت ابو سلمہؓ کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے بعد ۴ھ میں ان سے عقد فرمایا۔ حضرت ام سلمہؓ صاحب عقل و جمال اور صاحب الرائے تھیں۔ ان کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں ۵۹ھ لکھا ہے۔ ایک قول کے مطابق ۵۹ھ ایک کی رو سے ۶۱ھ ایک کے اعتبار سے ۶۲ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع کے بعد وفات پائی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کی رو سے ان کا واقعۂ حرہ ۶۳ھ تک بقید حیات رہنا معلوم ہوتا ہے۔ امہات المؤمنین میں ان کا انتقال سب سے آخر میں ہوا۔

البخاری۔ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن الاحنف مؤلف الجامع الصحیح البخاری، الادب المفرد، تاریخ الکبیر، تاریخ الصغیر، کتاب قضایا الصحابہ والتابعین، رسالہ فی رفع الیدین، رسالہ فی قراءۃ خلف الامام وغیرہ۔ تذکرۃ الحفاظ اور سیر اعلام النبلاء وغیرہ میں ان کے مناقب و فضائل تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں۔ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں عید الفطر کی رات میں انتقال ہوا۔

بریرہ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں قبیلہ بنی ہلال کے شخص سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ ان کے شوہر کا نام مغیث تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد ہونے کی بنا پر ملنے والے حق (خیار عتق) کے باعث شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے کا اختیار عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لی۔

البزدوی۔ ابو العسر فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی۔ بزدہ ایک گاؤں کا نام ہے۔ مشائخ حنفیہ میں گنے جاتے ہیں۔ "المبسوط"، "شرح الجامع الصغیر"، "الجامع الکبیر"، "تفسیر القرآن" اور "شرح صحیح بخاری" وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔ "سیر اعلام النبلاء" میں لکھا ہے کہ ۴۸۲ھ میں انتقال ہوا۔

الترمذی۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ۔ نہر جیحون کے کنارہ ترمذ مشہور شہر ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ جامع ترمذی اور شمائل ترمذی وغیرہ ان کی تصنیفی یادگاریں ہیں۔ ۲۷۹ھ میں وفات پائی۔ سیر اعلام النبلاء اور تذکرۃ الحفاظ میں ان کا مبسوط و مفصل تذکرہ ہے۔

جبیر بن مطعم۔ بن عدی بن نوفل بن عبد مناف قریش کے علماء اور سرداروں میں سے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہوئی۔ ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں انتقال ہوا۔

جعفر بن ابی طالب۔ بن عبد المطلب بن ہاشم الہاشمی القرشی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی۔ جعفر طیار سے مشہور رہے۔

دبیا۔ ان کی کتاب "التجرد والمسائل" معروف ہے۔ ۴۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

خواہرزادہ۔ محمد بن حسین البخاری المعروف بکر خواہرزادہ۔ ماوراء النہر کے بڑے عالم تھے۔ مذہب حنفی کی کتابیں "المختصر، التجنیس، المبسوط" مشہور ہیں۔ ۴۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

خبیب بن عدی بن مالک بن عامر بن مجدعہ انصاری اوسی۔ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور لوگوں کے ہمراہ بغرض تبلیغ روانہ فرمایا تو لے جاتے ذلیل لوگوں نے غداری کی اور ان صحابہ کو شہید کر دیا۔ خبیب کفار مکہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور ان لوگوں نے ان کو سولی دے دی۔

خدیجہ۔ ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ القرشیۃ الاسدیۃ۔ سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد فرمایا۔ حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ جو حضرت ماریہ قبطیہ سے ہیں باقی ساری اولاد حضرت خدیجہؓ سے ہوئی۔

رسول اللہؐ کے ساتھ عقد سے قبل ابو ہالہ کے نکاح میں تھیں۔ پھر عتیق بن عائذ سے نکاح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ان سے عقد کے وقت ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ "الاستیعاب" اور "اسد الغابہ" وغیرہ میں ان کے مناقب موجود ہیں۔ ہجرت سے پانچ یا چار یا تین سال قبل ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ اور مقام "حجون" میں بلا نماز جنازہ دفن کی گئیں کیونکہ اس وقت تک نماز جنازہ فرض نہیں ہوئی تھی۔

الخصاف۔ احمد بن عمر، مسلک ابو حنیفہؒ کے عارف تھے۔ خصاف اس وجہ سے مشہور ہوئے کہ جوتے گانٹھ کر کھاتے تھے۔ اپنے والد، ابو داؤد طیالسی، مسدد اور علی بن مدینی سے روایت کرتے ہیں۔ کتاب مناسک الحج، کتاب الحیل، کتاب الوصایا، کتاب الشروط، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب الرضاع، کتاب ادب القاضی، کتاب النفقات علی الاقارب، کتاب احکام الوقف وغیرہ ان کی تالیفات ہیں۔ ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا۔

الخلیل۔ سیدنا ابراہیم بن آزر علیہ السلام۔ اولو العزم نبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسولوں میں سب سے افضل۔

الخلیل۔ خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم ازدی الفراہیدی۔ نحوی، لغوی، عروض کے موجد ہیں۔ ایوب، عاصم الاحول وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ذہین ترین لوگوں میں ان کا شمار ہے۔ ان کی کتابیں حسب ذیل ہیں۔

لغت میں کتاب العین، کتاب الجمل، کتاب العروض، کتاب الشواہد، کتاب النقط والشکل، کتاب النغم، کتاب الایقاع وغیرہ۔ ۱۷۰ھ میں انتقال ہوا۔

زفر۔ زفر بن ہذیل بن قیس بن سلم بن قیس العنبری۔ جلیل القدر فقیہ اور محدث تھے۔ علم و عبادت کے حامل

شریح۔ بن الحارث بن قیس الکندی۔ حضرت عمرؓ نے انھیں کوفہ کا قاضی بنایا تھا اور بجز تین سال کے
(جو حضرت ابن زبیرؓ کا دور خلفشار تھا) ۷۵ سال تک خدمت قضاء انجام دی۔ تابعین کے سرداروں میں ہیں
اور قضاء کے ماہر تھے۔
ان کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کے قول کے مطابق ۷۸ھ، ایک قول کی رو سے ۸۰ھ ایک
کے اعتبار سے ۷۶ھ اور ایک قول کے مطابق ۸۲ھ میں وفات پائی۔
الشعبی۔ عامر بن شراحیل الہمدانی الکوفی۔ تابعین کے سرداروں میں ہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت
جریرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی۔
ان سے امام ابوحنیفہؒ، زکریا بن ابی زائدہ، الاعمش وغیرہ نے روایت کی۔
شعبی حافظ حدیث تھے، پانچ سو صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی تھی۔ ابومجلز کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے بڑھ کر کوئی
فقیہ بجز سعید بن المسیب کے نہیں دیکھا۔
ابن عیینہ فرماتے ہیں علماء تین ہیں حضرت ابن عباسؓ اپنے زمانہ میں، شعبی اپنے دور میں اور ثوری اپنے
وقت میں۔ تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی نے ان کے مناقب بیان کئے ہیں۔
حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۰۴ھ میں انتقال ہوا۔
شمس الائمہ الحلوانی۔ ابومحمد عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح البخاری الحلوانی۔ احناف کے سردار، فقیہ، عالم
کبیر، مختلف علوم و فنون کے ماہر، حدیث میں بلند پایہ، فقہ میں لاثانی۔
ابو علی الحسین بن خضر النسفی تلمیذ ابوبکر محمد بن الفضل سے چند واسطوں سے امام ابوحنیفہؒ کے رشتہ تلمذ
سے منسلک ہیں۔ فقہ حاصل کیا۔ ۴۵۶ھ میں انتقال ہوا۔
صاحب المحیط۔ برہان الدین محمود بن الصدر السعید تاج الدین احمد بن الصدر الکبیر برہان الدین عبدالعزیز
ابن عمر مازہ۔ اپنے دور کے زبردست عالم۔
ان کی حسب ذیل تصانیف ہیں:۔ الذخیرۃ، شرح الجامع الصغیر، شرح الزیادات، شرح ادب القضاء
للخصاف۔ ۶۱۶ھ میں انتقال ہوا۔
صاحب الہدایہ۔ علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی۔ امام، فقیہ، محدث۔ اہل زمانہ نے ان کی
فضیلت و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ ان کی حسب ذیل تالیفات ہیں:۔ کتاب المنتقی، نشر المذہب، التجنیس
والمزید، مختارات النوازل، مناسک الحج، الجامع الصغیر، الہدایہ۔ ۵۹۳ھ میں انتقال ہوا۔
الطحاوی۔ احمد بن محمد سلامۃ الازدی امام فقہ و حدیث المتوفی ۳۲۱ھ۔
ابواسحاق کہتے ہیں مصر میں احناف کی ریاست ان پر ختم ہو گئی۔ اول شافعی المسلک تھے، اپنے ماموں اسمٰعیل
مزنی تلمیذ امام شافعی سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ناراض ہو کر بولے واللہ تجھ سے کچھ نہ آئے گا۔ ابوجعفر

اعلیٰ درجہ کے ماہر ہوگئے۔ اور شافعی مسلک ترک کرکے حنفیت اختیار کرلی۔ اور ابو جعفر احمد بن عمران وغیرہ سے استفادہ علم کیا۔ بہت مفید کتابیں لکھیں، مثلاً احکام القرآن، اختلاف العلماء، شرح معانی الآثار، مشکل الآثار، تاریخ وغیرہ۔ طحا مصر کا ایک گاؤں ہے اسی کی طرف منسوب ہوکر طحاوی کہلائے۔

حضرت عائشہؓ: ام المومنین عائشہؓ بنت ابی بکرؓ صدیقہ بنت صدیقؓ۔ صحابہؓ میں بڑی فقیہ اور مجتہدہ مانی جانے والی تھیں۔ عروہ کا قول ہے حضرت عائشہؓ کے یہاں جو ورنہ بہت سے عالم تابعی کا بیان ہے کہ میں نے فقہ، طب اور شعر میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ہجرت سے دو یا تین سال قبل جب کہ حضرت عائشہؓ کی عمر سات یا چھ سال تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد فرمایا اور مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد رخصتی ہوئی، اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو سال تھی۔ آپؓ کے کثیر مناقب ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی آپؓ کی صورت نکاح سے قبل دکھلائی۔ نیز آپؓ کی براءت میں سورۂ نور کی آیات نازل ہوئیں۔ امہات المومنین میں یہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھیں اور ان سب سے افضل تھیں۔ ماہ رمضان منگل کی شب ۵۷ھ اور ایک قول کے مطابق ۵۸ھ میں وفات پائی۔

ابن عباسؓ: عباسؓ بن عبد المطلب، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا۔ ایام جاہلیت میں ذی وجاہت صاحب ریاست سردار تھے۔ مسجد حرام کی عمارۃ اور سقایۃ حجاج کو پانی پلانے کا انتظام آپ سے متعلق تھا۔

بدر کے دن مشرکین مکہ کے ساتھ آئے اور گرفتار ہوئے۔ پھر فدیہ دے کر آزادی حاصل کی۔ اس کے بعد اسلام لائے اور ایک قول کے مطابق ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے مگر مصلحتاً اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے اور مکہ میں رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی خبریں پہونچایا کرتے تھے۔ بدر کے دن مجبوراً ان کے ساتھ آگئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بڑا ادب اور احترام فرماتے تھے۔ اسد الغابہ میں اور الاصابہ میں ان کے بہت سے مناقب منقول ہیں۔ رجب یا رمضان ۳۲ھ میں زمانۂ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔

عبد اللہ بن الزبیرؓ بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ القرشی الاسدی، کنیت ابو خبیب۔ ان کی والدہ کا نام اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ ہے۔ ان کی دادی حضرت صفیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ ہجرت کے بعد مہاجرین میں سب سے پہلے یہی پیدا ہوئے۔ ہجرت کے وقت ان کی والدہ حاملہ تھیں، مدینہ پہونچنے کے بیس ماہ بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔ ایک قول کے مطابق (یہی راجح ہے) ہجرت کے پہلے ہی سال پیدا ہوئے۔ بڑے عبادت گزار، روزے رکھنے والے اور بہادر تھے۔

حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ یزید نے مدینہ لشکر بھیجا۔ اور ۶۳ھ میں مشہور واقعہ حرہ پیش آیا۔ پھر یہ لشکر ابن زبیرؓ سے لڑنے کو مکہ پہنچا۔ لشکر نے مکہ کو گھیرا، حرم میں ابن زبیرؓ

کا محاصرہ کر لیا۔

یہ واقعہ ۶۳ھ کا ہے۔ یہ محاصرہ یزید کے انتقال ربیع الاول ۶۴ھ تک باقی رہا۔ یزید کے انتقال کے بعد عبداللہ ابن زبیرؓ کی بیعت کی گئی۔ اہل حجاز، عراق، یمن اور خراسان نے حکومت کی اطاعت کی۔ اپنے دور خلافت میں ابن زبیرؓ نے کعبہ از سر نو تعمیر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی بنیادوں پر کی۔ ابن زبیرؓ خلیفہ رہے حتیٰ کہ عبدالملک بن مروان برسر اقتدار آیا اور شام و مصر کے انتظام سے مطمئن ہونے کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی کو لشکر کے ساتھ ابن زبیرؓ سے لڑنے بھیجا اس نے ذی الحجہ ۷۲ھ میں محاصرہ کیا۔ ان کے درمیان بہت سی جنگیں ہوئیں جنگ جمادی الثانی ۷۳ھ تک جاری رہی آخر ۷۳ھ میں حضرت ابن زبیرؓ شہید ہو گئے۔

عثمانؓ ذوالنورین عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف القرشی الاموی، ابو عمرو یا ابو عبداللہ کنیت، عشرہ مبشرہ داخل اور خلفاء راشدین میں سے ایک۔ قدیم الاسلام۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسلام لائے۔ اور دو ہجرتیں کیں، ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا ان سے عقد فرمایا۔ پھر جب ۲ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ان سے عقد فرما دیا۔ جب ۹ھ میں ام کلثومؓ کا بھی انتقال ہو گیا تو آنحضورؐ نے فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا عقد بھی ان سے کر دیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد باتفاق اہل شوریٰ خلیفہ ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع ہوا۔ اور کابل تک اسلامی سلطنت پھیل گئی۔ ۳۵ھ میں باغیوں نے بغاوت کر کے آپ کا محاصرہ کر لیا اور ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ شہید ہو گئے۔

آپ کے مناقب بہت ہیں۔

عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم الہاشمی حضرت علیؓ و حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کے علاتی بھائی۔ یہ حضرت جعفرؓ سے دس سال بڑے تھے۔ اور حضرت جعفرؓ حضرت علیؓ سے دس برس بڑے تھے۔ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے۔ اور حضرت عباسؓ نے فدیہ دیا۔ پھر صلح حدیبیہ ۶ھ سے قبل مسلمان ہو گئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب مدینہ منورہ ہجرت کی۔ قریش میں علم انساب اور ایام عرب کے ماہر تھے۔ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے تھے۔ اور حضرت معاویہؓ کی وفات تک وہیں رہے۔

علیؓ ابو الحسن حضرت علیؓ بن ابی طالب خلفائے راشدین میں سے ایک۔

یہ پہلے ہاشمی مولود ہیں جن کی دونوں والدین کی طرف سے ہاشمی خون ہے۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ بنی ہاشم میں یہ سب سے پہلے خلیفہ اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے وفور علم کی اس طرح شہادت دی ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس

قاضی خان۔ امام کبیر مؤلف فتاوی قاضی خان و شرح الجامع الصغیر و شرح الزیادات۔
حسن بن منصور الاوزجندی فرغانہ کا ایک شہر اوزجند کی طرف منسوب ہو کر اوزجندی کہلاتے ہیں ۵۹۲ھ میں انتقال ہوا۔

القدوری ابو الحسین احمد بن محمد بن جعفر بن حمدان الفقیہ۔
قدور بغداد کا ایک گاؤں ہے اس کی طرف منسوب ہو کر قدوری کہلاتے ہیں۔ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ الجرجانی سے فقہ حاصل کیا۔ اور حدیث کی روایت کی۔ المختصر ان کی مشہور تالیف ہے۔ ۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور رجب ۴۲۸ھ میں انتقال ہوا۔

الکرخی۔ عبید اللہ بن الحسین بن دلہم ابو الحسن الکرخی۔ کرخ عراق کی ایک بستی کا نام ہے۔ اپنے وقت کے شیخ الحنفیہ اور احناف کی ریاست و سیادت ان کے دور میں ان پر ختم ہو گئی بڑے روزے رکھنے والے اور عبادت گزار تھے۔ ان کی تالیفات یہ ہیں۔ المختصر، شرح الجامع الکبیر، شرح الجامع الصغیر۔ ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور نصف شعبان ۳۴۰ھ میں انتقال ہوا۔

مالک۔ مالک بن انس بن ابی عامر الاصبحی مؤلف مؤطا امام دار الہجرۃ ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔

محمد۔ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی فقیہ۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے تلمیذ۔ دراصل شامی ہیں۔ انکے والد نے واسط کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ امام محمدؒ واسط میں پیدا ہوئے۔ کوفہ میں نشو و نما ہوا۔ حدیث کی سماعت امام مالک، مسعر، الاوزاعی اور الثوری سے کی فقہ امام ابو حنیفہؒ سے حاصل کیا اور ان کی رفاقت اختیار کی۔
ان سے امام شافعیؒ ابو حفص الکبیر، احمد بن حفص، ابو سلیمان الجوزجانی، موسیٰ الرازی، محمد بن سماعہ، ابراہیم بن رستم، محمد بن ابان وغیرہ نے استفادہ کیا۔ کتاب اللہ کے بڑے عالم عربیت، نحو، حساب، فقہ کے ماہر تھے انہوں نے فقہ حنفی کی اپنی کثیر تصانیف سے اشاعت کی کہا جاتا ہے کہ ان کی تالیفات کی تعداد نو سو نو سے ہے بمقام "رے" ۱۸۹ھ میں انتقال ہوا۔

معاویہ۔ معاویہؓ بن ابی سفیان الاموی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی۔ فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اختیار کی حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف سے شام کے امیر رہے پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد بیس سال تک مستقل حکمرانی کی۔ رجب ۶۰ھ میں انتقال ہوا جلیل القدر و جہاندیدہ صحابی تھے حضرت ابن عباسؓ نے ان کے فقیہ ہونے کی شہادت دی حضرت علیؓ کی خلافت کے دوران ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگیں ہوئیں اور ان میں حضرت علیؓ حق پر تھے۔ اور رہی ان کی مخالفت تو امید ہے کہ اللہ معاف فرما دے گا۔

محی السنۃ۔ ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء الشافعی البغوی مؤلف تفسیر معالم التنزیل و شرح السنۃ و المصابیح۔ یہ دوران سفر کتابیں حدیث کی ہیں۔ مجتہد اور زاہد و قناعت پسند تھے۔ فقہ قاضی حسین الشافعی

سے حاصل کیا، [illegible]ھ میں انتقال ہوا۔

ہشام: ہشام بن عبید اللہ الرازی، امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے شاگردوں میں سے ہیں آپ کی تصانیف میں "النوادر" معروف ہے۔

پروردگار سے عفو کا امیدوار

ابو الحسنات محمد عبد الحی اللکھنوی

تلخیص کنندہ

کفیل الرحمن نشاط

۲۹/۲/۱۴۰۰ھ

اس شرح کی چند اہم خصوصیات: (۱) پوری عبارت کا اردو میں سلیس ترجمہ کر دیا گیا اگر ترجمہ کے اندر کوئی غیر مشہور لفظ آیا ہے تو قوسین () کے اندر یا برحاشیہ میں اس کو سمجھایا گیا (۲) متعلقہ مسائل کی مکمل تشریح کی گئی (۳) ائمہ اربعہ و دیگر مشہور ائمہ کرام کے مسلک کو بیان کیا گیا (۴) بعض مشکل الفاظ کی ادبی طرز پر تحقیق کی گئی (۵) بعض الفاظ کے زیر زبر پیش کے فرق کو بھی واضح کر کے معنی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے (۶) احادیث متعلقہ کے ماخذ و مرجع کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ (۷) شرح وقایہ کے شروع میں جو مقدمہ عمدۃ الرعایہ ہے اس کو مختصر و جامع ترجمہ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جن مزید چیزوں کا ہم نے اضافہ کیا ہے وہ یہ ہیں:

☆ صاحب وقایہ و نقایہ، شارح وقایہ کے حالات زندگی کا اضافہ

☆ علم فقہ پر ایک جامع جدید مفصل مقدمہ کا اضافہ جس سے شرح وقایہ کے تمام شروحات خالی ہیں

☆ لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ یہ ایک مکمل و جامع شرح جو دیگر دستیاب شروحات سے بہتر ہے۔

☆ جدید طباعت سے تصحیح کر کے شائع کی جا رہی ہے، غلطیوں سے محفوظ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ترجمہ۔ شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔

توضیح و تشریح | کتاب کی ابتدا بسم اللہ سے اس وجہ سے کی کہ بہترین کلام کے ساتھ آغاز نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل بھی مقصود ہے کہ وہ کام جس کا آغاز بسم اللہ سے نہ ہو وہ ہر پہلو سے ناقص و نا تمام رہتا ہے۔

الحمد للہ رب العالمین۔ ترجمہ۔ سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو مربی ہیں ہر ہر عالم کے۔

توضیح و تشریح | بہترین کلام کا اقتباس مقصود ہے اور اس حدیث کی تعمیل بھی ہے کہ ہر وہ کام جس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد سے نہ ہو وہ ناقص و نا تمام ہے۔

والصلوٰۃ علی رسولہ وآلہ اجمعین الطیبین الطاہرین۔ ترجمہ۔ اور درود اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک و صاف آل اولاد سب پر۔

توضیح و تشریح | والصلوٰۃ اس کے بیان کرنے میں یہ حدیث پیش نظر ہے کہ جس کام کا آغاز "صلوٰۃ" (درود) کے بغیر ہو وہ نا تمام رہتا ہے یعنی اس کی برکت اٹھ جاتی ہے۔ علی رسولہ یہ وہم کیا جا سکتا ہے کہ صلوٰۃ باعتبار لغت "دعا" کے مرادف و ہم معنی ہے اور یہ اصول طے شدہ ہے کہ "دعا" کا صلہ جب "علی" کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی شر کی دعا، بد دعا کے آتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے "دعا علیہ" یعنی اس کے لئے شر کی دعا کی اور "دعا لہ" اس کے لئے خیر کی دعا کی۔ لہٰذا "صلوٰۃ" علی کے ساتھ متعدی بنانا کیسے صحیح ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ "دعا" سے متعلق جو بیان کیا گیا وہ درست ہے۔ مگر لفظ "صلوٰۃ" کو اسے "دعا" کے ہر طرح مساوی قرار دینا صحیح نہیں۔ خود قرآن کریم میں ہے "یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" اور احادیث میں لفظ صلوٰۃ کا اسی طرح استعمال موجود ہے جیسے "اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد" وجہ یہ ہے کہ "صلوٰۃ" اگرچہ باعتبار لغت دعا کے مرادف ہے لیکن کسی دو مرادفوں کے درمیان سارے احکام میں مساوات لازم نہیں۔ ورنہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر جگہ ایک کا دوسری جگہ ممکن اور ایک کا استعمال صحیح ہو، نیز دعا جب "علی" سے متصل ہو اگرچہ اس سے دعا بالشر مراد ہوتی ہے مگر علی لفظ صلوٰۃ سے متصل ہونے پر یہ معنی مراد نہیں ہوتے۔

رسولہ۔ نبی کے بجائے "رسول" اس لئے لایا گیا کہ "رسول" خاص اور "نبی" عام ہے اور رسول

الميسر للصعاب والفاتح لمغلقات الابواب۔

ترجمہ: مؤلف کے نسخہ کے اس طرح پھیلنے کے بعد مؤلف کی توجہ نہ ہونا اہتمام کے باعث نسخہ کے لحاظ سے کچھ کمی بیشی اور تغیر ہوا اور مؤلفین کی عادت کے مطابق مؤلف نے اس میں کچھ گھٹا بڑھا دیا۔ تو میں نے سابق متن اور بعد کے تغیر کی رعایت رکھتے ہوئے یہ شرح لکھی۔ اور شارح نے "وقایہ" کے مطلقا حسن و کمال کا مشاہدہ کرنے کے بعد میں نے اختصار کے ساتھ اس کی شرح لکھی جو ان مسائل پر مشتمل ہے جن کا جاننا طالب علم کے لئے ضروری ہے۔ میں نے اس شرح میں "وقایہ" کے اختصار سے بیان کردہ مغلق و دشوار مسائل کی بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے تشریح کی۔ اور محبوب و معزز لڑکے محمود نے (اللہ تعالیٰ اسے قبر میں راحت نصیب کرے) "وقایہ" کو حفظ کرنے کے بعد شرح وقایہ کی اس طرح کی تالیف کی پوری سعی کی تھی جس سے مختصر وقایہ کے مشکل مباحث و مسائل حل ہو جائیں اس کا آغاز کر دیا تھا مگر اپنے مقصد کی تکمیل سے قبل وہ موت سے ہمکنار ہو گیا تو اس کتاب کی شرح سے استفادہ کرنے والے اسے اپنی مقبول اور مشکلات میں آسانی پیدا کرنے والی اور بند دروازوں کو کھولنے والی دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔

کتاب الطہارۃ

کتاب الطہارۃ: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "ھذا کتاب الطھارۃ" (یہ کتاب الطہارۃ ہے)۔ (الکتاب) لغت کے اعتبار سے کتاب مصدر ہے جمع کے معنی میں جیسے کہا جاتا ہے "کتبت الخیل اذا جمعتہا" (میں نے گھوڑے جمع کئے) اس میں چونکہ حروف اکٹھے کئے گئے ہیں اس لئے "کتاب" کہا گیا پھر اس کا اطلاق مکتوب (لکھے ہوئے) پر ہونے لگا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے "ذلک الکتاب لا ریب فیہ" اکثر مصنفین کی عادت ہے کہ وہ اپنے مقاصد "الکتاب" "الفصل" اور "الباب" کے عنوانات سے کرتے ہیں۔ "کتاب" کا مصنفین کی اصطلاح میں ان مسائل پر اطلاق ہوتا ہے جن کی تعبیر مستقل ہو خواہ بہت سی انواع پر مشتمل ہوں یا نہ ہوں یہ کتاب فقہ سے متعلق ہے جس میں بندوں کے افعال کے احوال سے بحث کی جاتی ہے اور افعال کی دو قسمیں ہیں عبادات اور معاملات اور عبادات معاملات سے پہلے بیان کرنے چاہئیں اور عبادات میں سب سے افضل نماز ہے کیونکہ نماز ارکان اسلام کا ستون ہے اس لئے مصنف نے اسے ساری عبادتوں پر مقدم رکھا۔ اور مشروط نماز کا وجود شرط کے پائے جانے پر موقوف ہے اور نماز کی اہم شرطوں میں طہارت پاکی ہے۔ طہارت کا اطلاق وضو، غسل اور تیمم سب پر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کتاب الطہارت کا بیان کتاب الصلوٰۃ سے بھی مقدم کر دیا۔

اكتفى بلفظ الواحد مع كثرة الطهارات لان الاصل ان المصدر لا يثنى ولا يجمع

ترجمہ: پاکیاں بہت سی ہونے کے باوجود صرف لفظ واحد (طہارت) پر اکتفا کیا۔ اس وجہ سے کہ مصدر کا اصل نہ تثنیہ ہوتا ہے اور نہ جمع۔

پہلے نازل شدہ حکم تھا۔ یہ حکم غیر مکلفین کو چھوڑ کر تمام مکلف مردوں اور عورتوں کے لئے ہے۔

اذا قمتم الی الصلوٰۃ یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو۔ ادا کرنے کا قصد کرو اور تمہارا وضو نہ ہو۔ فاغسلوا وجوھکم ای لیغسل کل منکم وجھہ (تم میں سے ہر ایک اپنا چہرہ دھوئے) وایدیکم اس کا عطف "وجوھکم" پر ہے اور اپنے ہاتھ دھوئے۔ الی المرافق۔ کہنیوں تک۔ جمہور کے نزدیک غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے یعنی کہنیوں سمیت ہاتھ دھوئے۔ وامسحوا۔ اور ہاتھوں کے ذریعہ سروں کا مسح کرے یہ عطف جملہ علی الجملہ ہے۔ وارجلکم الی الکعبین۔ اور ٹخنوں تک پیر دھوئے جائیں۔

نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور حفص کی قرات لام کے نصب کے ساتھ ہے یعنی "وارجلکم" اور دوسری قرات کسرہ کے ساتھ یعنی "وارجلکم" قرات اولیٰ میں پیروں کو دھونے کی فرضیت کا حکم ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں "وارجلکم" "وجوھکم" پر معطوف ہوگا اور دوسری قرات سے مسح کی فرضیت ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا عطف "برؤسکم" پر ہوگا۔

بکثرت احادیث دھونے کی فرضیت اور مسح کے ناکافی ہونے پر دلالت کرتی ہیں اہل سنت والجماعت کا اسی پر اجماع ہے۔ اہل جماعت سے نکلے ہوئے اور اجماع کے خلاف ہاتھوں، پاؤں اور چہرہ کے صرف مسح کا قائل گمراہی کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔

افتتح بطور تیمن وتبرک اس آیت کے لانے میں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شروع ہی میں کیوں لائے درمیان میں بھی تبرکا لا سکتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد "التیمن فی بدو الکلام" ہے کلام کے شروع میں برکت کا حصول مقصود ہے۔ اس لئے بجائے وسط ودرمیان کے آیت کریمہ شروع میں لائی گئی۔

التیمن میں تنوین نوعیت کے لئے ہے۔ اور تیمن سے الفاظ اور معنی دونوں کا تیمن مراد ہے جو خاص طور پر معنوی غسل مراد ہے یعنی نجاسات حقیقیہ اور حکمیہ سے پاک وصاف ہونا اس آیت کے ذکر سے مقصد یہ ہے کہ مغسول دھویا گیا شخص گناہوں کے میل کچیل سے پاک وصاف ہو جائے۔

والدلیل۔ یعنی یہ آیت آنے والے احکام کی دلیل ہے۔

ثم لما کانت الاٰیۃ دالۃ علی فرائض الوضوء ادخل فاء التعقیب فی قولہ ففرض الوضوء غسل الوجہ من الشعر ای قصاص شعر الراس وھو منتھی منبت شعر الراس الی الاذن **ترجمہ** پھر چونکہ آیت وضو کے فرائض پر دلالت کرتی ہے اس لئے مصنف فاء تعقیب آنے والے قول میں لائے پس وضو میں چہرہ کا دھونا فرض ہے یعنی بالوں کی جڑ والی جگہ سے کان تک۔

تشریح وتوضیح علیٰ فرائض الوضوء۔ اس میں مصنفؒ کی آنے والی عبارت "سنتہ ومستحبہ" کی طرف اشارہ ہے کہ یہ آیت سنن ومستحبات پر دلالت نہیں کرتی۔ ففرض الوضوء۔ فرض سے مراد یہاں وہ امور ہیں جو وضو میں اس کا رکن ہونے کی حیثیت سے ضروری ہیں کیونکہ وہ ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہیں کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

غسل، بالفتح اس کے معنیٰ پانی کے ذریعہ میل کا زائل کرنا ہے۔ اور غسل ضمہ کے ساتھ پورے بدن کا دھونا ہے اور غِسل کسرہ کے ساتھ خطمی سے سر کے دھونے کو کہتے ہیں۔

فیکون ما بین العذار والاذن داخلا فی الوجه کما هو مذهب ابی حنیفة ومحمد فیفترض غسله

ترجمہ پس رخسار اور کان کا درمیانی حصہ چہرہ میں داخل شمار ہوگا جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا مذہب و مسلک ہے۔ لہٰذا اس کا دھونا فرض ہے۔

تشریح و توضیح فیکون یعنی جب عرض دچوڑائی) میں چہرہ کی حد کان تک کی ہے تو معلوم ہوا کہ کان تک پہلے کا جو حصہ ہے وہ چہرہ میں داخل ہے۔ اس سے مراد کان اور رخسار کے درمیان کی لمبی کی طرف کی سفیدی ہے تو اس کا دھونا طرفین کے نزدیک فرض ہے اور مفتیٰ بہ یہی ہے۔

وذکر شمس الائمة الحلوانی یکفیه ان یبل ما بین العذار والاذن ولا یجب اسالة الماء بناءً علی ما روی عن ابی یوسفؒ ان المصلی اذا بل وجهه واعضاء وضوئه بالماء ولم یسل الماء عن العضو جاز لکن قیل تاویله انه سال من العضو قطرة او قطرتان ولم یتدارک۔

ترجمہ شمس الائمہ حلوانیؒ فرماتے ہیں کہ رخسار اور کان کے درمیانی حصہ کو تر کر دینا کافی ہے پانی بہانا واجب نہیں۔ ان کے مسلک کی بنیاد امام ابو یوسفؒ کی روایت ہے کہ نماز پڑھنے والے نے چہرہ اور اعضائے وضو کو تر کر لیا اور عضو سے پانی نہ بہا ہو تو وضو جائز ہے۔ لیکن اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ عضو سے تسلسل کے بغیر ایک دو قطرے ٹپک جائیں۔

تشریح و توضیح شمس الائمہ۔ عبد العزیز بن احمد بن نصر بن صالح البخاری۔ ان کے والد حلوہ کی تجارت کرتے تھے اس لئے یہ بھی الحلوانی کے لقب سے معروف ہوئے۔

عبد اللہ ہروی نے حواشی شرح میں اور چلپی نے "ذخیرۃ العقبیٰ" میں بیان کیا ہے کہ حلوان کی جانب نسبت کرتے ہوئے انہیں حلوانی کہا جاتا ہے۔ حلوان: سواد عراق میں ایک شہر کا نام ہے۔

یکفیہ۔ واضح رہے کہ ظاہر روایت کی رو سے اعضاء پر پانی بہنا شرط ہے اور اعضاء مغسولہ سے ٹپکے بغیر وضو جائز نہ ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ اسے شرط قرار نہیں دیتے۔ شمس الائمہ کا ان دو اقوال کی روشنی میں تیسرا قول یہ ہے کہ سارے دھوئے جانے والے اعضاء میں پانی کا بہانا معتبر ہے البتہ رخسار اور کان کے درمیانی حصہ کو پانی سے تر کرنا بھی کافی ہے تو ظاہر ضروری نہیں اور بہار سے اکثر مشائخ اعتبار اس کے دھونے کو ہی واجب قرار دیتے ہیں۔ البتہ اگر قلت و مشقت کا سامنا ہو تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق پانی سے تر کرنا کافی ہے۔ یہاں تین قول ہو گئے: (۱) طرفین کا قول (۲) امام ابو یوسفؒ کا قول (۳) شمس الائمہ کا قول۔ ان اقوال میں سے مفتیٰ بہ پہلا قول ہے۔

ما روی عن ابی یوسف۔ تا یہ یہ ہے کہ یہ مسلک و مذہب نہیں بلکہ ان سے صرف ایک روایت ہے مگر

5
2

معتبر کتب میں اس اختلاف کا ذکر ہے۔
اگر یہ کہو کہ امام ابو یوسفؒ کی اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ سارے اعضاء کا تر کرلینا کافی ہے کان اور رخسار کے درمیانی حصہ کی خصوصیت نہیں تو شمس الائمہ کا قول اسی پر قیاس کرنا کیسے صحیح ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ حلوانیؒ کا شمار مجتہدین میں ہے تو انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ قول اختیار کیا بلکہ تقلید یعنی اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو امام ابو یوسفؒ کا قول شرع ولغت دونوں کے خلاف ہے لہٰذا ان کا قول قابل عمل نہ ہوگا۔

قطرۃ او قطرتان۔ عام کتب فقہ سے ایک قطرہ کا بہنا کافی ہے اور بعض سے دو قطروں کا بہنا معلوم ہوتا ہے

وأسفل الذقن فيتحدد هذا الوجه من الأطراف الأربعة ثم عطف على الوجه قوله واليدين والرجلين مع المرفقين والكعبين۔ ترجمہ اور اسفل ذقن (ٹھوڑی کا نچلا حصہ) دھونا فرض ہے پس چہرہ کی حد چاروں طرف سے پوری ہوگئی پھر مصنفؒ نے علی الوجہ پر عطف کیا اپنے قول والیدین (اور دونوں ہاتھوں کا دھونا کہنیوں سمیت) والرجلین (اور دونوں پیروں کا ٹخنوں تک دھونا فرض ہے) کو۔

تشریح و توضیح | اسفل سے مراد ٹھوڑی کے نیچے کا حصہ ہے اور یہ ٹھوڑی میں داخل ہے۔

مع المرفقین والکعبین یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غایت مغیا میں داخل ہے۔ دارقطنی اور بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو کہنیوں پر پانی بہاتے

خلافا لزفرؒ فإن عنده لا يدخل المرفقان والكعبان في الغسل لأن الغاية لا تدخل تحت المغيا ونحن نقول إن كانت الغاية بحيث لو لم تدخل فيها كلمة إلى لم يتناولها صدر الكلام لم تدخل تحت المغيا كالليل في الصوم وإن كانت بحيث يتناولها صدر الكلام كما هنا تدخل تحت المغيا بناء على أن للنحويين في إلى أربعة مذاهب الأول دخول ما بعدها فيما قبلها إلا مجازا والثاني عدم الدخول إلا مجازا والثالث الاشتراك والرابع الدخول إن كان ما بعدها من جنس ما قبلها وعدمه إن لم يكن فلعل المصنف اختار الرابع وهو أوفق لما ذكرنا في الليل والمرافق

ترجمہ | امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے دھونے کے حکم میں داخل نہیں کیونکہ غایت مغیا کے تحت داخل نہیں ہوتی۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اگر غایت پر کوئی ایسا کلمہ نہ آتا جو صدر و آغاز کلام کی شان وہی ہے تو غایت مغیا میں داخل نہ ہوتی جیسے رات روزہ میں داخل نہیں اور اگر صدر و آغاز کلام کو شامل ہوسکنے والی آیت متنازعہ فیہ ہوتی تب بھی مغیا کے تحت داخل ہوتی۔ اس بناء پر کہ نحویوں کے الیٰ کے متعلق چار مذہب ہیں (۱) الیٰ کا مابعد ماقبل میں مجازاً داخل ہوگا (۲) مجازاً داخل نہ ہوگا (۳) اشتراک (۴) اگر بعد ماقبل کی جنس سے ہو تو داخل ہوگا اور مابعد ماقبل کی جنس سے نہ ہو تو داخل نہ ہوگا یہ چوتھا مذہب اس کے موافق ہے جو ہم لیل (رات) اور المرافق سے متعلق بیان کرچکے۔

تشریح و توضیح | خلافا لزفر۔ اس حکم میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے اور امام مالکؒ کی ایک روایت بھی اسی طرح

کی ہے اور دوسری روایت ہمارے ائمہ احناف اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مسلک کے موافق ہے۔

وَفِی الْغَایَۃ "صاحب حل المشکلات" فرماتے ہیں کہ الغایۃ پر لام عہد کے لئے ہے، یعنی معنی یہ ہوں گے کہ یہ غایت ان کے نزدیک مغیّا میں داخل نہ ہوگی۔ اس کا غلط ہونا ظاہر ہے کیونکہ امام زفرؒ کے استدلال کا حاصل یہ ہے کہ الی اور کعبین غسل کی غایت ہیں اور غایت مغیّا کے تحت داخل نہیں ہوتی، اگر اس سے مراد کلیہ ہے تو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول "سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصٰی" سے تو کہا جائے گا کہ اس سے مراد کلیہ مقیدہ ہے یعنی دلیل اس کے خلاف نہ ہو تو کلیہ مراد لیں گے ورنہ نہیں۔

ونحن نقول۔ اس سے مقصود مذہب مختار و راجح کو ثابت کرنا اور امام زفرؒ کا قول رد کرنا ہے کہ غایت کا مطلقاً (بلا قید) مغیا کے تحت داخل ہونا ممنوع ہے بلکہ غایت اگر ما قبل کی جنس سے ہو تو داخل قرار دیں گے اور ما قبل کی جنس سے نہ ہو تو داخل قرار نہ دیں گے۔ بیاناً۔ نقول کا مفعول لہ ہونے کی بنا پر منصوب ہے یا لم نجعل کا مفعول لہ ہے یا یہ مفعول مطلق ہے۔ ای بین ذلک التفصیل بیاناً الخ۔

فی ما قبلہا۔ مضاف محذوف ای فی حکم ما قبلہا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ ما قبلہا مغیا ہو اور اگر اس سے حکم سابق مقصود ہو تو مضاف حذف کرنے کی ضرورت نہیں۔

الاجماع:- اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ مستثنیٰ میں اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ معنی اجماع کے کلام کے یہ ہیں دخول ما بعد حتی فی ما قبلہا و ما بعد کا ما قبل میں داخل ہونا کل اوقات میں بجز وقت مجاز کے۔ یہ اس وقت ہے کہ جب کوئی قرینہ ما بعد کے ما قبل میں داخل ہونے کی ممانعت کا موجود ہو تو اس وقت داخل نہیں ہوگا۔

والثانی۔ یہ اکثر نحویوں کا مسلک ہے، رضی نے شرح کافیہ میں یہی بیان کیا ہے اور ابن ہشام نے "مغنی اللبیب" میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ والثالث۔ یہاں اشتراک سے مراد اشتراک لفظی ہے، یہ اشتراک معنوی جیسا کہ عبد اللہ اللبیب ابن عبد الحکیم لاہوری نے اپنے حواشی میں بیان کیا ہے سیاق و سباق اس کی موافقت نہیں کرتے۔ والرابع۔ علامہ ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے "تحریر الاصول" میں اسے اختیار کیا ہے۔

فعند المصنف یعنی اس تفصیل کے بعد واضح ہو گیا کہ مذہب راجح یہ ہے (ذکر کردہ ضابطہ "ان کان ما بعدہا من جنس ما قبلہا دخل وان لم یکن لا") کے موافق ہے۔

واما الثلثة الاول فالاول يعارضه الثاني متساويا والثالث واجب التوقف الذي يعنا وقوع الشك في مواقع استعمال كلمة الى فلا شك مثل صوم الليل في الصوم انه وقع الشك في التناول الدخول فلا يثبت التناول بالشك۔ ترجمہ:- اور بہرحال پہلی تین شکلیں تو پہلی شکل دوسری کے معارض ہے

ابی یوسف رح مسحہا کلہا فرض

ترجمہ اس لئے کہ جب کہا گیا ہیں سے ڈاڑھی چھپ گیا اس سے مراد بعض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول فامسحوا بوجوھکم میں کل مراد ہے جب آیت مقدار کے بارے میں مجمل ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کہ آپ نے ناصیہ پر مسح فرمایا اس کا بیان ہو گیا۔ اور بہرحال ڈاڑھی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چوتھائی کا مسح فرض ہے کیونکہ جب چہرہ کی داڑھی سے نیچے کا دھونا فرض نہ رہا تو وہ سر کی طرح ہو گئی۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کل کا دھونا فرض ہے۔

تشریح و توضیح واللحیۃ: لام کے کسرہ کے ساتھ اس کی جمع لحیٰ آتی ہے۔ لام کے ضمہ کے ساتھ بھی منقول ہے۔ لحیہ سے مراد ٹھوڑی پر اُگنے والے بال ہیں جیسے ڈاڑھی ٹھوڑی پر اُگنے والے بال۔ کلی نوعیت کے ساتھ وہ ہڈی جس پر دانت ہوں۔

مسح ربعہا فرض: یعنی چوتھائی ڈاڑھی کا مسح فرض ہے [illegible] سے روایت کو مؤلف کرؒ وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ مفتی بہ روایت یہ ہے کہ ڈاڑھی کا وہ حصہ جس سے چہرہ کی تدویر مکمل ہو جاتی ہے چہرہ کی حد میں داخل ہونے کی بنا پر اس پورے حصہ کا دھونا فرض ہے۔

لما سقط: اس کا حاصل یہ ہے کہ جیسے وہ کھال جو بالوں کے نیچے ہے اس کا دھونا ساقط ہو گیا حالانکہ اس کا دھونا ڈاڑھی نکلنے سے قبل فرض تھا پھر بال آجاتے ہیں تو اس کا حکم سر کا سا ہو گیا پس جس طرح چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اسی طرح چوتھائی ڈاڑھی کا فرض ہے۔

لانہ لما سقط غسل ما تحتہا من البشرۃ اقیم مسحہا مقام الغسل ما تحتہا فیفرض مسح کل بخلاف الرأس فانہ اذا کان علیہ الشعر لا یجب غسلہ ولا مسح کلہ وقد ذکر ان المراد بالربع ربع ما یلاقی بشرۃ الوجہ منہا اذ لا یجب ایصال الماء الی ما استرسل من الذقن خلافا للشافعی کذا فی الایضاح وفی الشعر الواجب [illegible] عن ابی حنیفۃ انہ مسح ما یستر البشرۃ فرض وہو الاصح المختار کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان واذا مسح الرأس ثم حلق الشعر [illegible] لا یجب الاعادۃ وکذا لو توضأ ثم قص الاظفار [illegible]

ترجمہ اس لئے کہ جب ڈاڑھی کے نیچے بشرہ کا دھونا ساقط ہو گیا تو مسح دھونے کے قائم مقام ہو گیا اور پورے کا مسح فرض ہو گیا برخلاف سر کے کہ سر پر اگر بال نہ ہوں تو پورے سر کا غسل واجب اور نہ پورے کا مسح۔ اور ذکر کیا گیا کہ چوتھائی سے مراد اس کا چوتھائی ہے جو بشرہ وجہ سے ملا ہوا ہو کیونکہ ان بالوں تک پانی پہنچانا واجب نہیں جو لٹکے [illegible]

على كفه اليمنى ويغسلها ثلاثا ثم يصبه بيمينه على كفه اليسرى كما ذكرنا وان كان كبيرا لا يمكن رفعه فان كان معه اناء صغير يرفع الماء به ويغسلهما كما ذكرنا

ترجمہ | یہ دھونا بعض مشائخ کے نزدیک استنجے سے قبل سنت ہے اور بعض کے نزدیک استنجے کے بعد اور بعض کے نزدیک پہلے بھی اور بعد بھی۔ دھونے کی کیفیت یہ ہے کہ اگر برتن اتنا چھوٹا ہو کہ اس کو اٹھایا جا سکے تو الٹے ہاتھ سے اٹھا کر دائیں ہتھیلی پر پانی بہائے اور اسے تین بار دھوئے، پھر دائیں ہاتھ سے ہمارے ذکر کردہ طریقہ کے مطابق بائیں ہتھیلی پر پانی بہائے۔ اور اگر برتن بڑا ہو کہ اٹھایا نہ جا سکے پس اگر اس کے ساتھ چھوٹا برتن ہو تو پانی اس سے نکالے اور دونوں ہاتھ ہمارے ذکر کردہ طریقہ کے مطابق دھوئے۔

تشریح و توضیح | جیسا کہ خیر المطالب میں ہے۔ اکثر کا قول یہی ہے کہ پہلے بھی دھوئے اور بعد میں بھی دھوئے۔ اصل اس بارے میں وہ روایت ہے جو اصحاب السنن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل اور دھونے کی کیفیت سے متعلق نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں ڈالنے سے قبل دست مبارک دھوئے، پھر شرمگاہ دھو کر ہاتھوں کو مٹی سے مل کر صاف کیا، پھر ہاتھ دھوئے اور اس کے بعد نماز کے لئے وضو فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتداء وضو میں دونوں ہاتھوں کا پہنچوں تک دھونا صحابہ کی روایت سے ثابت ہے۔ مسند ابو یعلیٰ، مسند بزار، مصنف عبدالرزاق، سنن دارقطنی، معجم طبرانی وغیرہ میں بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

انہ اذا کان۔ فقیہ ابوجعفر الہندوانی سے ذخیرہ میں اسی طرح منقول ہے۔

ثم یصبہ۔ اس پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ دونوں ہتھیلیوں پر پانی بہانے کی ضرورت نہیں کیونکہ بائیں ہتھیلی دائیں ہتھیلی پر بہاتے وقت پانی سے دھونا ممکن ہے۔ اس کا جواب محمد بن فرامرز المعروف ملا خسرو نے الدرر میں دیا ہے کہ اوّل شریعت میں دائیں سے ابتداء کی جاتی ہے اور وضو میں دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ یا دونوں میں سے ایک پیر کی ترتیب مختلف کرنا درست نہیں۔

کما ذکرنا یعنی بایاں ہاتھ اٹھا کر دایاں ہاتھ دھوئے، پھر دایاں ہاتھ اٹھا کر بایاں ہاتھ دھوئے۔

وان لم یمکن یدخل اصابع یده الیسری مضمومة فی الاناء دون الکف ویصب الماء علی یمینه ویدلک الاصابع بعضها ببعض یفعل هکذا ثلاثا ثم یدخل یمناه فی الاناء بالغا ما بلغ والنهی فی قوله علیه السلام فلا یغمسن یده فی الاناء محمول علی ما اذا کان الاناء صغیرا او کبیرا ومعه اناء صغیر اما اذا کان الاناء کبیرا ولیس معه اناء صغیر یحمل علی الادخال بطریق المبالغة کل ذلک اذا لم یعلم ان علی یده نجاسة اما اذا علم فازالة النجاسة علی وجه لا یفضی الی تنجیس الاناء وغیره فرض

وتسمیة الله تعالیٰ ابتداءً

ترجمہ: اور اگر برتن ہاتھ میں نہ ہو تو منہ کی انگلیاں ملا کر برتن میں ڈالے اور ہتھیلی پانی میں نہ ڈبوئے اور بائیں ہاتھ پر پانی ڈالے اور بعض انگلیاں بعض سے رگڑے۔ اسی طرح تین بار کرے پھر بایاں ہاتھ بھی اسی طرح برتن میں پہونچا سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ممانعت کہ اپنا ہاتھ برتن میں مت ڈالو یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ برتن چھوٹا ہو یا بڑا ہو اور اس کے ساتھ پانی نکالنے کے لئے چھوٹا برتن ہو لیکن جب برتن بڑا ہو اور اس کے ساتھ چھوٹا برتن نہ ہو تو اسے بطریق مبالغہ اور ضرورت سے زائد ہتھیلی داخل کرنے پر محمول کریں گے یہ سب اس شکل میں ہے جبکہ ہاتھ پر نجاست کے ہونے کا علم نہ ہو۔ اگر علم ہو تو نجاست کا اس طرح زائل کرنا کہ پانی اور برتن نجس نہ ہو یا تبدیلی آئے فرض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا (بسم اللہ پڑھنا) وضو کے شروع میں۔

تشریح و توضیح: ولا یدخل الکف. یعنی کیونکہ ہتھیلی داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے اس سے احتراز کیا جائے۔ انگلیوں کو ملانے کی شرط اس وجہ سے لگائی کہ انگلیاں کھولنا اور پھیلانا بلا ضرورت ہے، نیز انگلیوں کو ملانے سے پانی لینے میں مدد ملے گی۔ لہذا اگر ہتھیلی غسل کے ارادہ سے داخل کی تو پانی مستعمل ہو جائیگا اور اگر چلو میں پانی لینے کے قصد سے داخل کی تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

والنہی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھونے سے پہلے ہاتھ پانی میں ڈالنے سے منع فرمایا۔ اطلاق کا تقاضا ہے کہ ہاتھ دھونے سے پہلے داخل کرنے کسی صورت میں جائز نہ ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اطلاق کا حکم اس صورت پر محمول ہے کہ جب ہاتھ ڈالنے کی ضرورت نہ ہو مثلاً برتن چھوٹا ہو یا برتن بڑا ہو مگر اس کے ساتھ پانی نکالنے کے لئے چھوٹا برتن بھی موجود ہو لیکن بغیر ضرورت ہو تو بھی قدر حاجت سے زیادہ داخل کرنے پر محمول ہوگی مطلقاً نہی نہ ہوگی۔

فلا یغمس۔ ایک روایت میں فلا یغمس بغیر نون کے بھی آیا ہے اور اکثر روایات میں فلا یغمسن مروی ہے۔

محمول۔ سعید ابن منصورؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے برتن میں دھونے سے پہلے ہاتھ ڈالا۔ اور ابن ابی شیبہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے اپنا ہاتھ لوٹے میں دھونے سے پہلے داخل کیا تو اسے بیان جواز پر محمول کریں گے اور حدیث میں منقول نہی کو نہی تنزیہی پر محمول کریں گے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد فان احدکم لا یدری این باتت یدہ کا تقاضا ہے۔

وانابۃ الغیر۔ یعنی کسی اور کو حکم دے پانی ڈالے اور ملنے کا حکم کرے اور اگر کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو تو منہ سے پانی لے اور اس پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرکے نماز پڑھ لے۔

وتسمیة الله تعالیٰ۔ اس میں تین قول ہیں (۱) مستحب ہے (۲) سنت مؤکدہ ہے، اکثر فقہاء اس کے قائل ہیں (۳) واجب ہے، امام ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اسی کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے۔ اصل اس بارے میں یہ حدیث ہے کہ جو وضو کرتے ہوئے اللہ کا نام نہ لے (بسم اللہ نہ پڑھے) اس کا وضو نہیں۔ یہ روایت ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی اور ابن ماجہ میں موجود ہے۔ بزار میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو شروع فرماتے

ہے۔ اور ناک میں پانی دینا اور کلی کرنا صحاح ستہ وغیرہ میں صحابہؓ سے مروی ہے۔

وانسا اکتفیٰ بمیاہ۔ لفظ میاہ سے اشارہ ہے کہ میاہ جمع ہے اور جمع کی مقدار کم سے کم تین ہے تین کی طرف اشارہ ہے کہ تین مرتبہ نیا پانی لیا جائے اگر میاہ کی جگہ تثنیہ کیا جاتا تو اس سے نیا پانی لینا سمجھ میں نہ آتا۔

قولہ۔ احناف کے نزدیک تجدید ماء مسنون ہے اور وصل بھی جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک وصل مسنون ہے اور فصل بھی جائز ہے۔ وصل کے قائل بخاری و مسلم میں عبداللہ بن زید سے مروی روایت پیش کرتے ہیں ابن ماجہ ابوداؤد حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث اور ترمذی حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث اور ابن ماجہ حضرت علیؓ سے مروی حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا۔ احناف کی دلیل ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلی اور ناک میں پانی دینے کے درمیان فصل فرماتے تھے (الگ الگ پانی لیتے تھے)۔

وتخلیل اللحیۃ۔ داڑھی میں خلال کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انگلیاں داڑھی کے درمیان کشادگی میں نیچے کی جانب داخل کرے۔ اس طرح کہ ہاتھ کی ہتھیلی خارج کی طرف ہو اور پشت وضو کرنے والے کی طرف، داڑھی میں داہنے ہاتھ سے خلال کرنا مستحب ہے۔ داڑھی میں خلال حضرت عمارؓ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے ترمذی میں مروی حدیث سے ثابت ہے اور حضرت ابن عمرؓ و حضرت ابوایوبؓ و حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث سے جو سنن ابن ماجہ و سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں ہے ثابت ہے۔

ابوداؤد کی حضرت انسؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو ایک چلو پانی لے کر تالو کے نیچے داڑھی کے نچلے حصہ میں داخل فرماتے تھے۔

والاصابع۔ یعنی دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیاں۔

خلال کی یہ کیفیت ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسائی جائیں۔ پاؤں کی انگلیوں کا خلال اس طرح ہو کہ بائیں ہاتھ کی خنصر سے خلال کیا جائے۔ داہنے پیر کی خنصر سے شروع کر کے بائیں پیر کی خنصر پر ختم کرے۔

وتثلیث الغسل۔ اور تین مرتبہ دھونا سنت مؤکدہ ہے۔ اکثر فقہاء یہی فرماتے ہیں۔ اصل اس میں ابوداؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو فرمایا اور پھر ارشاد ہوا کہ یہ وضو ہے جس نے اس پر اضافہ کیا یا کمی کی تو اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔ ”منیہ“ میں ہے کہ اگر ایک بار دھویا ٹھنڈک یا پانی کی کمی کی وجہ یا ضرورت کے باعث تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر عادت بنا لی ہو تو گنہگار ہوگا ورنہ نہیں اور ”خلاصہ“ میں بیان کیا گیا ہے کہ تین بار سے زیادہ مستحب ہے۔

ومسح کل الرأس۔ پورے سر کا مسح ایک بار صحیح روایات سے ثابت ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ہتھیلیاں اور انگلیاں سر کے اگلے حصہ پر رکھ کر انہیں گدی کی طرف اس طرح کھینچے کہ پورے سر کا استیعاب ہو جائے پھر ہتھیلیاں

سے کانوں کا مسح کرے

ان علیاً ... یعنی ابن ماجہ میں حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ و حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مسح فرمایا۔

بماء الرأس یعنی کانوں کا مسح اسی پانی سے کرے جو سر کے مسح کے لئے لیا گیا ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے، الاذنان من الرأس، کان سر ہی میں سے ہیں۔ ابن ماجہ، دارقطنی، طبرانی، ابوداؤد، ترمذی، شرح معانی الآثار میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا پانی لئے بغیر سر کے پانی سے کانوں کا مسح فرمایا۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو فرماتے دیکھا تو آپؐ نے کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لیا۔

اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ یہ عمل بیان جواز کے لئے ہے۔

والنیة والترتیب الذی نص علیه ای الترتیب المذکور فی نص القرآن وکلاهما فرضان عنده اما النیة فلقوله علیه السلام انما الاعمال بالنیات وجوابنا ان الثواب منوط بالنیة اتفاقاً فلا بد ان یقدر الثواب ویقدر شیء یشمل الثواب نحو حکم الاعمال بالنیات فان قدر الثواب فظاهر وان قدر الحکم فهو نوعان دنیوی کالصحة واخروی کالثواب والاخروی مراد بالاجماع فاذا قیل حکم الاعمال بالنیات ویراد به الثواب صدق الکلام فلا دلالة له علی الصحة فان قیل مثل هذا الکلام یأتی فی جمیع العبادات فلا دلالة له علی اشتراط النیة فی العبادات وذلک باطل

ترجمہ اور نیت و ترتیب یعنی مذکور ترتیب جو نص قرآنی میں ہے اور یہ دونوں امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہیں۔ نیت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنا پر کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ہماری (احناف کی) جانب سے جواب یہ ہے کہ ثواب بالاتفاق نیت سے متعلق ہے۔ پس ضروری ہے کہ ثواب مقدر مانا جائے یا کوئی چیز مقدر و پوشیدہ مانی جائے جو ثواب کو شامل ہو جیسے حکم اعمال نیتوں کے ساتھ ہے۔ ثواب مقدر و پوشیدہ ماننے کی صورت میں تو حکم ظاہر ہے۔ اور اگر حکم مقدر مانا جائے تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی مثلاً صحت اور اخروی مثلاً جیسے ثواب اور حدیث مذکور میں اخروی ثواب ہی بالاجماع مراد ہے۔ پس جب کہا جائے گا حکم الاعمال بالنیات اور مراد اس سے ثواب ہو تو کلام کی تصدیق کی جائے گی۔ لہٰذا یہ حدیث صحت دنیوی ثواب کی نشاندہی نہ کرے گی۔ اگر کہا جائے کہ اس جیسا کلام ساری عبادات کے بارے میں ہے تب تو عبادات مقصودہ میں نیت کا شرط ہونا ثابت نہیں ہوتا اور یہ باطل ہے۔

تشریح و توضیح والترتیب۔ اس سے اس کی طرف اشارہ ہے کہ مسنون وہ ترتیب ہے جو آیت میں ذکر کی

کی یعنی پہلے چہرہ دھوئے پھر دونوں ہاتھ، پھر سر کا مسح کرے پھر پیروں کا مسح کرے بلکہ مطلقاً ترتیب مراد نہیں۔
المذکور۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ تصریح سے یہ مراد نہیں کہ یہ مسئلہ کتابوں میں مصرح ہے بلکہ اس سے وہ مراد ہے جو قرآن میں مذکور ہے۔ نیز اس وہم کو دفع کرنا ہے کہ جب ترتیب قرآن کریم میں منصوص ہے تو اس کے خلاف کرنا کس طرح جائز ہے۔

فرضان۔ یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک اگر ترتیب کی رعایت اور نیت کے بغیر وضو کیا تو وضو ہی نہ ہوگا لیکن ہمارے نزدیک وضو تو ہو جائے گا، لیکن ان کی رعایت کے بغیر وضو کی صورت میں ثواب نہیں ملے گا۔

فقولہ۔ کتب شوافع میں ذکر کردہ تقریر استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر حدیث اعمال کی تحقیق ہے کہ نیت کے بغیر عمل ہی کا ترتب نہ ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ بہت سے اعمال بلا نیت پائے جاتے ہیں لہذا اس سے نیت کے بغیر حکم اعمال کی نفی مراد لی جائے گی اعمال کی نہیں مثلاً صحت یا کمال اعمال۔ الاعمال پر لام استغراق کے لئے ہے لہذا یہ ہر عمل کی صحت کے واسطے نیت کی شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے خواہ وہ عمل وسائل سے ہو یا مقاصد سے۔

انما الاعمال بالنیات۔ یہ حدیث موطا امام مالک، صحیح بخاری باب بدء الوحی میں انہیں الفاظ کے ساتھ اور کتاب النکاح میں "العمل بالنیۃ" اور کتاب العتق میں "الاعمال بالنیۃ" اور کتاب الہجرۃ اور کتاب الایمان میں "انما الاعمال بالنیۃ" کے الفاظ سے موجود ہے۔ صحیح ابن حبان میں "الاعمال بالنیات" کے الفاظ سے مروی ہے۔

ای الثواب۔ حاصل یہ ہے کہ عبادات میں بالاتفاق حصول ثواب نیت پر موقوف ہے جس ضروری ہے کہ اس حدیث میں لفظ "ثواب" حذف کرتے ہوئے یہ معنی لئے جائیں کہ اعمال کے ثواب کا مدار نیت پر ہے یا یہ کہا جائے کہ ثواب کا تعلق آخرت سے ہے اور وہ حکم اخروی ہے اور صحت (مثلاً وضو کا بلا نیت صحیح ہونا) یہ دنیوی حکم ہے۔ اس حدیث میں بالاجماع ثواب اخروی ہی مراد ہے۔

فان قیل۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جواب دینے والا اس طرح جواب دیتا ہے کہ حدیث مذکور سے وضو کیلئے نیت کی شرط ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہاں لفظ ثواب پوشیدہ ہے۔

فان المخالف فی اشتراط النیۃ فی العبادات ھذا الحدیث قلنا تقدیر الثواب لکن المقصود فی العبادات المحضۃ الثواب فاذا خلت عن المقصود لا یکون لہا صحۃ لانہا لم تشرع الا لکونہا عبادۃ بخلاف الوضوء اذ لیس ھو عبادۃ مقصودۃ بل شرع شرطا لجواز الصلوۃ فاذا خلا عن الثواب انتفی کونہ عبادۃ لکن لا یلزم من ھذا انتفاء صحتہ اذ لا یصدق علیہ لم یشرع الا لکونہ عبادۃ فیبقی صحتہ بمعنی انہ مفتاح الصلوۃ کما فی سائر الشروط کتطہیر الثوب

6/2

والمکان وستر العورۃ فانہ لاتشترط النیۃ فی تحقق منہا واما الترتیب فلقولہ تعالیٰ فاغسلوا وجوھکم فیفترض تقدیم غسل الوجہ فیفترض تقدیم الباقی مرتباً لان تقدیم غسل الوجہ مع عدم الترتیب فی الباقی خلاف الاجماع

ترجمہ اس لئے کہ عبادات میں نیت کی شرط اس حدیث کی بنیاد پر لگائی گئی ہے جیسا کہ بیان ثواب پا لینے کے بعد عبادات مقصودہ میں مقصود ثواب ہے پس جب مقصود باقی نہ رہا تو عبادت بھی صحیح نہیں ہوگی کیونکہ اس کی مشروعیت ہی عبادت کے ساتھ ہے وضو کے برعکس کہ وضو عبادت مقصودہ نہیں بلکہ وہ جواز صلوٰۃ کے لئے شرط ہے پس جب وہ ثواب عبادت کا سبب نہ رہا تو اس کا عبادت ہونا باقی نہ رہا مگر اس سے وضو کا صحیح نہ ہونا لازم نہیں آیا اگر اس سے نماز بھی صحیح نہ ہوا اس لئے کہ وضو کا صرف عبادت کے لئے ہی ہونا ضروری نہیں آتا پس وہ اس اعتبار سے بلا نیت بھی صحیح ہوگا کہ وہ مفتاح صلوٰۃ ہے جیسے کہ صحت نماز کی اور شرطیں ہیں مثلاً کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا ستر عورت۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی میں نیت شرط نہیں۔ اور بہرحال ترتیب کا فرض ہونا، پس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بنیاد پر ہے کہ "اپنے چہروں کو دھوؤ" پس فرض ہے اول چہرہ کا دھونا، پھر باقی اعضاء کا بالترتیب دھونا فرض ہے۔ کیونکہ باقی میں ترتیب کی رعایت نہ کرتے ہوئے چہرہ کے دھونے کو مقدم کرنا اجماع کے خلاف ہے۔

تشریح و توضیح قلنا۔ حاصل یہ ہے کہ عبادات کی دو قسمیں ہیں۔ مقصودہ اور غیر مقصودہ یا مقصودہ اور غیر مقصودہ عبادت مقصودہ تو وہ ہے کہ جو دوسری عبادت کا وسیلہ نہ ہو اور اس کی صحت کے لئے شرط ہو دوسری عبادت ایسی نہ ہو جیسے وضو، کپڑے کی پاکی اور جگہ کی پاکی وغیرہ۔ اول سے مقصود ثواب ہے دوسرے امر کی طرف توسل نہیں۔

الثواب اس سے مراد اخروی نفع ہے اور اس سے مراد دفع عقاب بھی ہے۔ اس سے یہ وہم دفع کیا مقصود ہے کہ عبادات مقصودہ میں محض ثواب کا ارادہ صحیح نہیں اس لئے کہ دفع عقاب (عذاب) بھی مقاصد سے ہے۔

لا یکون نفیاً لصحۃ۔ اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ ثواب کی نفی نفی صحت کو مستلزم ہے۔ اس کا جواب پہلے گذر چکا کہ ثواب اخروی نتیجہ کا نام ہے اور اس کے نہ ملنے سے صحت وضو کی نفی لازم نہیں آتی۔

بمعنی انہ مفتاح الصلوٰۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ نماز کی کنجی پاکی (وضو) ہے اور نماز کے علاوہ دوسری چیزوں کو حرام کرنے والی تکبیر ہے اور حلال کرنے والا سلام ہے۔ ترمذی وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے۔

فلقولہ تعالیٰ۔ ارشاد ربانی "فاغسلوا وجوھکم" (الآیۃ) میں حرف فا وصل اور بے درپے دھونے کا حکم ظاہر کرنے کے لئے آیا ہے۔ یہ اس کی نشاندہی کرتا ہے کہ چہرہ کا دھونا نماز کے واسطے قیام کے ارادہ کے ساتھ ہی واجب ہے۔ لہٰذا وضو میں اس کا دھونا سارے اعضاء سے مقدم ہے۔ اور جب چہرہ دھونے اور

اور وہ نماز کے درمیان آیت سے ترتیب ثابت ہو گئی تو باقی کے درمیان بھی ترتیب ثابت ہوگی۔
احناف وضو میں اعضائے وضو کے اندر عدم وجوب ترتیب کے قائل ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص پہلے پاؤں
دھولے تو حنفیہ کے ہاں جائز ہے اور شوافع کہتے ہیں کہ سارے اعضاء میں ترتیب واجب ہے۔
خلاف الاجماع: اجماع شرعی ادلۂ اربعہ میں سے مشہور دلیل ہے۔ ایک عصر کے مجتہدین کے ایک حکم پر اتفاق
کو اجماع کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اگر علت اور حکم دونوں پر اتفاق ہو تو یہ بسیط کہلاتا ہے مثلاً پاخانہ
پیشاب کے راستے سے کسی چیز کا نکلنا بالاجماع ناقض وضو ہے۔ اور اگر اتفاق حکم میں ہو اور علت اور سبب
میں اختلاف ہو تو اسے مرکب کہتے ہیں جیسے قے اور عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کہ دونوں بالاتفاق
ناقض وضو ہے مگر حنفیہ کے ہاں اس کی علت قے ہے اور شوافع کے ہاں اس کی علت عورت کا چھونا ہے۔

قلنا المذكور بعده حرف الواو فالمراد فاغسلوا هذا المجموع فلا دلالة له على تقديم غسل الوجه وان سُلِّم فمن استدلال المجتهد بهذه الآية لم يكن الاجماع منعقدا فاستدلاله بها على ترتيب الباقي استدلال بلا دليل وتمسك بعضهم بزعمه لا بالاجماع وقد رأيت في كتبهم التمسك لا بقوله عليه السلام هذا وضوء لا يقبل الله تعالى الصلوٰة الا به وقد كان بعض الوضوء مرتبا فيفترض الترتيب وقد سنح لي جواب حسن وهو انه توضأ مرة مرة وقال هذا وضوء لا يقبل الله تعالى الصلوٰة الا به فهذا القول يرجع الى المرة لعدمها لا الى الاشياء الأخر لان بعض الوضوء لا يخلو اما ان يكون ابتداؤه من اليمين او اليسار وايضا اما ان يكون على سبيل الموالاة او عدمها فقوله عليه السلام هذا وضوء الخ ان اريد به هذا الوضوء بجميع اوصافه فيلزم فرضية الموالاة او ضدها والتيامن او ضده وان لم يرد بجميع اوصافه لا يدل على فرضية الترتيب

ترجمہ ہم کہتے ہیں کہ اس کے بعد حرف واو ذکر کیا گیا ہے۔ پس مراد فاغسلوا سے یہ مجموعہ ہے۔ لہٰذا اس
قول سے چہرہ کے دھونے کو باقی کے دھونے پر مقدم کرنے کی نشان دہی نہیں ہوتی۔ اور اگر تسلیم کرلیں تو جب
مجتہد نے اس آیت سے استدلال کیا تو اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ پس اس استدلال سے باقی کی ترتیب پر استدلال
بلا دلیل ہے۔ اور یہ تو ان کا استدلال ہے اجماع نہیں۔ اور میں نے شوافع کی کتابوں میں ترتیب کی فرضیت
پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال دیکھا کہ یہ وضو ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں کرتا
مگر اس کو ترتیب کے ساتھ۔ اور یہ وضو مرتب ہے جس سے ترتیب فرض ہو گئی اور میرے پاس اس استدلال مذکور
کا بہترین جواب ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یک ایک مرتبہ وضو فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ

هو فرض والدليل على كون الامور المذكورة سنة مواظبة النبي عليه السلام من غير دليل على فرضيتها ومستحبة التيامن اي الابتداء باليمين في غسل الوجه فان قلت لا شك ان النبي عليه السلام واظب على التيامن في غسل الاعضاء ولم يرو احد انه بدأ بالشمال فينبغي ان يكون سنة قلت السنة ما واظب النبي عليه السلام عليه مع الترك احيانا فان كانت المواظبة المذكورة على سبيل العبادة فسنن الهدى وان كانت على سبيل العادة فسنن الزوائد كلبس الثياب والاكل باليمين وتقديم الرجل اليمنى في الدخول ونحو ذلك وكلامنا في الاول ومواظبة النبي عليه السلام على التيامن كانت من قبيل الثاني ويفهم هذا من تعليل صاحب الهداية بقوله عليه السلام

ترجمہ اور ولاء (یعنی) بعض اعضاء کا اس طرح پے در پے دھونا کہ پہلا عضو خشک نہ ہونے پائے اور امام مالکؒ کے نزدیک وہ فرض ہے اور دلیل اس کی کہ یہ ذکر کردہ امور مسنون ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر مواظبت ہے بغیر دوام، ان کی فرضیت کی دلیل نہیں۔ اور وضو میں تیامن مستحب ہے یعنی اعضاء کے دھونے میں دائیں جانب سے ابتداء مستحب ہے۔ اگر تو کہے اس میں شک نہیں کہ نبی علیہ السلام نے غسل اعضاء میں تیامن پر مواظبت فرمائی اور صحابہؓ میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے بائیں جانب سے ابتداء کی ہو تو مناسب یہ ہے کہ تیامن سنت ہو۔ میں کہتا ہوں کہ سنت وہ ہے جس پر نبی علیہ السلام نے مواظبت فرمائی ہو گاہے گاہے ترک کے ساتھ لہٰذا اگر ذکر کردہ مواظبت بطریق عبادت ہو تو یہ سنن ہدیٰ ہے اور اگر مواظبت بطور عادت ہو تو اس کا شمار سنن زوائد میں ہے جیسے عادات کپڑے پہننے میں اور دائیں ہاتھ سے کھانے میں اور مسجد وغیرہ میں داخل ہوتے ہوئے دایاں پیر مقدم کرنے میں اور اسی طرح کے امور۔ ہماری گفتگو پہلی قسم کے بارے میں ہے۔ اور نبی علیہ السلام کی مواظبت علی التیامن عادات کے زمرہ میں سے ہے اور یہی علت صاحب ہدایہ کے قول سے سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تشریح وتوضیح اور ولاء یعنی اعضاء وضو کو اس طرح پے در پے دھونا کہ دوسرا عضو خشک نہ ہو۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز اس حالت میں پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس کے عضو کا کچھ حصہ خشک رہ گیا تھا تو آپ نے اسے وضو اور نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔

ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق کی تخریج میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اور اس کے پاؤں میں ناخن کے بقدر خشکی رہ گئی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعادۂ وضو کا حکم فرمایا۔

مسند امام احمد میں ہے کہ امام مالکؒ اسی بنا پر ولاء کی فرضیت کے قائل ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ اخبار آحاد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی جب کہ قرآن کریم اور احادیث مشہورہ اس بارے میں ساکت ہوں۔

موطا میں امام مالکؒ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے وضو کیا تو پھر اور

ہاتھ دھونے اور سر کا مسح کیا۔ پھر مسجد میں داخل ہوتے ہوئے جنازہ آگیا۔ تو آپ نے موزوں پر مسح فرمایا۔ اس میں ولاء کا فرض نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

من غیر دلیل۔ یعنی اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوئی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر مواظبت سے سنت ثابت ہوتی ہے۔

مستحبہ۔ یعنی یہ مطلوب شرعی اور محبوب ہے مگر اس کا تارک لائق مذمت نہیں بخلاف سنت مؤکدہ کے کہ اس کا ترک کرنے والا گنہگار ہوتا ہے، مستحب کو مندوب بھی کہہ دیتے ہیں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا اور کبھی ترک فرمایا۔ اور اس عمل پر مواظبت نہیں فرمائی۔

بالتیامن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم وضو کرو تو دائیں جانب سے شروع کیا کرو۔ ابوداؤد ابن خزیمہ، ابن ماجہ اور ابن حبان میں یہ روایت موجود ہے۔

فی غسل الاعضاء۔ وغسل (دھونے) سے مراد عام ہے خواہ غسل حقیقی ہو یا حکمی یعنی مسح۔ چنانچہ موزوں اور پاؤں کے مسح میں بھی تیامن اور دائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے۔ اعضاء کے ظاہر سے مراد وہ ہے جس میں یمین اور یسار متحقق ہو۔ لہذا کانوں کے مسح میں اور رخساروں کے دھونے میں اور سر کے مسح اور چہرہ، منہ اور ناک کے دھونے میں تیامن مسنون نہیں ہے۔

فان قلت۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تیامن کے مستحب ہونے کا حکم صحیح نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیامن پر مواظبت فرمائی اس لئے کہ کسی راوی سے یہ مروی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب کو ترک کر کے بائیں طرف سے آغاز وضو فرمایا ہو۔ لہذا یہ مستحب نہیں بلکہ مسنون ہے۔

ولم یرو احد۔ یعنی سب صحابہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو میں دائیں طرف سے آغاز فرمانا ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ تیامن عادت رسول اللہ تھی۔ السنۃ ما واظب النبی علیہ السلام علیہ۔ عند الجمہور یہ تعریف مشہور ہے قائم ہو اپنا نا القاء ہے جب ترک کرنے کا یہ ہے کہ ترک کے بغیر مواظبت عند الجمہور وجوب کی دلیل ہے۔

فان کانت۔ یعنی تیامن پر مواظبت سنن ہدی میں سے ہے، پس یہ سنت مؤکدہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔

وان کانت۔ تحقیق یہ ہے کہ ترک سنن ہدی میں ضرر رسانی ہے اور سنن زوائد کا یہ حکم نہیں ہے اور عبادات و عادات کے درمیان فرق ظاہر ہے۔

ویقصد۔ یعنی حدیث مذکور سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے کہ تیامن سے ابتداء عادت مبارکہ تھی حتی کہ جوتا پہننے، اتارنے اور کنگھی کرنے میں بھی آپ اس کا خیال فرماتے تھے۔

ان اللہ تعالیٰ یحب التیامن فی کل شیء حتی التنعل والترجل ومسح الرقبۃ لان النبی علیہ السلام مسح علیہا وناقضہ ما خرج من السبیلین سواء کان معتادا او غیر معتاد کالدود

والريح الخارجة من القبل والذكر فيه اختلاف المشائخ رح او من غيرهما ان كان نجسا سال منه الى ما يطهر اى الى موضع يجب تطهيره فى الجملة اما فى الوضوء او فى الغسل وعند الشافعى

ترجمہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں تیامن کو پسند کرتا ہے حتیٰ کہ جوتا پہننے میں اور اتارنے میں۔ اور گردن کے مسح کا اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن پر مسح فرمایا۔ اور وضو کو توڑنے والی وہ چیز ہے جو سبیلین یا پاخانہ پیشاب کے راستہ سے نکلے خواہ اس کا نکلنا عادت میں داخل ہو یا نہ ہو جیسے کیڑا۔ اور شرمگاہ اور آلۂ تناسل سے نکلنے والی ریح نادر۔ اور اس کے بارے میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے یا سبیلین کے علاوہ سے نکلے اگر وہ نجس ہو۔ اور بہہ کر ایسی جگہ کی طرف جائے جس کا پاک کرنا ہر صورت واجب ہو وضو میں واجب ہو یا غسل میں اور امام شافعیؒ کے نزدیک۔

تشریح و توضیح مسح علیہما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گردن پر مسح فرمانا ثابت ہے۔ یہ روایت ابوداؤد و بزار اور طحاوی وغیرہ میں موجود ہے۔

کالدودۃ یعنی اگر کیڑا پاخانہ کے راستے سے نکلے تو بالاتفاق وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر عورت کی شرمگاہ یا اگلے حصہ سے نکلے تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ خلاصہ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ یہ سب ناقض وضو ہے جب کہ سبیلین میں سے کسی ایک سے نکلے پس اگر سبیلین کے علاوہ منہ یا ناک یا زخم سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

والریح۔ ہمارے اصحاب احناف وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ پاخانہ کے راستے سے نکلنے والی ریح ناقض وضو ہے اور قبل یعنی عورت کی شرمگاہ اور ذکر (آلۂ تناسل) سے نکلنے والی ریح کے متعلق اختلاف ہے۔ قدوریؒ نے امام محمدؒ سے نقل کیا ہے کہ وضو واجب ہوگا۔ اور اس کی دلیل حدیث کا عموم ہے کہ وضو قبل اور دبر یعنی سبیلین سے نکلنے والی چیز سے ٹوٹتا ہے۔

دارقطنی نے کتاب غرائب مالک میں یہ روایت نقل کی ہے۔ صاحب ہدایہ، مبسوط اور محیط وغیرہ قبل اور ذکر سے نکلنے والی ریح کو ناقض وضو نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے نزدیک یہ در اصل ریح ہی نہیں اور اگر ریح ہے بھی تو نجاست والی نہیں رہی۔ پاخانہ کے راستہ کی ریح تو گو کہ اس کا مرور نجاست سے ہوتا ہے اس لئے ناقض وضو ہے۔ اور اگر عورت ایسی ہو کہ اس کے پاخانہ اور پیشاب کا راستہ ایک ہو گیا ہو تو قبل سے نکلنے والی ریح پر بھی اس کے لئے وضو مستحب ہے کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ یہ ریح پاخانہ کے راستہ سے نکلی ہو۔ ایک قول کی رو سے وضو واجب ہے۔

ان کان یعنی سبیلین سے نکلنے والی اگر نجس اور بہنے والی ہے تو ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔

سال یعنی سیلان سے ہے یعنی نجس ہو اور بہنے والی ہو تو ناقض وضو ہے۔

تشریح و توضیح

وینتقض الوضوء سنن دارقطنی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور سوائے پچھنے لگانے کی جگہ کے دھونے کے دوبارہ وضو نہیں فرمایا۔ نیز سنن دارقطنی میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی پھر وضو فرمایا۔ میں نے عرض کیا قے کے بعد کیا وضو کرنا فرض ہے؟ ارشاد ہوا اگر فرض ہوتا تو قرآن کریم میں تجھے اس کا ذکر ملتا۔ ان دونوں روایتوں کی سند میں ضعیف ہیں۔ اس باب میں احناف کے مسلک کے اثبات میں وہ روایت جو بخاری اور اصحاب سنن وغیرہ نے روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ فاطمہ بنت حبیش نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے استحاضہ کی بیماری ہے۔ میں پاک نہیں ہوتی کیا میں نماز ترک کردوں؟ ارشاد ہوا کہ یہ صرف ایک رگ ہے (جس سے خون آتا ہے) حیض (ماہواری) کا خون نہیں، جب تجھے حیض آئے تو نماز ترک کردے اور جب مدت حیض ختم ہو جائے تو خون دھو کر نماز پڑھ اور ہر نماز کے وقت اس نماز کے لیے وضو کر۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ یہ خون ایک رگ ہے اس کی طرف اشارہ ہے کہ رگ نقض طہارت میں اثر انداز ہے۔

موضع النجاسۃ مثلاً پاخانہ، پیشاب اور حیض والا خون وغیرہ۔

ولکن المذکور حاصل یہ ہے کہ اگر زخم کو دبانے اور نچوڑنے پر خون یا پیپ نکلے اور اگر دبایا نہ جائے تو نہ نکلتا تو ایسی صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ یہ اخراج (نکالنا) ہے اور ناقض خروج (نکلنا) ہے۔ بعض مشائخ مثلاً صاحب ہدایہ بھی فرماتے ہیں مگر زیادہ صحیح قول جو کافی، نہایہ، غایۃ البیان، فتح القدیر اور بزازیہ وغیرہ میں ہے وہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ اخراج کے لیے لازم ہے اور مطلقاً خروج ناقض وضو ہے۔

ولکنہ یعنی اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔

لان خروج النجاسۃ خروج نجاست زوال طہارت کی علت ہے۔ اور جب علت پائی جائے گی معلول پایا جائے گا۔ لہٰذا جب خروج نجاست ہوگا تو زوال طہارت بھی پایا جائے گا۔ احناف کہتے ہیں کہ قلیل غیر سائل پر خارج کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ صرف ظاہر ہوتا ہے پس خروج کا اطلاق ہوگا جب کہ نجاست اپنے مخرج سے تجاوز کر جائے اور سیلان ہی کی صورت میں اس کا تحقق ہو سکتا ہے۔ لہٰذا خروج اور سیلان لازم و ملزوم ہیں۔

المستقرۃ فی موضعها لا ینقض قلت هذا الدلیل غیر تام لانه لا یشمل ما اذا غرزت ابرۃ فارتقی الدم علی راس الجرح لکن لم یسل فان الخروج هنا محسوس ومع ذلک لا ینقض عندنا وقد یخطر ببالی وجه آخر وهو انه لم یتحقق خروج النجاسة لان هذا الدم غیر نجس بل النجس هو الدم المسفوح ولکن الحق القلیل بسیاق فی هذه الصفحة وقوله الی ما یطهر احترازعما اذا

قشرت نفطة في العين فسال الصديد بحيث لم يخرج من العين لا ينقض الوضوء لان داخل العين لا يجب تطهيره اصلاً لا في الوضوء ولا في الغسل فليس له حكم ما هو البدن فالمعتبر الخروج الى ما هو ظاهر البدن شرعاً واعلم ان قوله الى ما يطهر يجب ان يكون متعلقاً بقوله ما خرج لا بقوله سال۔

ترجمہ جو اپنے مخرج میں ٹھہری رہے وہ ناقض وضو نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل ناقص ہے اس لئے کہ یہ اس صورت کو شامل نہیں کہ جب سوئی چبھوئی جائے اور خون زخم کے کنارہ پر آجائے مگر زخم سے نہ بہے۔ پس اگرچہ سوئی کا چبھنا محسوس ہوتا ہے مگر اس کے باوجود ناقض وضو نہیں ہمارے نزدیک۔ میرے قلب میں اس کی ایک بہت اچھی توجیہ آئی ہے وہ یہ کہ یہاں نجاست کا نکلنا ثابت نہیں۔ اس لئے کہ یہ خون نجس نہیں بلکہ بہنے والا خون ناپاک ہے۔ اور اسی طرح تھوڑی سی قے کا حکم ہے۔ عنقریب اس کے صفحہ میں اس کا بیان کیا جائے گا۔
اور مصنف کا قول "الی ما یطهر" یہ اس صورت سے احتراز ہے کہ جب آنکھ میں پھنسی کو چھیلا پانی اس طرح بہہ جائے کہ آنکھ سے نہ نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ داخل چشم کا دھونا سرے سے نہ وضو میں واجب ہے اور نہ غسل میں کیونکہ اس کا حکم ظاہر بدن کا نہیں پس شرعاً وہ خروج معتبر ہے جو ظاہر بدن کی طرف ہو۔ اور آگاہ رہو کہ مصنف کا قول "الی ما یطهر" واجب ہے کہ "ما خرج" سے متعلق ہو، "سال" سے متعلق نہ ہو۔

تشریح وتوضیح هذا الدليل۔ یہ دلیل اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے مخرج میں رہنے والی نجاست ناقض وضو نہیں۔

وجه حسن۔ حاصل یہ ہے کہ یہیں خروج نجاست کا لازم ہونا مسلم ہے مگر نہ بہنے والا خون خواہ مخارج میں ہو جیسے سوئی کے چبھنے کی بنا پر نکلے اور مخرج سے تجاوز نہ کرنے والا خون کہ وہ نجس نہیں کیونکہ نجس بہنے والا خون ہوتا ہے۔ هو الدم المسفوح۔ راجح قول کے مطابق بہنے والا خون ہی نجس ہوتا ہے۔ امام محمدؒ سے ایک روایت "نوادر" میں یہ بھی ہے کہ نہ بہنے والا خون بھی نجس ہوتا ہے۔

حكم ما هو البدن۔ دھونا اس کا فرض ہے جو ہر اعتبار سے ظاہر بدن ہو مثلاً ہاتھ، سر، پیٹھ اور پیٹ وغیرہ یا ایک اعتبار سے ظاہر اور ایک اعتبار سے باطن بدن ہو، مثلاً منہ اور ناک۔ یہ بہر صورت داخل بدن ہو اس کا دھونا فرض نہیں۔

بقوله سال۔ یعنی سیلان سے اگر اس کا تعلق ہو تو قطرہ قطرہ خون نکلنے کو ناقض وضو قرار نہ دینا لازم آئے گا۔

فانه اذا فصد وخرج دم كثير وسال بحيث لم يتلطخ راس الجرح فانه لا شك في الانتقاض عندنا مع انه لم يسل الى موضع يلحقه حكم التطهير بل خرج الى موضع يلحقه حكم التطهير ثم

روایت کے مطابق وہ نجس اور ناقض وضو ہے کیونکہ نجاست محل میں داخل ہوگئی۔

بخلاف بلغم اور کیڑے یا سانپ کی قے کہ وہ ناقض وضو نہیں اگرچہ منہ بھر کر ہو کیونکہ وہ فی نفسہ طاہر ہے اور ان کے ساتھ آنے والی نجاست قلیل ہے، یہ حکم اس وقت ہے کہ جب کھانا جوف بطن تک پہونچ کر نکلے۔

اگر دو مختلف چیزوں کی قے ہوئی مثلاً خون اور کھانا یا خون اور بلغم کی تو اعتبار غالب کا ہے اور اگر دونوں مساوی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ اعتبار ہوگا۔

اور ماء فم: اگر پانی پیا اور جوف بطن تک پہونچ کر نکلا تو ناقض وضو ہے خواہ صاف کیوں نہ ہو۔

اور علقۃ: اگر بستہ نہیں بلکہ بہنے والا ہو خواہ وہ کم مقدار میں ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا بالاتفاق اور جامد میں یہ ہے کہ اگر بستہ خون کی قے ہو تو منہ بھر کر ہونے کا اعتبار ہوگا کیونکہ وہ پختہ سودا ہے۔ نہایہ میں ہے کہ اگر جمے ہوئے اور نہ بہنے والے خون کی قے ہو تو جب تک منہ بھر کر نہ ہو ناقض وضو نہیں ہے، اس لئے کہ یہ خون نہیں بلکہ یہ سودا محترق ہے، یہ معدہ سے نکلتا ہے اور معدہ سے نکلنے والی چیز جب تک منہ بھر کر اس کی قے نہ ہو ناقض وضو نہیں۔

قوله وهو يعتبر الضمير يرجع الى ابي يوسف رحمه الله وهذه المسألة صورتها اذا قاء قليلا قليلا بحيث لو جمع يبلغ ملء الفم فابو يوسفؒ يعتبر اتحاد المجلس اي اذا كان في مجلس واحد يجمع فيكون ناقضا ومحمدؒ يعتبر اتحاد السبب وهو الغثيان فان كان بغثيان واحد يجمع فيكون ناقضا فتحصل اربع صور اتحاد المجلس والغثيان فيجمع اتفاقا واختلافهما فلا يجمع اتفاقا واتحاد المجلس مع اختلاف الغثيان فيجمع عند ابي يوسفؒ خلافا لمحمدؒ واختلاف المجلس مع اتحاد الغثيان فيجمع عند محمدؒ خلافا لابي يوسفؒ وما ليس بحدث ليس بنجس بكسر الجيم فيلزم من اعتبار كونه حدثا اعتبار كونه نجسا فالدم اذا لم يسل عن راس الجرح طاهر وكذا القيء القليل وعن محمدؒ في غير رواية الاصول انه نجس لانه لا اثر للسيلان في النجاسة فاذا كان السائل نجسا فغير السائل يكون كذلك ولنا قوله تعالى قُلْ لَّا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ الى قوله أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا۔

ترجمہ: وهو يعتبر اس کی ضمیر امام ابو یوسفؒ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہ مسئلہ کی ابتداء ہے اس کی شکل یہ ہے کہ اگر قے تھوڑی تھوڑی ہو اور جمع کرنے پر اس کی مقدار منہ بھر قے کے بقدر ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اتحاد مجلس کا اعتبار ہے یعنی اگر ایک مجلس میں ہو تو اسے جمع کرکے ناقض وضو قرار دیں گے اور امام محمدؒ کے نزدیک متلی کا اعتبار ہے، اگر قے ایک متلی سے ہو تو جمع کرکے ناقض وضو قرار دیں گے۔ پس یہ چار شکلیں ہو گئیں (۱) اتحاد مجلس اور متلی (اس) تو اس میں بالاتفاق جمع کریں گے (۲) مجلس اور متلی ان دونوں میں اختلاف ہو تو بالاتفاق

چیزوں کا ہے تو یہ حکم کلی ہوسکے اور وہ چیزیں بھی جن کا گوشت کھانا حلال نہیں . مثلاً آدمی کہ اس کا نہ بہنے والا خون بھی حرام ہے تو نہ بہنے والے خون کے حلال ہونے سے اس کی پاکی پر استدلال ممکن نہ رہا کیونکہ کہ بہنے والے خون کی حرمت کے حکم کے باوجود نہ بہنے والا خون اپنی اصل یعنی حلت پر باقی رہا اور نہ بہنے والا خون پاک ہی رہے گا خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو کیونکہ نص مطلق ہے ۔ رہی آدمی کے نہ بہنے والے خون کی حرمت ہو اس کا گوشت حرام ہونے کی بنا پر ہے اور آدمی کا گوشت نجاست کی وجہ سے حرام نہیں بلکہ کرامت وعظمت کے باعث ہے . لہٰذا آدمی کا نہ بہنے والا خون حرام ہونے کے باوجود اپنی اصل طہارت پر باقی رہیگا

تشریح وتوضیح

فان قیل الخ یعنی یہ کہنا کہ دم مسفوح تو بہنے والا خون ہے حرام اور نہ بہنے والا حلال ہے لہٰذا نجس بھی نہیں ہوگا . یہ حکم ان حیوانات کا ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے مثلاً بکری، گائے وغیرہ تو ان میں حلت سے طہارت پر استدلال کرنا صحیح ہوگا . لیکن وہ جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا مثلاً آدمی تو ان کا غیر مسفوح بھی حرام ہے ،

قلت: الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ دم مسفوح کی حرمت قرآن کریم میں مطلقاً ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دم مسفوح ہر ایک کا حرام ہے خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو اور اسی سے غیر مسفوح کی حلت مطلقاً ثابت ہے ،

هو الاصل: حاشے زیر کے ساتھ . اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اشیاء میں اصل حلت واباحت ہے یہ بعض احناف اور امام کرخی وغیرہ کا مسلک ہے ، صاحب ہدایہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے ، اور ان میں سے بعض کے نزدیک اصل اشیاء میں حرمت ہے ، اور بعض نے اس بارے میں توقف سے کام لیا ہے مگر راجح و پسندیدہ قول اول ہے ۔

ثم حرمة الخ یعنی اشکال یہ ہے کہ دم مسفوح کے بارے میں نص اگرچہ مطلقاً ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ آدمی کا خون مطلقاً حرام ہے خواہ بہنے والا ہو یا نہ بہنے والا . اور آدمی کا دم مسفوح جس طرح ناپاک ہے غیر مسفوح بھی ناپاک ہے . اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت کی دو قسمیں ہیں (۱) حرمت نجاست کی بنا پر مثلاً شراب اور خنزیر کی حرمت ، یہ اور اس کے مانند حرام بھی ہیں اور نجس بھی (۲) حرمت عظمت وبزرگی وشرف کے باعث اس حرمت سے نجس ہونا لازم نہیں آتا . اور آدمی کے دم غیر مسفوح کی حرمت اس وجہ سے ہے کہ اس کا گوشت کھانا حرام ہے اور گوشت کی حرمت نجاست کی وجہ سے نہیں کیونکہ آدمی ناپاک نہیں بلکہ مخلوقات میں اشرف وافضل ہونے کی بنا پر اس کی کسی چیز سے بھی استفادہ جائز نہیں . اس لئے کہ انتفاع کو جائز قرار دینا اس کی اہانت کا باعث ہوگا . اس سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ ہر حرام نجس نہیں ہوتا ، حرمت کبھی کرامت وبزرگی کے باعث ہوتی ہے اور کبھی خباثت وضرر کے باعث جیسے مٹی اور مکھی کی حرمت ۔

والفرق بين المسفوح وغيره مبني على حكمة ناصعة وهي ان غير المسفوح دم انتقل من العروق

ما ذكرنا وهو النوم قائما او قاعدا او راكعا او ساجدا والاغماء والجنون على اى هيئة كانا ويدخل فى الاغماء السكر وحده ههنا ان يدخل فى مشيه تحرك وهو الصحيح وكذا فى اليمين حتى لو حلف انه سكران يعتبر هذا الحد وقهقهة مصل بالغ فى ركوع وسجود

ترجمہ اور کروٹ سے اور تکیہ و سہارا لگا کر اس طرح سونا کہ اگر ہٹا یا جائے تو سونے والا گر جائے اس پر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یعنی ذکر کردہ سونے کے اس طریقہ کے علاوہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مثلاً کھڑے کھڑے یا بیٹھے بیٹھے یا رکوع یا سجدہ کی حالت میں سونا۔ اور بے ہوشی اور پاگل پن کو وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ کسی بھی نوعیت کے ہوں۔ اور بے ہوشی میں محض نشہ بھی داخل ہے۔ اور وہ یہ کہ چلنے میں لڑکھڑائے۔ صحیح قول یہی ہے۔ اسی طرح یمین و قسم میں یہی کہ اگر کوئی شخص حلف کرے کہ وہ نشہ میں ہے تو اس کا قول اسی بارے میں قابل اعتبار ہوگا۔ اور رکوع و سجدہ والی نماز میں بالغ کے قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

تشریح و توضیح وضوء مضطجع۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کروٹ سے سوئے اس پر وضو واجب ہے کیونکہ سونے کی وجہ سے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ یہ روایت ترمذی اور دار قطنی میں ابو داؤد اور بیہقی کی روایت سے الفاظ اس روایت کے قریب قریب ہیں۔ اس باب میں دوسری احادیث ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ نیند جس میں اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہوں ناقض وضو ہے۔ اور وضو ٹوٹنے کا حکم ریح خارج ہونے کے مظنہ و گمان کی بنا پر ہے۔ لہٰذا ہر وہ ہیئت ناقض وضو ہوگی جس میں جوڑ ڈھیلے پڑتے ہوں۔ ساجداً الخ حدیث میں ہے کہ سجدہ کی حالت میں سونے والے پر وضو واجب نہیں یہاں تک کہ پہلو پر سوئے۔ یہ روایت مسند احمد کی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ بیٹھنے والے یا کھڑے ہونے والے یا سجدہ کی حالت میں سونے والے پر وضو واجب نہیں ہوتا یہاں تک کہ کروٹ سے سوئے۔ اس لئے کہ جب پہلو اور کروٹ سے لیٹے پر جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ حسن ابن ہمامؒ نے جہت سے سلسلہ روایات سے اور طرق سند سے یہ روایت کی ہے جس سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس طریقے سے سونا ناقض وضو نہیں خواہ نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ میں۔ بحالت سجدہ سونے میں ہمارے اصحابؒ (احناف) کے پانچ قول ہیں۔

(۱) مطلقاً اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور ظاہر مذہب و مسلک یہی ہے۔ (۲) اگر نماز میں عمداً سوئے تو ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے اسی طرح منقول ہے (۳) خارج نماز اس طرح سونا ناقض وضو اور نماز میں سونا ناقض وضو نہیں۔ صاحب منیہ کا اختیار کردہ قول یہی ہے (۴) ناقض وضو نہیں بشرطیکہ نماز کی ہیئت مسنونہ پر ہو خواہ داخل نماز ہو یا خارج نماز اگر خارج نماز غیر مسنون ہیئت پر ہو تو ناقض وضو ہے۔ اسی طرح نماز میں غیر مسنون ہیئت پر ہو تو ناقض وضو ہے۔ حلبیؒ نے شرح منیہ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور شرنبلالی نے بھی (۵) اندرون نماز مطلقاً ناقض وضو نہیں اور خارج نماز اگر ہیئت مسنونہ پر ہو تو ناقض وضو ہے ورنہ ناقض ہوگا

نہیں، زیلعیؒ کا رجحان اسی طرف ہے۔

والاغماء: دونوں کمزوری کے باعث بیماری کی ایک قسم ہے اس میں عقل ختم نہیں ہوتی بلکہ مستور ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس جنون و پاگل پن میں عقل زائل و ختم ہو جاتی ہے۔ ان دونوں کا حکم اختیار و قوت کے فوت ہونے میں نیند کا سا ہے۔ بلکہ اس سے بھی سخت ہے کیونکہ سونے والا بیدار ہونے پر ہوشیار ہو جاتا ہے اس کے برعکس مدہوش اور مجنون پھر بھی ہوشیار نہیں ہوگا۔ اسی لئے یہ دونوں بہر صورت ناقض وضو ہیں، چاہے پہلو پر لیٹا ہو یا بیٹھا ہو یا بحالت سجدہ ہو۔ اس کے برخلاف نیند اس صورت میں ناقض وضو ہے جب کہ جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں۔ بحر الرائق میں یہی لکھا ہے۔

وقہقہۃ مصل الخ: اس کتاب اشارہ ہے کہ قہقہہ مطلقاً ناقض وضو ہے خواہ امام ہو یا منفرد اور فرض پڑھ رہا ہو یا نفل، مرد ہو یا عورت۔

حتی لا ینقض الوضوء قہقہۃ الصبی وشرطہ ان تکون فی صلوۃ ذات رکوع وسجود حتی لو قہقہ فی صلوۃ الجنازۃ او سجدۃ التلاوۃ لا تنقض الوضوء بل یبطل ما قہقہ فیہ وانما شرطنا ما ذکرنا لان انتقاض الوضوء بہا ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس

ترجمہ: حتی کہ بچے کے قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور قہقہہ کے ناقض وضو ہونے کی شرط یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ والی نماز میں لگایا ہو، یہاں تک کہ اگر کوئی قہقہہ نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت کے دوران لگائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا بلکہ نماز جنازہ یا سجدہ باطل ہو جائے گا۔ اور رکوع وسجدہ والی نماز کی شرط کرنا کہ ناقض وضو ہے حدیث سے خلاف قیاس ثابت ہے۔

تشریح وتوضیح: ثبت بالحدیث: طبرانی میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ اس دوران کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرما رہے تھے ایک شخص آکر مسجد کے گڑھے میں گر پڑا، اس کی بصارت میں کچھ نقص تھا۔ بہت سے لوگ بحالت نماز ہنس پڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہنسنے والا شخص وضو اور نماز دونوں لوٹائے۔ دار قطنی، عبد الرزاق اور ابوداؤد نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

فیثبت علی مورد النص ثم القہقہۃ انما تنقض الوضوء اذا کان یقظان حتی لو نام فی الصلوۃ حتی قہقہ لا ینقض الوضوء وعند الشافعیؒ لا ینقض الوضوء بالقہقہۃ وحدہا ان تکون مسموعۃ لہ ولجیرانہ وہی تبطل الصلوۃ والوضوء والضحک ان یکون مسموعا لہ لا لجیرانہ وہو یبطل الصلوۃ لا الوضوء والتبسم ان لا یکون مسموعا اصلا وہو لا یبطل شیئا

7/2

والمباشرة الفاحشة الا عند محمد رحمه الله وهي ان يتماس بدنه ببدن المرأة مجردين وتماس الفرجان لا دودة خرجت من جرح لانها طاهرة وما عليها من النجاسة قليلة واما الخارجة من الدبر فتنقض لان خروج القليل منه ناقض ومن الاحليل لا لانها خارجة من جرح ومن قبل المرأة فيه اختلاف المشايخ ولحم سقط منه اى من جرح ومس المرأة والذكر خلافا للشافعي رحمه الله

ترجمہ میں اپنے مورد پر رکوع سجدہ والی بالغین کی نماز پر منحصر ہوگا، پس قہقہہ بیماری کی حالت میں ناقض وضو ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مذکورہ بیٹھ لیٹ میں سے کسی ہیئت پر سویا ہو تو قہقہہ ناقض وضو نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قہقہہ بہر صورت ناقض وضو نہیں۔ قہقہہ کی حد یہ ہے کہ وہ خود اور اس کے برابر کھڑا ہوا شخص سن لے۔ اور ضحک یہ ہے کہ وہ خود تو سنے مگر اس کے برابر والا نہ سن سکے۔ ضحک سے نماز باطل ہو جائے گی لیکن وضو نہیں ٹوٹے گا اور تبسم یہ ہے کہ کوئی نہ سنے تبسم سے نہ وضو ٹوٹے گا نہ نماز باطل ہوگی۔ اور مباشرۃ فاحشہ بھی ناقض وضو ہے لیکن امام محمدؒ کے نزدیک ناقض وضو نہیں۔ اور مباشرۃ فاحشہ یہ ہے کہ مرد کا ننگا بدن عورت کے ننگے بدن سے مل جائے اور مرد کے آلۂ تناسل میں انتشار پیدا ہو جائے اور دونوں کی شرمگاہیں مل جائیں۔ زخم سے نکلنے والا کیڑا ناقض وضو نہیں کیونکہ وہ پاک ہے اور اس کے ساتھ باہر آنے والی نجاست قلیل ہے لیکن دبر (پاخانہ کے راستے) سے نکلنے والا کیڑا ناقض وضو ہوگا۔ کیونکہ اس سے قلیل کا نکلنا بھی ناقض وضو ہے۔ آلۂ تناسل کے سوراخ سے نکلنے والا بھی ناقض وضو نہیں۔ کیونکہ وہ گویا زخم سے نکلنے والا ہے۔ اور عورت کی قبل (پیشاب گاہ) سے نکلنے والا ہو اس میں مشائخؒ کا اختلاف ہے۔ اور زخم سے گرنے والا گوشت کا ٹکڑا ناقض وضو نہیں اور عورت اور آلۂ تناسل کے چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعیؒ کا اس بارے میں اختلاف ہے

تشریح و توضیح فیقتصر علی مورده الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ قہقہہ کے ناقض وضو ہونے میں قیاس کو دخل نہیں۔ اس کا مورد دلیل وہ حدیث ہے کہ یہ حکم بالغین کی رکوع اور سجدہ والی نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو قہقہہ خارج نماز ناقض وضو ہوگا اور نہ نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت اور بچہ نابالغ کی نماز میں ناقض وضو قرار دیا جائے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قہقہہ تیمم کے لئے ناقض وضو ہونا چاہئے اور نہ اس وضو کے لئے ناقض وضو ہونا چاہئے جو غسل کے ضمن میں کرتے ہیں حالانکہ حضرات اور ہدایہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ قہقہہ ان کے لئے ناقض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں بطریق قیاس نہیں بلکہ بطریق دلالت النص وضو کے ساتھ ملحق ہیں۔

یقظان الخ یہ قید اس وجہ سے لگائی کہ قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کا حکم زجراً اور تنبیہاً ہے اور سونے والا اس کا اہل نہیں۔ اس بارے میں امام کرخیؒ کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک سونے والے کا قہقہہ بھی ناقض وضو

لا الوضوء: مفہوم یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ ضحک ناقض صلوٰۃ ہے اور ناقض وضو نہیں۔

والمباشرة الفاحشة الخ: کیونکہ اس صورت میں غالب گمان مذی کے نکلنے کا ہوتا ہے اسلئے نقض وضو کا حکم ہوا۔

الا عند محمد: امام محمدؒ کے نزدیک صرف مباشرۃ فاحشہ ناقض وضو نہیں تا وقتیکہ مذی وغیرہ نہ نکل جائے عتابیؒ نے اپنے فتاویٰ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور برجندیؒ کہتے ہیں کہ مفتیٰ بہ یہی قول ہے۔

بدن امرأة: یعنی یہ مباشرۃ فاحشہ خواہ دو عورتوں کے درمیان ہو اور خواہ بالغ مرد اور جوان لڑکے کے درمیان امام ابوحنیفہؒ و امام ابویوسفؒ کے نزدیک ناقض وضو ہے۔ امام محمدؒ کا اس میں اختلاف ہے تفصیل بھی اسی طرح ہے

وقت المس: ظاہر روایت کی رو سے نقض وضو کے لئے شرمگاہوں کا مل جانا شرط نہیں امام کرخیؒ نے اسے شرط قرار دیا ہے۔ اسبیجابیؒ اس شرط کو صحیح قرار دیتے ہیں یہ تفصیل بحر میں موجود ہے۔

لا دودة طاهرة: یہ اس طرف اشارہ ہے کہ زخم سے نکلنے والے کیڑے اور پاخانہ کے راستہ سے نکلنے والے کیڑے کے درمیان دو وجہوں سے فرق ہے۔ اول یہ کہ کیڑا اصل کے اعتبار سے پاک جانور ہے اور پاک چیز پاخانہ و پیشاب کے راستوں سے نکلے تو ناقض وضو ہے مثلاً ریح۔ اس کے برعکس اگر ان دونوں راستوں کے علاوہ سے نکلے تو ناقض وضو نہیں ہوگا مثلاً آنسو اور پسینہ۔ دوسرے یہ کہ کیڑے میں قلیل نجاست ضرور ہوتی ہے اور پاخانہ و پیشاب کے راستے سے اگر قلیل نجاست بھی نکلے تو ناقض وضو ہے۔ اور ان کے علاوہ سے نکلنے والی نجاست تا وقتیکہ کثیر نہ ہو ناقض وضو نہیں۔

ولحم سقط منه: کیونکہ گوشت فی نفسہٖ پاک ہے اور اس کے ساتھ لگی ہوئی تری قلیل ہے لہٰذا نجاست کا حکم نہ ہوگا اور نہ نقض وضو ہوگا۔

ومس المرأة: یعنی مرد کے عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ خواہ شہوت ہی سے کیوں نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تقبیل فرمائی (چوما) پھر بغیر وضو کے نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ روایت ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ اور نسائی وغیرہ میں موجود ہے۔ اس روایت کی سند میں کوئی مجہول نہیں۔ نیز حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہوئی تھی۔ جب آپ سجدہ فرماتے تو مجھے چھوتے اور میں پاؤں سمیٹ لیتی اور آپ جب کھڑے ہوتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی۔ یہ روایت بخاری، مسلم اور نسائی وغیرہ میں ہے۔

والذكر: اور آلۂ تناسل کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ کوئی چیز درمیان میں حائل نہ ہو۔ حضرت طلق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے اپنا آلۂ تناسل چھو لیا تھا کہ کیا وہ وضو کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ تمہارے ہی جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے۔

خلاف مالک قولہ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بلا حائل کے اور کپڑے کے بغیر عورت کو چھونا ناقض وضو ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بلا حائل کے چھونے پر اگر شدت شہوت محسوس ہو تو ناقض وضو ہے۔ ان کا مستدل یہ آیت کریمہ ہے۔ "اولامستم النساء" ہمارے اصحاب (احنافؒ) فرماتے ہیں کہ یہاں "المس" سے مراد جماع وجنابت ہے۔ اسی طرح امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آلہ تناسل بلا حائل کے چھونا ناقض ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے "جس شخص نے آلہ تناسل کو چھوا پس وہ وضو کرے۔"

وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وهما سنتان عند الشافعيؒ ولنا ان الفم داخل من وجه وخارج من وجه حسًا عند انطباق الفم وانفتاحه وحكمًا في ابتلاع الصائم الريق ودخول شئ في فيه فيعد داخلاً في الوضوء خارجًا في الغسل لان الوارد فيه صيغة المبالغة وهي قوله تعالى فاطّهّروا وفي الوضوء غسل الوجه وكذلك الانف واذا تمضمض وتحته شئ في اسنانه طعام فلا بأس به

ترجمہ: اور غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا فرض ہیں۔ اور یہ دونوں امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ منہ ایک اعتبار سے داخل اور ایک اعتبار سے خارج ہے حسّاً منہ بند کرنے اور کھولنے کے وقت اور حکماً روزہ دار کے تھوک نگلنے اور کسی چیز کے منہ میں داخل ہونے کے وقت۔ پس منہ وضو میں داخل اور غسل میں خارج ہے کیونکہ اس بارے میں مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور وہ ہے ارشاد ربانی "فاطّهّروا" اور وضو میں چہرہ کا دھونا فرض ہے۔ اور اسی طرح ناک حسّاً داخل ہے۔ وضو کرنے کے بعد اگر دانتوں میں کچھ لگا رہ جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ (غسل درست ہو جائے گا۔)

تشریح وتوضیح: عند انطباق الفم وانفتاحه الخ۔ یعنی منہ کھولنے کی صورت میں وہ کلی کی جگہ اور حسّاً خارج شمار ہوگا اور بند کرنے کی شکل میں حسّاً داخل قرار دیا جائے گا۔

فی ابتلاع الخ۔ اس لئے کہ روزہ دار کا روزہ تھوک نگلنے سے فاسد نہیں ہوتا یعنی منہ سے حلق میں پہونچ جانے کی بنا پر روزہ میں فساد نہیں آتا اور یہی علامت اس کے داخل ہونے کی ہے کیونکہ اگر خارج ہوتا تو روزہ فاسد ہو جاتا۔ وجہ یہ ہے کہ خارج سے کسی چیز کا داخل ہونا مفسد صوم ہے۔ اور اگر کوئی چیز خارج سے منہ میں داخل ہو اور حلق تک نہ پہونچے تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اور یہ علامت اس کے خارج ہونے کی ہے۔

وکذلک الانف۔ یہ حکماً داخل بھی ہے اور خارج بھی کیونکہ اگر ناک کی رینٹھ روزہ دار کی ناک سے حلق تک پہونچ جائے تو مفسد صوم نہیں۔ اور حکماً خارج بھی ہے اس اعتبار سے کہ اگر کوئی شئی خارج سے ناک میں گھس جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

وغسل سائر البدن اي جميع ظاهر البدن حتى لو بقي العجين في الظفر فاغتسل

کو دھونا واجب ہے ورنہ نہیں۔

ولا دلکہ وسنتہ ان یغسل یدیہ الی رسغیہ وفرجہ ویزیل نجسا ان کان ای ان کان النجس ای النجاسۃ علی بدنہ ثم یتوضأ الا رجلیہ استثناء متصل ای یغسل اعضاء الوضوء الا رجلیہ ثم یفیض الماء علی کل بدنہ ثلاثا ثم یغسل رجلیہ لا فی مکانہ

ترجمہ بدن کو رگڑنا ملنا فرض نہیں، اور مسنون یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پہونچوں تک دھوئے اور شرمگاہ دھوئے، اور اگر نجاست ہو تو اسے دور کرے یعنی اگر نجاست یا پانی بدن پر ہو، پھر وضو کرے مگر پاؤں چھوڑ دے۔ یہ استثناء متصل ہے یعنی پاؤں کے علاوہ اعضائے وضو دھوئے، پھر پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے پھر دونوں پاؤں غسل کی جگہ سے ہٹ کر دھوئے۔

تشریح و توضیح لا دلکہ یعنی بدن کو رگڑنا فرض نہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ غسل میں مبالغہ فی التطہیر مراد ہے اور یہ رگڑنے سے ہوتا ہے یعنی بدن کو ہاتھ سے رگڑنا۔ ہمارے اصحاب کا مستدل یہ ارشاد ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ مسلمان کا وضو پاک مٹی ہے اگرچہ اسے دس سال پانی نہ ملے اور جب پانی مل جائے تو اس کو اپنی جلد تک پہونچا دے۔

ان یغسل یدیہ۔ اس کے اندر اشارہ ہے کہ دونوں ہاتھ آلۂ تطہیر ہیں پس مناسب یہ ہے کہ دھونے کی ابتداء سے قبل ہی دونوں پاک کرلئے جائیں گے۔

وفرجہ۔ علامہ چلپیؒ کہتے ہیں کہ شرمگاہ دھونے میں مرد کی تخصیص نہیں بلکہ مرد اور عورت دونوں کے لئے دھونے کا حکم یکساں ہے۔ وفرجہ کی ضمیر مغتسل کی طرف لوٹ رہی ہے لہذا اختصاص کہاں باقی رہا۔

ویزیل نجسا۔ یہ شرمگاہ دھونے کے علاوہ ایک الگ سنت ہے۔ اور اس میں یہ ضروری نہیں کہ نجاست لگی ہوئی پائی ہو۔ طرابلسیؒ نے "البرہان شرح مواہب الرحمٰن" میں اور صاحب بحر وغیرہ نے بھی اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ زیلعیؒ کا شرح کنز میں یہ کہنا کہ شرمگاہ کا دھونا نجاست کے لئے ہے وہ صرف وہم اور باطل و ناقابل عمل ہے۔

ان کان النجس۔ نجس کی تفسیر اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ کان کی ضمیر نجس کی طرف لوٹ رہی ہے

علی بدنہ۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس جگہ مسنون بدن سے ازالۂ نجاست کو مقدم کرنا ہے ورنہ کپڑے پر سے ازالۂ نجاست تو وہ امر آخر ہے۔

یتوضأ۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس وضو میں سر کا مسح کرے گا۔

ثم یفیض الماء۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ وضو اور پانی بہانے کے درمیان ترتیب مسنون ہے

اس ارشاد کی بنا پر یہ ہے کہ عورت کے لئے کافی ہے جب کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہونچ جائے اور مرد پر ان کا کھولنا واجب ہے اور کہا گیا ہے کہ مردوں کی مینڈھیاں علویوں اور ترکوں کی طرح ہوں تو کھولنا واجب نہیں اور زیادہ محتاط قول یہ ہے کہ واجب ہے۔ اور مصنفؒ کا قول "ولا بلّها" ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ مینڈھیوں کو تر کرے تین مرتبہ نچوڑے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ واجب نہیں۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب گندھے ہوئے ہوں لیکن اگر کھلے ہوئے ہوں تو بالوں کے درمیان میں پانی پہونچانا واجب ہے جیسا کہ داڑھی میں مرد کے لئے کوئی دشواری نہ ہونے کی وجہ سے واجب ہے۔ اور منی کے کود کر شہوت کے ساتھ اپنی جگہ سے جدا ہونے کی صورت میں غسل واجب ہوتا ہے حتی کہ اگر بلا شہوت جدا ہو تو ہمارے احناف کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے۔

تشریح و توضیح

ای اخر کان الخ: اس باب میں تین قول ہیں (۱) مطلقاً پاؤں دھونے کو مؤخر نہ کرے یہ امام شافعیؒ کا قول ہے، بعض احناف بھی یہی فرماتے ہیں ان کا مستدل حضرت عائشہؓ کی بخاری، مسلم، نسائی اور ابوداؤد میں یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تھے جیسا کہ نماز کے لئے پورے بدن پر پانی ڈالنے سے پہلے (۲) مطلقاً مؤخر کردے ان کا مستدل بخاری ومسلم میں مروی حضرت میمونہؓ کی یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ناک میں پانی دیا اور چہرہ دھویا اور ہاتھ دھوئے اس کے بعد سر پر اور سارے بدن پر پانی بہایا پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں مبارک دھوئے (۳) صاحب خلاصہ اور بیہقیؒ کا اختیار کردہ قول یہ ہے کہ اگر ایسی جگہ غسل کیا جائے جہاں پانی ٹھہرتا ہو تو پاؤں بعد میں دھوئے اور اگر تختہ یا پتھر پر غسل کر رہا ہو کہ وہاں پانی نہ ٹھہرتا ہو تو دھونا مؤخر نہ کرے یہ سارا اختلاف اولی اور مسنون ہونے میں ہے رہا جواز تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

حکم تعلیما: یہ حکم ہر غسل کا ہے خواہ حیض کی وجہ سے ہو یا نفاس کی وجہ سے۔ جمہور فقہاء یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو جعفر غسل حیض میں یہ حکم فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے سنن دارمی میں منقول ہے کہ مینڈھیوں بلکہ عورتوں کو کل بال کھولنے میں بڑی دشواری ہے اور اسی لئے دھونے کا حکم ان سے ساقط ہے۔

یکفیہا الخ: جامع ترمذی میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں مضبوطی سے مینڈھیاں باندھنے والی عورت ہوں کیا میں انہیں غسل جنابت کے لئے کھولوں۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تیرے سر پر تین مرتبہ چلو سے پانی ڈالنا کافی ہے پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہا کر پاک ہو جاؤ۔ بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد اور نسائی میں اسی طرح روایت ہے۔

ویجب الخ: یعنی مرد پر مینڈھیوں اور گیسوؤں کا کھولنا اور سب کو دھونا واجب ہے۔

والاحوط: یعنی احتیاط والا قول وجوب کا ہے اس لئے کہ احادیث سارے بدن اور سارے بالوں کے دھونے

کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مبالغہ کے ساتھ دھونے کا حکم فرمایا اسی وجہ سے ناک میں پانی دینے اور کلی کو فرض قرار دیا گیا۔ اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی احادیث نہ ہوتیں جن سے گندھے ہوئے بالوں اور مینڈھیوں کے نہ دھونے کا رخصت عورتوں کے لئے ثابت ہوتا ہے تو عورتوں کے لئے بھی یہ فرض ہوتا۔

دھو جبلہ۔ پر ٹھنڈی کہتے ہیں کہ جس میں خروج مذی خارج بدن تک یا اس تک جو خارج بدن کے حکم میں ہو شرط ہے

حالانکہ امام شافعیؒ منی کے مطلقاً خروج کو موجب غسل فرماتے ہیں خواہ بلا شہوت ہی کیوں نہ نکلے کیونکہ حدیث مطلقاً ہے الماء من الماء یعنی غسل خروج منی سے واجب ہے۔ یہ حدیث مسلم، ابو داؤد وغیرہ میں موجود ہے۔

ثم الشهوة شرط عند الانفصال عند ابي حنيفة ومحمد ووقت الخروج عند ابي يوسف حتى اذا انفصل عن مكانه بشهوة واخذ راس العضو حتى سكنت شهوته فخرج بلا شهوة يجب الغسل عندهما لا عنده وان اغتسل قبل ان يبول ثم خرج بقية المني يجب الغسل ثانيا عندهما لا عنده ولو في نوم ولا فرق في هذا بين الرجل والمرأة وروي عن محمد في غير رواية الاصول اذا تذكرت الاحتلام والانزال والتلذذ ولم تر بللا كان عليها الغسل قال شمس الائمة الحلواني لا يؤخذ بهذه الرواية.

ترجمہ امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک منی کے اپنے مستقر سے جدا ہوتے وقت شہوت ہونا شرط ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منی کے آلہ تناسل سے جدا ہونے کے وقت شہوت ہونی شرط ہے حتیٰ کہ اگر اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہو اور آلہ تناسل کے سرے کو وہ شخص پکڑ لے یہاں تک کہ شہوت دور ہو جائے اور پھر منی بلا شہوت کے نکلے تو امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واجب نہ ہوگا۔ اور اگر پیشاب کرنے سے قبل غسل کر لیا پھر باقی منی نکلی تو دوبارہ غسل واجب ہوگا امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوبارہ غسل واجب نہ ہوگا۔ اور اگر یہ صورت نیند کی حالت میں پیش آئے تب بھی یہی حکم رہے گا۔ یہ حکم مرد اور عورت کے لئے برابر ہے۔ امام محمدؒ سے کتاب الاصول کے علاوہ روایت میں منقول ہے کہ اگر عورت کو جاگنے کے بعد احتلام اور انزال اور تلذذ یاد آئے اور بدن یا کپڑے پر تری نہ دیکھے تو اس پر غسل واجب ہوگا۔ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ اس روایت سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

تشریح وتوضیح ولو في نوم الخ۔ اگر منی نیند کی حالت میں نکلے اور جاگنے کے بعد احتلام یاد ہو اور جسم یا بستر پر تری نظر آئے تو اس پر غسل واجب نہیں۔ اور اگر احتلام یاد ہو اور تری بھی نظر آئے یا احتلام یاد نہ ہو مگر تری دیکھے تو حدیث الماء من الماء کی بنا پر غسل واجب ہوگا۔

یعنی الرجل و الدلیل پر۔ عورت کو اگر تری ملے بعد نظر آئے (خواہ احتلام یاد ہو یا نہ ہو) تو اس صورت میں غسل
واجب ہوگا۔ کیونکہ حضرت ام سلیمؓ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے
بارے میں دریافت کیا، آپ نے فرمایا اگر عورت پانی (تری) دیکھے تو اس پر غسل واجب ہوگا (ترمذی، مسلم، بخاری
وغیرہ) وکان علیہ الفتوی اس قول کو صاحب ہدایہ نے "مختارات النوازل" اور تجنیس و مزید میں اختیار کیا ہے
اس کی وجہ یہ کہی گئی ہے کہ عورت کا پانی کود کر مرد کے پانی کی طرح نہیں نکلتا، کیونکہ یہ سینہ سے نکلتا ہے، اور احادیث
سے غسل کا وجوب مطلق رویت ماء (پانی) سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خروج منی کا علم ہو خواہ
آنکھ سے اس کا مشاہدہ ہو یا کسی اور طرح، لیکن اگر خروج کا علم نہ ہو تو غسل کے واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں
اسی وجہ سے اس صورت میں شمس الائمہ حلوانی نے روایت وجوب کو رد کرتے ہوئے عدم وجوب کو اختیار کیا ہے

وغیبة حشفة فی قبل او دبر علی الفاعل والمفعول به وبرؤیة المستیقظ المنی او المذی وان
لم یحتلم اما فی المنی فظاهر واما فی المذی فلاحتمال کونه منیا رق بحرارة البدن وفیه
خلاف لابی یوسفؒ وبانقطاع الحیض والنفاس لقوله تعالی ولا تقربوهن حتی یطهرن علی
قراءة التشدید

ترجمہ اور حشفہ (آلۂ تناسل کے اگلے حصہ) کے قبل (پیشاب گاہ) یا پاخانہ کے راستہ میں غائب ہونے سے فاعل
(کرنے والے) اور مفعول (کئے گئے) دونوں پر غسل واجب ہوگا۔ اور نیند سے بیدار ہونے والا شخص منی یا مذی
دیکھے اگرچہ احتلام نہ ہو تو غسل کا وجوب ہوگا۔ منی کا حکم ظاہر ہے اور مذی میں اس احتمال کی وجہ سے غسل واجب
ہوگا کہ یہی حرارت بدن کی وجہ سے رقیق (پتلی) منی نہ ہو۔ مذی نکلنے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف
ہے اور حیض و نفاس کے ختم ہونے پر غسل کا وجوب ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے "ولا تقربوهن حتی یطهرن" یا تشدید
قراءت کی بنا پر۔

تشریح و توضیح الغیبۃ: بالفتح مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے غاب الشیء، جب کوئی چیز چھپ جائے۔
حشفہ آلۂ تناسل کے اگلے حصہ ختنہ کی جگہ تک کہتے ہیں۔ قبل، ق کے ضمہ کے ساتھ عورت
کی شرمگاہ کو کہتے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفس ادخال موجب غسل ہے خواہ انزال
ہو یا نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب دونوں شرمگاہیں مل جائیں اور حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہوگا
خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ (طبرانی وغیرہ) بخاری و مسلم اور سنن میں اسی طرح مروی ہے۔ حشفہ سے مراد آدمی اور جن
کا حشفہ ہے پس اگر کوئی کسی جانور کی شرمگاہ میں دخول کرے تو تاوقتیکہ انزال نہ ہو غسل واجب نہ ہوگا۔ "نہایہ"
میں اسی کی صراحت ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی جنیہ سے صحبت کی تو جنیہ پر غسل واجب ہوگا۔ "آکام المرجان فی احکام الجان" میں اسی کی

پس جب کافر جنبی اسلام قبول کرے تو اس کی جنابت باقی و برقرار رہے گی لہٰذا اس پر غسل واجب ہوگا اور غسل حیض تو اس کا سبب انقطاع دم ہے اور وہ باقی نہ رہنے والا امر ہے تو بحالت کفر اس کے پائے جانے کی صورت میں اسلام لانے کے وقت تک اس کا اثر برقرار نہ رہے گا لہٰذا اسلام قبول کرنے کے بعد غسل واجب نہ ہوگا کیونکہ کفار فروع نماز، روزہ و غسل جنابت وغیرہ کے مخاطب ہی نہیں۔

لا وطئ بهيمة بلا انزال وسن للجمعة والعيدين والاحرام وعرفة فغسل الجمعة سن للصلوة الجمعة وهو الصحيح ويجوز الوضوء بماء السماء والارض كالمطر والعين وماء الثلج فان كان ذائبا بحيث يتقاطر يجوز والا فلا وان تغير بطول المكث او غير احد اوصافه اي الطعم واللون والريح شيء طاهر كالتراب والاشنان والصابون والزعفران۔

ترجمہ | جانور سے صحبت کرنے پر بلا انزال غسل واجب نہ ہوگا۔ غسل جمعہ اور عیدین اور احرام کے لئے اور عرفہ کے دن مسنون ہے پس غسل جمعہ نماز جمعہ کے واسطے مسنون ہے اور یہی صحیح ہے، وضو بارش کے پانی سے اور زمین کے پانی مثلاً بارش اور چشمے کے پانی سے جائز ہے۔ اور برف کے پانی اگر پگھل کر بہا ہو کر قطرہ قطرہ ٹپکتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ اور اگرچہ زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے اس میں تغیر آگیا ہو یا اس کے اوصاف یعنی ذائقہ یا رنگ یا بو میں سے کسی میں تغیر آگیا ہو کسی پاک چیز مثلاً مٹی اور اشنان گھاس اور صابن و زعفران کے ملنے کی وجہ سے تب بھی وضو جائز ہوگا۔

تشریح و توضیح | وسن الخ غسل واجب کے ذکر سے فارغ ہونے کے بعد مسنون غسل کا بیان شروع ہوا۔ جمعہ کے لئے غسل سنت مؤکدہ ہے، اصل اس بارے میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ و عرفہ کے دن غسل فرماتے تھے۔ (احمد، طبرانی وغیرہ) اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لئے غسل فرمایا۔

ھو الصحیح۔ حدیث میں ہے کہ جب جمعہ کا دن آئے تو غسل کرنا چاہیے۔ (بخاری، ترمذی وغیرہ)

الوضوء۔ غسل اور کپڑے اور بدن سے نجاست کے دھونے کے ذکر کے بجائے صرف وضو کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ اس کا وقوع بکثرت ہے اور اس کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

والعین یعنی خواہ چشمہ بہتا ہو یا ٹھہرا ہوا، مثلاً کنوئیں کا پانی سب کا حکم یکساں ہوگا۔

والا فلا یعنی اگر بہنے والا نہ ہو بلکہ جمع ہو تو وضو جائز نہ ہوگا کیونکہ تقاطر تو نجاست حکمیہ اور حقیقیہ کے ازالہ کے لئے ضروری ہے جو نہیں پایا گیا۔

احد اوصافہ۔ یہ قید اتفاقی ہے اس لئے کہ اگر اوصاف ثلاثہ میں بھی اشنان، صابن یا رنگ ٹھہرنے کی

یا پتوں کی وجہ سے تغیر ہو جائے مگر مائیت اس کی بدستور باقی رہے۔ تب بھی صحیح قول کے مطابق اس سے وضو جائز ہو گیا۔ (تبیان، بنایہ، جامع مضمرات)

انما علق هذه الاشياء ليعلم ان الحكم لا يختلف بان كان المخلوط من جنس الارض كالتراب او شيئا يقصد بخلطه التطهير كالاشنان والصابون او شيئا آخر كالزعفران

ترجمہ یہ چیزیں اس لئے گنائی گئیں کہ پاکی حاصل کرنے کا حکم نہیں بدلتا خواہ پانی میں ملنے والی چیز زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی یا ایسی چیز ہو کہ اس کے پانی میں ملنے سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ ہو جیسے اشنان اور صابون یا کوئی اور چیز ہو جیسے زعفران۔

وعند ابی یوسف رح ان کان المخلوط شيئاً يقصد به التطهير يجوز به الوضوء الا ان يغلب على الماء حتى يزول طبعه وهو الرقة والسيلان وان كان شيئا لا يقصد به التطهر ففي رواية يشترط لعدم جواز التوضي به غلبته على الماء وفي رواية لا يشترط وما ليس من جنس الارض فيه خلاف الشافعي رح

ترجمہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ایسی چیز مل جائے جس سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ کیا گیا ہو تو اس سے وضو جائز ہے، لیکن اگر یہ مخلوط پانی کی طبیعت یعنی رقت اور سیلان پر غالب آکر رقت وسیلان ختم کر دے تو وضو جائز نہ ہو گا، اور اگر مخلوط چیز ایسی ہو کہ اس سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ نہ کیا گیا ہو تو ایک روایت میں غلبہ شرط ہے یعنی اگر وہ پانی پر غالب آ جائے تو وضو جائز نہیں اور غالب نہ آئے تو جائز ہے اور ایک روایت کے اندر غلبہ شرط نہیں بلکہ ہر صورت وضو ناجائز ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر پانی میں ملنے والی چیز زمین کی جنس سے نہ ہو تو خواہ غالب نہ ہو مگر اس سے وضو جائز نہیں۔

تشریح و توضیح وعند ابی یوسف رح۔ امام ابو یوسفؒ کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز پانی میں مل جائے جس سے کہ پانی کی تطہیر کا ارادہ کیا ہو تو اس کا پانی میں مل جانا معتبر ہو گا البتہ اگر اس سے زیادہ مقدار میں مل جانے سے مائیت ہی سرے سے کافور ہو جائے اور مار کا اطلاق ہی اس پر نہ کیا جا سکتا ہو تو وضو جائز نہ رہے گا۔ اور اگر اس سے تطہیر کا مقصد نہ ہو تو اس بارے میں امام ابو یوسفؒ سے دو قسم کی روایتیں ہیں، ایک روایت کی رو سے اس چیز کے غالب آنے پر اس سے وضو جائز نہ رہے گا اور عدم غلبہ کی صورت میں جائز رہے گا اور ایک روایت کی رو سے وضو مطلقاً جائز نہ ہو گا۔

میں ناجائز ہے۔

تشریح و توضیح

نجس الخ جیم کے فتحہ کے ساتھ یعنی جاری پانی میں اگر نجاست گر گئی اور اس کا اثر ظاہر نہیں ہوا تو اس پانی سے وضو جائز ہے خواہ پانی میں مردار پڑا ہو یا کوئی اور چیز ہو لہذا اگر کوئی شخص پانی میں پیشاب کر دے اور دوسرا اس کے قریب جگہ سے وضو کرے تو جائز ہے بشرطیکہ جاری پانی میں اس کا اثر ظاہر نہ ہوا ہو۔ (بحر الرائق)

لم یر اثرہ الخ یہ نجس کی صفت ہے یعنی اس پانی میں نجاست کے اثر کا علم نہ ہو۔ یہاں رویت سے مراد علم و واقفیت ہے۔

اختلفوا یعنی فقہاء کا جاری پانی کی تعریف میں اختلاف ہے کہ جاری کسے کہتے ہیں اور جاری کی مقدار کیا ہے بعض کے نزدیک جاری وہ ہے کہ وہ دوسرے چلو سے پہلے نجاست بہا لے جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جاری یہ ہے کہ اگر آدمی اپنا ہاتھ اس کی چوڑائی میں رکھے تو پانی منقطع نہ ہو اور نہ رکے۔ اور بعض کے نزدیک باعتبار عرف جسے جاری سمجھیں بس وہ جاری ہے۔ تاتارخانیہ میں اسی طرح ہے۔ اور صاحب غایۃ البیان اور بنایہ و بدائع و بحر وغیرہ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

یجب الخ اس حکم سے ماء مستعمل کا نجس ہونا معلوم ہو رہا ہے مگر مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ وہ طاہر غیر مطہر ہے۔ پس یہ وضو نہ کرنے کا حکم اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ مستعمل پانی کے غالب یا زیادہ ہونے کا گمان ہو لیکن اگر مستعمل پانی غالب نہ ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (فتح القدیر)

واعلم انه اذا انتن الماء فان علم ان نتنه للنجاسة لا یجوز والا یجوز حملا على ان نتنه بطول المکث واذا سد کلب عرض النهر یجری الماء فوقه ان کان ما یلاقی الکلب اقل مما لا یلاقیه یجوز الوضوء فی الاسفل والا لا قال الفقیه ابوجعفر علی هذا ادرکت مشائخی وعن ابی یوسف رح لا باس بالوضوء به اذا لم یتغیر احد اوصافه۔

ترجمہ اور واضح رہے کہ پانی اگر بدبودار ہو اور یہ معلوم ہو کہ بدبو نجاست کے باعث ہے تو وضو جائز نہیں اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو وضو جائز ہے کیونکہ یہ سمجھا جائے گا کہ پانی کے زیادہ رکنے کی وجہ سے وہ بدبودار ہو گیا اگر مرا ہوا کتا نہر کی چوڑائی میں پڑا ہو اور اس کے اوپر پانی بہہ رہا ہو اگر اس سے مل کر بہنے والا پانی اس کو نہ لگ کر بہنے والے پانی سے کم ہو تو جہاں کتا پڑا ہوا ہے اس کے نشیب میں وضو کرنا جائز ہوگا اور اگر اس پر سے بہنے والا پانی نہ بہنے والے سے زیادہ مقدار میں ہو تو وضو جائز نہ ہوگا۔ فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں میں نے اپنے اساتذہ کو اسی پر کاربند دیکھا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے گرنے سے پانی کے

اوصاف میں سے کسی وصف میں تبدیلی نہ ہوئی ہو تو وضو جائز ہے۔

تشریح و توضیح فان علمہ الخ۔ یعنی اگر مسلمان عادل شخص کے خبر دینے سے یہ معلوم ہو کہ بدبو نجاست کے باعث ہے یا علامت کے ذریعہ یقین اور ظن غالب ہو جائے تو یہی سمجھا جائے گا کہ بدبو نجاست کی وجہ سے ہے اور اس سے وضو کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر یقین و عدم یقین کا درجہ برابر کا ہو تو وضو جائز ہوگا مگر احتیاط یہ ہے کہ وضو نہ کرے۔ ابن کمال نے ایضاح میں تحفہ اور بدائع سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

واذا اشکل غلب الخ۔ یعنی اکثر کا اعتبار ہے۔ اگر اکثر پانی نجس ہو تو وضو جائز نہ ہوگا۔

وعن ابی یوسفؒ۔ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اسی کو ترجیح دی ہے کہ وضو اس پانی سے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جاری پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اگرچہ مردار سے لگ کر آنے والا پانی اکثر ہو لیکن اس کی وجہ سے پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف نہ بدلے تو وضو جائز رہے گا۔ ابن امیر حاجؒ نے حلیہ میں اسی قول کو پسند کیا ہے۔ اور صاحب طریقہ محمدیہ کہتے ہیں کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

وبما مات فيه حيوان مائي المولد كالسمك والضفدع بكسر الدال وانما قال مائي المولد حتى لو كان مولده في غير الماء وهو يعيش في الماء يفسد الماء بموته فيه وما ليس له دم سائل كالبق والذباب لان النجس هو الدم المسفوح كما ذكرنا ولحديث وقوع الذباب في الطعام وفيه خلاف الشافعيؒ لا بما اعتصر الرواية بقصره من شجر او ثمر اما ما يقطر من الشجر فيجوز به الوضوء ولا بما ازال طبعه بغلبة غيره اجزاءً المراد به ان يخرجه من طبع الماء وهو الرقة والسيلان او بالطبخ كالاشربة والخل نظير ما اعتصر من الشجر والثمر

ترجمہ اور اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں پانی ہی میں پیدا شدہ جانور مر جائے مثلاً مچھلی اور مینڈک — الضفدع - دال کے زیر کے ساتھ۔ پانی میں پیدا شدہ کی قید اس لئے لگائی کہ اگر جانور پانی میں پیدا شدہ نہ ہو اور وہ پانی میں رہتا ہو پھر وہ مر جائے تو اس کے مرنے سے پانی خراب (ونا پاک) ہو جائے گا یا ایسے جانور کے پانی میں مرنے پر بھی وضو جائز ہے جس میں بہنے والا خون نہ ہو مثلاً مچھر اور مکھی۔ کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے بہنے والا خون نجس ہے اور حدیث مکھی کے کھانے میں گر جانے سے متعلق ہے۔ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ اس پانی سے وضو جائز نہیں جو نچوڑا گیا ہو (یہ روایت مصنفؒ سے منقول ہے) خواہ درخت سے یا پھل سے۔ لیکن وہ پانی جو درخت سے قطرہ قطرہ ٹپکتا ہو اس سے وضو جائز ہے۔ اور نہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس کی طبیعت (رقت و سیلان) دوسری چیز کے غالب آ جانے یا پکنے کی وجہ سے زائل ہو گئی ہو

8/2

مثلاً شربت ریباس اور سرکہ، یہ مثال ہے اس چیز کی جو درخت یا پھل سے نچوڑی جائے۔

تشریح و توضیح وبماء جمد الخ یعنی پانی کے جانور کے پانی میں مرنے کے باوجود وہ پاک ہے۔ موت فی نفسہ ناپاک کرنے والی نہیں، رہا پانی کی ناپاکی کا حکم تو وہ اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ رگوں میں سرایت کیا ہوا ناپاک خون مرنے کے بعد سارے بدن میں مل جاتا ہے۔ اور پانی کے جانوروں میں سرے سے خون نہیں ہوتا، اور دموی کا جانور پانی کی طبیعت و مزاج کے منافی ہونے کی وجہ سے پانی میں ٹھہر نہیں سکتا۔ مچھلی میں جو رطوبت برنگ خون نظر آتی ہے وہ درحقیقت خون نہیں، کیونکہ خون دھوپ میں سیاہ پڑ جاتا ہے اور یہ رطوبت سفید ہو جاتی ہے۔

والضفدع، فارسی میں اسے "غوک" کہتے ہیں۔ اس کی بہت سی قسمیں علامہ دمیری نے "حیوٰۃ الحیوان" میں بیان کی ہیں۔

وقوع الذباب فی الطعام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مکھی کھانے میں گر جائے تو اسے ڈبو دو کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہوتی ہے اور وہ پہلے وہی پر ڈالتی ہے جس میں بیماری ہوتی ہے (بخاری، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان وغیرہ) یہ حکم حدیث غیر دموی جانوروں کے لئے نظیر ہے۔ وفیہ خلاف الشافعی یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک پانی نجس ہو جاتا ہے۔ لا بماء اعتصر، یعنی درخت یا پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے ماء مطلق نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

فیجوز به الوضوء یعنی اس کے خود بخود نکلنے کی وجہ سے اس سے وضو جائز ہے۔ صاحب ہدایہ، بیہقی اور مستصفی وغیرہ کا راجح و پسندیدہ قول یہی ہے اور صاحب بحر، خزانۃ المفتین، درر، ایضاح، اور شیخ الغفار وغیرہ کے نزدیک اس پانی کے مقید ہونے کی وجہ سے اس سے وضو جائز نہیں۔

کالاشربۃ: اس سے مراد درخت اور پھلوں کے عرق ہیں، مثلاً عرق انار اور سیب کا عرق۔

فشراب الریباس معتصر من الشجر وشراب التفاح ونحوه معتصر من الثمر وماء الباقلی نظیر ما غلب علیه غیره اجزاءً والمرق نظیر ما غلب علیه غیره بالطبخ واما الماء الذی تغیر بکثرة الاوراق الواقعة فیه حتی اذا رفع فی الکف یظهر فیه لون الاوراق فلا یجوز به الوضوء لانه کماء الباقلی ولا بماء راکد وقع فیه نجس الا اذا کان عشرة اذرع فی عشرة اذرع ولا ینحسر ارضه بالغرف فحکمه حکم الجاری۔

ترجمہ پس ریباس کے درخت کا عرق اور سیب کا عرق اور ان کے مانند جو پھل سے نچوڑا ہوا ہو اور لوبیا کا پانی، یہ اس پانی کی نظیر ہے جس پر دوسرے اجزا غالب آ گئے ہوں اور شوربہ، یہ اس کی نظیر ہے

اور نجاست آنے والی ہونے کی صورت میں جس طرف سے چاہے وضو کرے۔ اسی طرح مستعمل پانی کی جگہ سے بھی وضو کرے۔ محی السنۃ فرماتے ہیں کہ دہ در دہ کی مقدار اصل شرعی کی طرف نہیں لوٹتی کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے میں کہتا ہوں اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ بڑا تالاب کہ جس کا ایک کنارہ دوسرے کنارہ کے ہلانے سے متحرک نہ ہو اگر اس کے کسی طرف نجاست گر جائے تو دوسری جانب سے وضو کرنا جائز ہے۔ پھر اس کی مقدار دہ در دہ سے بیان کی گئی۔ دہ در دہ کا مستدل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص کنواں کھودے تو اس کے لئے کنوئیں کے ارد گرد چالیس ہاتھ کا حق ہے پس اس کنوئیں کے لئے ہر جانب سے دس ہاتھ روک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرا شخص اس دس ہاتھ کے احاطہ میں کنواں کھودنے کا ارادہ کرے تو اسے اس سے روکا جائے گا کیونکہ اس صورت میں پہلے کنوئیں کا پانی دوسرے کی طرف کھنچ کر کم ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص اسی احاطہ کے اندر گڑھا کھودنا چاہے نجاسات ڈالنے کے لئے تو اسے بھی منع کریں گے کیونکہ اس صورت میں نجاست اس پہلے کنوئیں تک پہونچ کر پانی کو ناپاک کر دے گی۔ اور دہ در دہ کے علاوہ میں نہیں روکیں گے۔

تشریح و توضیح

ولکن من موضع غسلتہ الخ یہ اجمالی حکم ہے اس کی مفصل تفصیل عبارت میں ہے۔

محی السنۃ: اس سے مراد ابو محمد حسین ابن مسعود البغوی مؤلف شرح السنۃ ومصابیح السنۃ ومعالم التنزیل وغیرہ ہیں۔ مقدمہ میں ان کی مختصر سوانح اور ان کا اجمالی ذکر کیا جا چکا۔

دانا اقول الخ مقصود یہ ہے کہ اس مقدار کی شرعی اصل موجود ہے لہذا محی السنۃ کا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ اس کی کوئی اصل شرعی نہیں ہے۔

من حفر بیرا الخ یہ حدیث ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے اور طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ سے اور کتاب الخراج القاضی ابو یوسفؒ میں حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً مروی ہے۔

فعلم من ھذا الخ اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ کنوئیں کے مخصوص احاطہ کے اندر کوئی تعمیر کرنا یا کاشت کرنا چاہے تو کنوئیں والے کو روکنے کا حق حاصل ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

فعلم الخ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث مذکور سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے کنوئیں کے دس ہاتھ کے احاطہ میں پانی کا یا نجاست ڈالنے کا گڑھا کھودنا چاہے تو یہ جائز نہیں۔ یہ ممانعت پانی یا نجاست کے سرایت کرنے کی بنا پر ہے معلوم ہوا کہ شرعاً یہ دس ہاتھ کی معین مقدار سرایت اور عدم سرایت کی بنیاد ہے۔

فعلم ان الشرع اعتبر العشر فی عدم سرایۃ النجاسۃ حتی لو کانت النجاسۃ تسری یحکم بالمنع ثم المتاخرون لو سعوا الامر علی الناس وجوزوا الوضوء فی جمیع جوانبہ

ترجمہ پس معلوم ہوا کہ دہ دردہ کا اعتبار نجاست کے سرایت نہ کرنے کی صورت میں ہے۔ حتیٰ کہ اگر دہ دردہ ہونے کے باوجود نجاست سرایت کرے تو نجس کرنے کا حکم ہوگا۔ پھر متاخرین فقہاء نے لوگوں کے لئے گنجائش وسہولت فراہم کرتے ہوئے ہر طرف سے وضو کے جواز کا حکم دیا۔ یعنی چاہے وہ نجاست کی جانب ہو یا دوسری۔

ولا بماء استعمل لقربة او رفع حدث اعلم ان في الماء المستعمل اختلافات الاول في انه بأي شيء يصير مستعملا فعند ابي حنيفةؒ وابي يوسفؒ بازالة الحدث وايضا بنية القربة فاذا توضأ المحدث وضوءا غير منوي يصير مستعملا ولو توضأ غير المحدث وضوءا يصير مستعملا ايضا وعند محمدؒ بالثاني فقط وعند الشافعيؒ بازالة الحدث لكن ازالة الحدث لا يتحقق الا بنية القربة عنده بناء على اشتراط النية في الوضوء والاختلاف الثاني في انه متى يصير مستعملا ففي الهداية انه كما زال عن العضو صار مستعملا والاختلاف الثالث في حكمه فعند ابي حنيفةؒ هو نجس نجاسة غليظة وعند ابي يوسفؒ نجس نجاسة خفيفة وعند محمدؒ طاهر غير طهور وعند مالكؒ والشافعيؒ في قوله القديم هو طاهر طهور

ترجمہ اور اس پانی سے وضو جائز نہیں جو قربت (عبادت) یا رفع حدث کے لئے استعمال کیا گیا ہو۔ واضح رہے کہ مستعمل پانی میں فقہاء کا اختلاف ہے (۱) اول یہ کہ کون سی چیز پانی کو مستعمل بنادیتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک قربت (عبادت) کی نیت یا ازالہ حدث کے لئے استعمال کرنے سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے پس اگر بے وضو شخص بلا نیت بھی وضو کرے تو پانی مستعمل ہو جائے گا اور اگر باوضو شخص بہ نیت وضو دوبارہ وضو کرے تب بھی پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک محض نیت عبادت سے پانی مستعمل ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ازالہ حدث سے پانی مستعمل ہوگا لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک ازالہ حدث نیت قربت (عبادت) کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اس بنا پر کہ ان کے نزدیک وضو میں نیت شرط و فرض ہے۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ پانی کب مستعمل ہوتا ہے تو ہدایہ میں ہے کہ عضو سے جدا ہوتے ہی پانی مستعمل ہو جاتا ہے تیسرا اختلاف اس کے حکم کے بارے میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ نجس نجاست غلیظہ ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ نجس نجاست خفیفہ ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ خود پاک ہے مگر پاک کرنے کی صلاحیت نہیں۔ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قدیم قول کے مطابق وہ خود بھی پاک ہے اور اس میں پاک کرنے کی صلاحیت بھی ہے۔

تشریح و توضیح یعنی ایسے پانی سے جو مستعمل ہو وضو جائز ہے اور نہ غسل کیونکہ دو وجہ سے اس کی پاک کرنے کی صلاحیت ختم ہو گئی۔ ایک تو قربت یعنی ایسے عمل کی وجہ سے جس کے کرنے میں ثواب ملتا ہے

اگرچہ وہ نیت پر موقوف نہ ہو۔ اور طاعت سے مراد وہ فعل ہے جس پر ثواب ملے خواہ اس میں نیت ضروری ہو یا نہ ہو جیسے پانچوں نمازیں اور روزہ وغیرہ قربات اور طاعات وعبادات ہیں۔ اور قراءت وتلاوت قرآن قربت اور طاعت ہے اور طاعت ہے عبادت نہیں "حموی" کے الاشباہ کے حواشی میں اسی طرح ہے حاصل یہ کہ جو پانی حصول ثواب کی غرض سے استعمال کیا گیا خواہ اس سے رفع حدث بھی مقصود ہو جیسے محدث کو دور کرنے کے لئے یا رفع حدث کے لئے نہ ہو مثلاً وضو پر وضو، اس مستعمل پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں دوسرے یہ کہ پانی رفع حدث کی غرض سے مستعمل ہو خواہ اس سے مقصود قربت بھی ہو مثلاً وضو جس کی نیت کی گئی ہو یا مقصود قربت نہ ہو جیسے وضو بلا نیت۔ اس سے واضح ہوا کہ نسبت قربت کے لئے استعمال کرنے اور رفع حدث کے لئے استعمال کرنے کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی ہے۔

ما ازالة الحدث یعنی نجاست غیر حقیقیہ کے زائل کرنے کے لئے۔ رہا نجاسات حقیقیہ میں استعمال ہونے والا پانی مثلاً استنجے کا پانی اور نجس کپڑے کا نچوڑا ہوا پانی وہ بالاتفاق نجس ہے۔ (فتح)

وعند الشافعیؒ یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک محض قربت کی وجہ سے پانی میں کوئی خرابی نہیں آئے گی مستعمل نہیں ہوگا حتیٰ کہ محض نیت تقرب کا مال پر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا اور نفلی صدقہ دینا ہاشمی وسید کو جائز ہوتا ہے۔

والاختلاف الثانی الخ یعنی اس میں اختلاف ہے کہ پانی مستعمل کب شمار ہوگا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے بدن سے زائل ہونے اور ایک جگہ ٹھہرنے پر مستعمل ہو جائے گا۔ مشائخ بلخ، طحاوی، ظہیر المرغینانی، الصدر الشہید اور فخر الاسلام کا اختیار کردہ قول یہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ وضو میں عضو سے الگ ہوتے ہی اور غسل میں سارے جسم سے الگ ہوتے ہی پانی مستعمل ہو جائے گا۔ صاحب ہدایہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے

فعند الخ امام ابوحنیفہؒ سے اس بارے میں تین قسم کی روایات ہیں۔ ایک یہ کہ نجس مغلظ ہے یہ روایت امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیاد منقول ہے۔ یہ اس پر قیاس کرتے ہوئے کہ صدقہ کا مال اگرچہ پاک ہے مگر بنی ہاشم، سادات پر حرام ہے۔ اور احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ پانی کے ساتھ خطائیں وگناہ نکلتے ہیں دوسرا قول نجاست خفیفہ کا ہے۔ یہ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے۔ اور یہ حکم عموم بلویٰ کی بناء پر ہے۔ تیسرا قول یہ کہ طاہر ہے یہ امام محمدؒ سے منقول ہے اور مفتی بہ یہی قول ہے۔

ونحن نقول لو كان طاهرا مطهرا لجاز في السفر الوضوء به ثم الشرب منه ولم ينقل الحدث بذلك وكل اهاب دبغ فقد طهر الا جلد الخنزير والآدمي، اعلم ان الدباغة هي ازالة النتن والرطوبات النجسة من الجلد فان كانت بالادوية كالقرظ ونحوه يطهر الجلد ولا يعود نجاسته ابدا وان كانت بالتراب او بالشمس يطهر اذا يبس ثم ان اصابه

الماء هل يعود نجسا ففى ابى حنيفة روايتان وعن ابى يوسف انه يصلى بالتمرى يتيمم لو تراه لم يغسله كان دباغا وعن محمد جلد الميتة اذا يبس ووقع فى الماء لم ينجس من غير فصل والصحيح فى نافجة المسك جواز الصلوٰة معها من غير فصل

ترجمہ اور ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ خود پاک ہو اور اس میں پاک کرنے کی صلاحیت بھی ہو تو اس سے دوران سفر وضو جائز ہونا چاہئے اور پینا اس کا درست ہونا چاہیئے۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ اور ہر وہ کھال جو دباغت دیدی جائے تو وہ پاک ہے مگر خنزیر اور آدمی کی کھال دباغت کے بعد بھی ناپاک ہے۔ دباغ رہنے دو۔ تحت جلد کی بدبو اور ناپاک رطوبات کے زائل ہونے کا نام ہے۔ لہذا اگر یہ نجاست دواؤں مثلاً قرظ وغیرہ دوا کے ذریعہ دور کی گئی ہو تو اس سے جلد (کھال) اس طرح دور ہو جاتی ہے کہ پھر کبھی نجاست لوٹ کر نہیں آتی، اور اگر مٹی لگایا دھوپ میں سکھا کر دور کی گئی ہو تو وہ خشک ہونے پر پاک ہو جاتی ہے۔ پھر اگر وہ پانی میں بھیگ جائے تو نجاست لوٹے گی۔ اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ سے منقول ہے کہ اگر دھوپ میں ایسی سوکھ گئی ہو کہ اگر چھوڑ دی جائے تو نہ سڑے تو یہ دباغت (میں) ہو جائے گی اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ مردار کی کھال اگر سوکھنے کے بعد پانی میں گر سے تو وہ مطلقاً (بلا کسی قید) ناپاک نہ ہوگی اور درست قول کے نافہ مشک لئے ہوئے اگر کوئی نماز پڑھے تو بلا کسی قید و فرق کے نماز جائز ہوگی۔

تشریح و توضیح ونحن نقول الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ماء مستعمل فی نفسہ طاہر و مطہر ہو تو سفر میں اس سے وضو اور پینا جائز ہونا چاہیئے حالانکہ اس کی اجازت کوئی نہیں دیتا بلکہ پیاس کی شدت کے وقت موجود تھوڑے سے پانی کو وضو کے لئے استعمال نہ کرے اور تیمم کی اجازت دی گئی۔

وکل اھاب دبغ۔ یہ مسئلہ تطہیر انجاس سے متعلق ہے۔ یہاں وضو اور غسل اور ان کے مسئلہ کے درمیان مناسبت کی وجہ سے اس کا ذکر کر دیا۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ پانی جو دباغت شدہ چمڑے کے برتن میں رکھا ہوا ہو وہ پاک ہے۔ اور اس کی بھی نشان دہی ہے کہ یہ حکم عام اور ہر جلد کا ہے خواہ ماکول اللحم جانور کی ہو یا غیر ماکول اللحم کی۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس کھال کو دباغت دیدی گئی وہ پاک ہو گئی (ترمذی، ابن ماجہ، مسلم، ابوداؤد) ترمذی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

والا جلد الخنزیر۔ اس استثناء سے اشارہ ہے کہ کتے کی کھال بھی دباغت کے بعد نجس العین نہ ہونے کی وجہ سے پاک ہے۔ اسی قول کو صاحب ہدایہ، غایۃ البیان اور عنایہ نے اختیار کیا ہے۔

اور یہاں آدمی سے پہلے خنزیر کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ یہ موقعہ اہانت ہے اور یہاں تو محترم ناہی مؤخر کی اور سبب تغلیظ ہے۔ اور خنزیر کی کھال پاک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نجس العین ہے اور نجاست عینیہ دباغت سے بھی زائل نہیں ہوتی۔

وان ذکی، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خنزیر کی کھال دباغت کے باوجود پاک نہیں ہوتی اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ دباغت کا اثر قبول کرتی ہے یا نہیں۔ بعض کے نزدیک وہ دباغت کا اثر ہی قبول نہیں کرتی اور بعض کے نزدیک اثر تو قبول کرتی ہے مگر پاک نہیں ہوتی۔ اسی طرح کا اختلاف آدمی کی کھال کے بارے میں ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ آدمی کی کھال باریک و لطیف ہونے کی وجہ سے اثر دباغت قبول نہیں کرتی اور اس کا کھینچنا ممکن نہیں۔ اور بعض کے نزدیک قبول کرتی ہے اور اس پر سب متفق ہیں کہ اگر دباغت دے دی جائے تو پاک ہوگی مگر احتراماً اور اکراماً اس کا استعمال کرنا اور دباغت دینا حرام ہے۔

ھی ازالۃ: مطلقاً بول کر اس کی طرف اشارہ ہے کہ خواہ دباغت دینے والا مسلمان ہو یا کافر، بچہ یا پاگل یا عورت سب کا حکم یکساں ہوگا۔ (زیادات السراج)

فان کان بالتشمیس ... : مصنف اشارہ دے رہے ہیں کہ دباغت کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقیہ وہ تو یہ ہے کہ رطوبات دوا ڈال کر ... دور کی جائیں جیسے پھٹکری اور عفص و قرظ کے ذریعہ دور کی جائیں (۲) حکمیہ وہ یہ کہ چمڑا دھوپ میں ڈال کر اس کی بو اور رطوبت خشک کر دی جائے یا مٹی لگا کر ہوا میں ڈال دیں۔

روایتان: ایک روایت کی رو سے نجس رطوبت کے لوٹنے کی وجہ سے ناپاکی کا حکم ہوگا۔ اور ایک کے اعتبار سے نجس نہیں ہوگا کیونکہ یہ پیدا شدہ تری وہ تری نہیں جو پہلے ختم ہو چکی۔ اس کا نظیر زمین ہے کہ جب کے خشک ہونے کے بعد اگر پانی سے بھیگ جائے تو ایک روایت کی رو سے اس کی نجاست لوٹ آئے گی۔ اور ایک روایت کی رو سے نہیں لوٹے گی۔ نجاست نہ لوٹنے والی روایت راجح ہے۔

والصحیح: مشک ایک معروف و مشہور و ضرب المثل خوشبو ہے۔ اس کی حقیقت ہرن کی ناف میں جما ہوا منجمد خون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ناف کو مشک کا معدن و مخزن بنا دیا۔ یہ بہر صورت پاک ہے۔

وما طهر جلده بالدبغ يطهر بالذكاة وكذا لحمه وإن لم يؤكل وما لا فلا أي ما لم يطهر جلده بالدبغ لا يطهر بالذكاة والمراد بالذكاة أن يذبح المسلم أو الكتابي من غير أن يترك التسمية عامداً أو شعر الميتة وعظمها وعصبها وحافرها وقرنها وشعر الإنسان وعظمه طاهر ويجوز صلوٰة من أعاد سنه إلى فمه وإن جاوز قدر الدرهم عند أبي يوسف رحمه الله في هذه المسألة بالكراهة فصنفت لما مر أن السن عظم وقد ذكرنا أن العظم طاهر فمكان الاختلاف فيه أنه إذا كان أكثر من قدر الدرهم لا يجوز الصلوٰة عند محمد

ترجمہ | اور جس کی کھال دباغت سے پاک ہوتی ہے اس کی کھال اور گوشت بھی ذبح سے پاک ہو جاتے ہیں اگرچہ اس کا گوشت (بوجہ حرمت کے) نہ کھایا جاتا ہو۔ اور جس کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوگی

في الماء ونجس تنزح بمائتي دلو إلى ثلثمائة وفي نحو حمامة ودجاجة ماتت فيها أربعون إلى ستين وفي نحو فأرة أو عصفورة عشرون إلى ثلثين والمعتبر الدلو الوسط وما زاد احتسب به ونجسها البئر من وقت الوقوع إن علم ذلك وإلا فمنذ يوم وليلة إن لم ينتفخ ومنذ ثلثة أيام ولياليها إن انتفخ أو تفسخ وقالا منذ وجد وسؤر الآدمي والفرس وكل ما يؤكل لحمه طاهر

ترجمہ وہ کنواں جس میں نجاست گر جائے یا کوئی جانور گر کر پھول یا پھٹ جائے یا کوئی آدمی یا بکری یا کتا مرجائے تو اگر سارا پانی نکالنا ممکن ہو سارا نکالا جائے گا اور اگر ممکن نہ ہو تو اندازہ لگایا جائے زیادہ صحیح قول کے مطابق ایسے دو آدمیوں کا قول معتبر ہوگا جنہیں پانی سے متعلق بصیرت ہو اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دو سو سے تین سو ڈول تک نکالیں گے۔ اور مثلاً کبوتر یا مرغی گر کر مرجائے تو چالیس سے ساٹھ تک ڈول نکالیں گے اور مثلاً چوہا یا چڑیا مرجائے تو بیس سے تیس تک نکالے جائیں گے۔ اور متوسط درجہ کا ڈول معتبر ہے۔ اور جو اس سے بڑا ہو اس کا حساب لگالیں گے۔ اور کنواں نجاست کے گرنے کے وقت سے ناپاک ہوگا بشرطیکہ گرنے کے وقت کا علم ہو اور اگر گرنے کے وقت کا علم نہ ہو تو نہ پھولنے کی صورت میں ایک دن اور ایک رات سے گرا ہوا مانا جائے گا اور پھول گیا ہو تو تین دن اور تین رات سے گرا ہوا تسلیم کریں گے امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ نجاست پائی گئی اور نظر آئی اسی وقت سے گری ہوئی شمار کریں گے اور آدمی کا جھوٹا اور گھوڑے کا اور ہر اس جانور کا جس کا گوشت کھایا جاتا ہے پاک ہے۔

تشریح وتوضیح نجس الخ۔ جیم کے فتحہ کے ساتھ یا کسرہ کے ساتھ اس کے اطلاق میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ نجاست مغلظہ اور مخففہ کے درمیان اس میں کوئی فرق نہیں اس لئے کہ تخفیف کا اثر تو کپڑے وغیرہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر پانی میں بکری پیشاب کردے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو نجاست مخففہ کے باوجود سارا پانی نکالا جائے گا کما فی فتاویٰ قاضی خاں۔ اس کی صراحت کی ہے اور یہ کہ قلیل وکثیر کے درمیان کوئی فرق نہیں یہاں تک کہ اگر ایک قطرہ بھی پیشاب یا خون یا شراب کا گر جائے تو سارا پانی نکالنا واجب ہوگا مگر مناسب یہ ہے کہ کل پانی نکالنے کی قید ان کے ساتھ لگائی جائے جو مرویات یا معفو عنہا نہ ہوں لہٰذا اگر اونٹ اور بکری کی مینگنی گر جائے تو پانی کے فاسد ہونے کا بوجہ ضرورت حکم نہیں کیا جاتا کیونکہ ہوا کے ذریعہ بھی یہ کنوئیں میں گر جاتی ہیں اس لئے تا وقتیکہ یہ دیکھنے والوں کی نظر میں کثیر نہ ہوں قابل عفو و درگزر ہیں۔

او مات الخ یعنی اگر پانی میں سے جانور زندہ نکال لیا جائے اور اس کی جلد کے نجس ہونے کا یقین ہو تو سارا پانی نکالا جائے گا ورنہ نہیں۔

حیوان یعنی اگر جانور دموی ہو اور پانی میں پیدا نہ ہوا ہو ورنہ غیر دموی یا آبی ہونے کی صورت میں نجس نہیں ہوگا

وانتفخ الخ۔ انتفاخ کے معنی ہیں کسی چیز کا پھول کر بڑا ہو جانا۔ جیسے کہا جاتا ہے "انتفخ البطن" (پیٹ پھول گیا)

یعنی بڑا ہو گیا، پھول گیا ریاح وغیرہ سے اور تفسخ کے معنی ہیں اجزاء کا منتشر ہونا اور بکھرنا۔
ومن سوی ذلک الخ حاصل یہ کہ پانی میں آدمی یا اس جیسے جثہ والی کوئی چیز مر جائے مثلاً بکری اور کتا وغیرہ تو وہ پھولے بغیر بھی پورا پانی نکالا جائے گا۔ اور ان کے علاوہ میں پھولنے کی صورت میں سارا پانی نکالا جائے گا۔ تو اس کی ایک حد متعین ہوگی۔

وکل ما ثبت الخ یعنی گرنے یا مرنے کے وقت جس قدر پانی ہو سب نکالا جائے گا۔ لیکن نجاست گرنے کی صورت میں یہ حکم ہے کیونکہ کنواں چھوٹے حوض کی طرح ہے اور چھوٹے حوض کا پانی جس چیز سے ناپاک ہوتا ہے اس سے کنواں بھی ناپاک ہوگا۔ البتہ وہ دہ در دہ ہو تو نجس نہ ہوگا۔

لیکن آدمی کے مرنے کی صورت میں سارا پانی نکالنے کے لئے انتفاخ کی شرط نہیں جیسا کہ روایت ہے کہ ایک حبشی مکہ مکرمہ زمزم کے کنویں میں گر گیا تو حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سارا پانی نکالنے کا حکم فرمایا۔ ابن ابی شیبہ، بیہقی، دارقطنی، طحاوی اور عبد الرزاق وغیرہ نے یہ روایت کی ہے۔

والكلب والخنزير وسباع البهائم نجس والهرة والدجاجة المخلاة وسباع الطير وسواكن البيوت مكروه والحمار والبغل مشكوك يتوضأ به ويتيمم اي يتوضأ بالمشكوك ثم يتيمم الا في المكروه يتوضأ به فقط ان عدم غيره والعرق معتبر بالسور لان السور مخلوط باللعاب وحكم اللعاب والعرق واحد لان كلا منهما متولد من اللحم فان قيل يجب ان لا يكون بين سور ماكول اللحم وغير ماكول اللحم فرق لانه ان اعتبر باللحم فلحم كل واحد منهما طاهر الا ترى ان غير ماكول اللحم اذا لم يكن نجس العين اذا ذكي يكون لحمه طاهرا وان اعتبر ان لحمه مخلوط بالدم فماكول اللحم وغيره في ذلك سواء قلنا الحرمة اذا لم تكن للكرامة فانها آية النجاسة لكن فيها شبهة ان النجاسة لاختلاط الدم باللحم اذ لولا ذلك بل يكون نجاسة لذاته لكان نجس العين وليس كذلك فغير ماكول اللحم اذا كان حيا فلعابه متولد من اللحم الحرام المخلوط بالدم فيكون نجسا لاجتماع الامرين الحرمة والاختلاط بالدم
الامرين

ترجمہ اور کتے اور خنزیر اور چیرنے پھاڑنے والے جانوروں کا جھوٹا نجس ہے۔ اور بلی اور آزاد پھرنے والی مرغی اور شکار کرنے والے پرندے اور گھروں میں رہنے والے جانور حشرات الارض ان کا جھوٹا مکروہ ہے۔ اور گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے۔ اس پانی سے وضو اور تیمم کرے یعنی اول اس مشکوک پانی سے وضو کرے پھر تیمم کرے۔ مگر وہ پانی ہو تو صرف وضو کرے۔ اگر اس کے علاوہ پانی موجود نہ ہو اور پسینہ

کو جھوٹے پر قیاس کیا جائے گا اس لئے کہ جھوٹے میں لعاب مل جاتا ہے۔ اور لعاب و پسینہ کا حکم ایک ہے۔ کیونکہ دونوں کی تخلیق گوشت سے ہوتی ہے بس اگر کہا جائے واجب ہے ماکول اللحم جانوروں اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے جھوٹے کے درمیان فرق نہ ہو کیونکہ اگر گوشت پر قیاس کیا جائے تو گوشت دونوں کا پاک ہے کیا نہیں دیکھتے کہ غیر ماکول اللحم (وہ جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا) نجس العین نہ ہو اور ان سے ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت پاک ہے یا اگر یہ قیاس کیا جائے کہ اس کا گوشت خون سے مخلوط ہے تو اس معاملہ میں ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانور برابر ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ حرمت اگر احترام نہ ہو تو یہ خود نجاست کی علامت ہے مگر اس بارے میں شبہ ہے کہ نجاست خون کے گوشت میں مخلوط ہونے کی بنا پر ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی نجاست گوشت کی وجہ سے ہو تو وہ نجس العین ہوگا حالانکہ بات اس طرح نہیں۔ پس غیر ماکول اللحم جب کہ زندہ ہو تو اس کے لعاب کی تخلیق حرام گوشت خون سے مخلوط ہونے کی بنا پر نجس ہوگا کیونکہ اس میں دو امر جمع ہو گئے گوشت کا حرام ہونا اور خون کی آمیزش۔

تشریح و توضیح والکلب الخ کتے سور اور پھاڑنے والے جانوروں کا جھوٹا اس وجہ سے حرام ہے کہ جھوٹے میں لعاب کی ضرور آمیزش ہوتی ہے اور ان کا لعاب نجس ہے۔ اور احادیث میں ہے کہ ان کا لعاب اگر کپڑے پر لگ جائے تو اسے دھونا اور پاک کرنا لازم ہے۔

وسباع الخ ہر پھاڑنے والا جانور مثلاً شیر اور بھیڑیا۔

والھرۃ الخ فارسی میں اسے "گربہ" اور اردو میں "بلی" کہتے ہیں۔ المخلاۃ۔ آزاد گھومنے والی۔ اور مطلقاً و نجاست کھانے والی مرغی۔ یہ قید لگا کر ایسی مرغی کو خارج کر دیا جو ایک جگہ بند کر کے رکھی جائے اور وہاں کھائے جس کے نتیجہ میں اس کا جھوٹا مکروہ بھی نہیں۔

مکروہ۔ یہ کہ ان سے مفر ممکن نہیں اس لئے شرعاً سہولت عطا کی گئی اور ان کے جھوٹے کی حرمت کا حکم نہیں کیا گیا۔ بلی کے بارے میں ارشاد ہے کہ اس کا جھوٹا نجس نہیں کیونکہ یہ تمہارے گھروں میں پھرنے والی ہے یہ حدیث موطا امام مالک، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی، دارمی، مسند ابو یعلی وغیرہ میں مروی ہے۔

مشکو کان الخ کیونکہ یہ گھروں میں بندھے رہتے ہیں اور برتنوں وغیرہ میں پانی وغیرہ پیتے ہیں لہٰذا قطعیت سے نجاست کا حکم نہیں کیا گیا۔ البتہ اگر ضرورت نہ ہو تو ان سے متعلق برتنوں اور پانی وغیرہ سے احتراز مناسب ہو گا کہ ان کے جھوٹے کا حکم پھاڑنے والے درندوں کا سا ہو گا۔

والعرق الخ یعنی پسینہ کو جھوٹے پر قیاس کیا جائے گا پس جس کا جھوٹا پاک ہے اس کا پسینہ بھی پاک ہو گا، مثلاً آدمی اور گھوڑا۔ اور جن کا جھوٹا ناپاک ہو گا ان کا پسینہ بھی ناپاک قرار دیا جائے گا اور جن کا جھوٹا مکروہ ان کا پسینہ بھی مکروہ ہو گا۔

واما فی ماکول اللحم فلم یوجد الا احدھما وھو اختلاطہا بالدم فلم یوجب نجاسۃ السؤر

لان هذه العلة بانفرادها ضعيفة (والدم) المستقر في موضعه لم يعط له حكم النجاسة في لحم وذا لم يكن حيًا فان لم يكن مذكّى كان لحمه نجسا سواء كان ماكول اللحم وغيره لانه صار بالموت حراما فالحرمة موجودة مع اختلاط الدم فيكون نجسا وان كان مذكّى كان طاهرا اما في ماكول اللحم فلانه لم يوجد الحرمة ولا اختلاطها بالدم واما في غير ماكول اللحم فلانه لم يوجد الاختلاط والحرمة المجردة غير كافية في النجاسة على ما مر انها تثبت باجتماع الامرين

فان عدم الماء الا نبيذ التمر قال ابو حنيفة رح بالوضوء به فقط وابو يوسف رحمه الله بالتيمم فحسب ومحمد رح بجمعهما والخلاف في نبيذ هو حلو رقيق يسيل كالماء اما اذا اشتد فصار مسكرا لا يتوضأ به اجماعا

ترجمہ بہرحال ماکول اللحم جانوروں میں صرف ایک ہی حرمت پائی جاتی ہے اور وہ ہے خون کی آمیزش تو محض اس آمیزش سے لعاب نجس نہ ہوگا کیونکہ محض یہ سبب کمزور ہے۔ اپنی جگہ ٹھہرے رہنے والے خون پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جاتا جب کہ زندہ ہو اور زندہ نہ ہونے کی صورت میں شرعی طور پر ذبح شدہ نہ ہو تو ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم نجاست میں برابر ہیں۔ کیونکہ جانور مرنے کی بنا پر حرام ہوگیا اور دم (خون) کی آمیزش کے ساتھ یہ حرمت موجود ہے لہذا نجس ہوجائے گا اور اگر شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو تو وہ پاک ہوگا۔
بہرحال ماکول اللحم جانور میں نہ خون کی آمیزش پائی جاتی ہے اور نہ حرمت (مردہ ہونے کی) پائی جاتی ہے اور غیر ماکول اللحم میں ذبح کے بعد خون کا اختلاط نہیں پایا جاتا اور محض خون کی آمیزش کی بنا پر حرمت نجاست کے حکم کے سلسلہ میں ناکافی ہے۔ جیسا کہ تثبت باجتماع الامرین (نجاست دو امر اکٹھے ہونے پر ثابت ہوتی ہے) سے بیان کیا جا چکا۔ پس اگر پانی سوائے کھجور کی نبیذ (شیرہ) میں پانی کے نہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ اس سے صرف وضو کا حکم فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ تیمم کا حکم فرماتے ہیں اور امام محمدؒ وضو اور تیمم دونوں کا حکم فرماتے ہیں۔ یہ اختلاف فقہاء اس صورت میں ہے کہ نبیذ پانی کی طرح بہنے والی اور شیریں ہو لیکن اگر گاڑھی ہو کر نشہ آور ہو جائے تو بالاتفاق کسی کے نزدیک اس سے وضو جائز نہیں۔

تشریح و توضیح الدم الخ یعنی وہ خون جو رگوں وغیرہ میں اپنی جگہ ہو اس کے نجس ہونے کا حکم نہیں کیا جاتا۔ اسی لئے اگر کوئی شخص اسی حالت میں نماز پڑھے کہ کوئی بچہ یا جانور اس کی گردن پر ہو تو اس کی نماز درست ہو جائے گی۔

فان عدم الماء الخ یعنی اگر اس نبیذ کے پانی کے علاوہ کوئی اور پانی صاف و پاک موجود نہ ہو تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر موجود ہو تو جائز نہیں۔

نبیذ تمر سے وضو کا جواز حدیث شریف سے ثابت ہے۔

باب التیمم

هو لمحدث وجنب ومن حيض ونفساء ولو لم يقدروا على الماء اي على ماء يكفي للطهارة حتى اذا كان للجنب ماء يكفي الوضوء لا للغسل يتيمم ولا يجب عليه الوضوء عندنا خلافاً للشافعي اما اذا كان مع الجنابة حدث يوجب الوضوء يجب عليه الوضوء والتيمم للجنابة بالاتفاق واذا كان للمحدث ماء يكفي لغسل بعض اعضائه فالخلاف ثابت ايضاً لبعده ميلاً الميل ثلث الفرسخ وقيل ثلثة الاف ذراع وخمس مائة الى اربعة الاف وما ذكرنا هو الرواية وفي رواية الحسن قيل انما يكون معتبراً اذا كان في طرف غير ذهابه حتى يصير ميلين ذهاباً ومجيئاً فاما اذا كان في ذهابه فيعتبر ان يكون ميلين او لمرض لا يقدر معه على استعمال الماء وان استعمل الماء اشتد مرضه حتى لا يشترط خوف التلف خلافاً للشافعي اذ ضرر اشتداد المرض فوق ضرر زيادة الثمن وهو يبيح التيمم او برد اي ان استعمل الماء يمرض او عدو او عطش اي ان استعمل الماء يخاف العطش او باتم الماء للشرب حتى اذا وجد الماء في حب معد للشرب جاز له التيمم الا اذا كان كثيراً فيستدل على انه للشرب والوضوء فاما الماء المعد للوضوء فانه يجوز ان يشرب منه وعند الامام الفضلي عكس هذا فلا يجوز التيمم

ترجمہ تیمم بے وضو شخص اور جنبی ا جسے غسل کی ضرورت ہو اور حیض ونفاس والی عورتوں کے لئے جائز ہے جنہیں پانی میسر نہ ہو یعنی اتنا پانی جو طہارت واجبہ کے لئے کافی ہو یہاں تک کہ اگر کسی جنبی کو وضو کرنے کے بقدر پانی میسر ہو غسل کے بقدر نہ ہو تو وہ تیمم کرے اور ہمارے احناف کے نزدیک اس پر وضو واجب نہیں ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک وضو واجب ہے ۔ اور غسل کے لئے تیمم کرے ۔ اگر جنبی کو جنابت (ناپاکی) کے ساتھ وضو کو واجب کرنے والا حدث آ جائے تو اس پر وضو واجب ہے اور جنابت کے لئے بالاتفاق تیمم کرے گا ۔ اور اگر بے وضو شخص کے پاس اتنا پانی ہو کہ اس سے بعض اعضاء دھو سکے تو اس کے اندر بھی فقہاء کا اختلاف ہے ۔ اور پانی سے ایک میل دور ہونے کی بناء پر قدرت حاصل نہ ہو ۔ میل تہائی فرسخ کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک تین ہزار پانچ سو گز سے چار ہزار گز تک ہوتا ہے ۔ ظاہر روایت کے مطابق یہی حکم ہے اور حسن کی روایت کے مطابق دو میل جانے والی راہ سے دور ہو تو تیمم جائز ہے ۔ اور ایک میل کی اس راہ سے دوری پر جس طرف سے جانے کا ارادہ نہ ہو تو تیمم جائز ہے کہ اس ایک میل کی مسافت کی آمد و رفت میں دو میل ہو جائیں ۔ اس صورت میں جس راہ سے جانے کا ارادہ ہے اس میں دو میل کی مسافت معتبر ہوگی ۔ یا بیماری کی وجہ سے پانی کا استعمال پر قادر نہ ہو یا پانی استعمال کرنے سے بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو حتی کہ عضو یا جان کے تلف ہو جانے کا

اندیشہ شرعاً نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عضو یا نفس (جان) کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم جائز ہے ورنہ نہیں۔ بیماری کا بڑھ جانا یا صحت کے بڑھ جانے سے زیادہ اہم ہے اور پانی کی بہت زیادہ قیمت کی صورت میں تیمم جائز ہو جاتا ہے (تو مرض کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا) یا سردی کا اندیشہ ہو کہ اگر پانی استعمال کرے تو شدید نقصان دہ ہوگا۔ یا دشمن کا خوف ہو یا تشنگی کا اندیشہ ہو یعنی اگر پانی استعمال کرے تو پیاسا رہ جانے کا (قوی) اندیشہ ہو یا کسی نے پانی فقط پینے کی اجازت دی ہو حتیٰ کہ اگر مسافر کو کسی مٹکے میں پانی ملے اور وہ محض لوگوں کے پینے ہی کے لئے رکھا ہو تو اس کے لئے تیمم جائز ہے لیکن اور زیادہ مقدار میں ہو تو اس سے استدلال کیا جائے گا کہ یہ پینے اور وضو کرنے دونوں کے لئے ہے۔ وہ پانی جو وضو کے لئے ہو اس میں سے پینا بھی جائز ہے اور امام فضلیؒ کے نزدیک اگر پینے کے واسطے ہو تو تیمم جائز ہے اور اگر وضو کے لئے ہو تو تیمم جائز نہیں

تشریح و توضیح

لمحدث الخ۔ اس سے مراد حدث اصغر ہے جس کے پیش آنے پر وضو واجب ہوتا ہے۔
جنب الخ یعنی وہ جنابت (ناپاکی) جو انزال اور ہمبستری کے نتیجہ میں واقع ہو۔

نفساء۔ نون کے ضمہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ نفاس والی عورت یعنی وہ عورت جسے بچہ کی پیدائش کے بعد خون آئے۔ یتیمم۔ یعنی اس پر واجب ہے جسے پانی میسر نہ ہو کہ غسل کے لئے تیمم کرلے۔

خلافاً للشافعیؒ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اتنا پانی ہو جس سے صرف وضو ہو سکتا ہو اور وہ غسل کے لئے ناکافی ہو تو وضو کرلے اور غسل کے لئے تیمم کرے۔

اوللمرض الخ۔ لمرض میں دوبارہ لام کے لانے کی وجہ یہ ہے کہ پانی نہ ملنے اور بیمار رہنے ہر دو کی عند جواز تیمم کے لئے خود قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر … فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً (الآیۃ)

اشتداد مرضہ الخ یعنی اگر اس کا اندیشہ ہو کہ پانی کے استعمال سے مرض میں زیادتی ہو جائے گی اور یہ بات نقصان ثابت ہوگا تب بھی تیمم کرنا درست ہے۔ کیونکہ بدنی نقصان کا درجہ مالی نقصانات سے بڑھا ہوا ہے اور شرعاً زیادہ مالی نقصان ہونے پر بھی تیمم کرنے اور ترک وضو کی اجازت دی ہے۔ مثلاً پانی قیمتاً مل سکتا ہو مگر اتنے پانی کی قیمت مثل سے کافی زیادہ ہو پانی مل سکتا ہو تو اس صورت میں اختیار ہے کہ وہ پانی خرید لیا جائے اور تیمم کرلیا جائے۔

اوعطش الخ یعنی اگر اس کا اندیشہ ہو کہ قلیل المقدار پانی استعمال کرنے پر پینے کے لئے پانی نہ رہے گا اور وضو کرنے والا یا اس کے ساتھی پیاسے مرجائیں گے تو تحفظ نفس مقدم قرار دیتے ہوئے تیمم کرنا بہتر ہوگا۔

حب۔ حاء کے ضمہ کے ساتھ بڑا مٹکا فارسی میں اسے خم (مٹکا) کہتے ہیں۔

ولفضل الخ۔ ذخیرہ میں ہے شیخ ابوبکر محمد بن الفضلؒ فرماتے ہیں کہ جو پانی لوگوں کے پینے کے لئے ہو اس سے کوئی شخص وضو کرلے تو مضائقہ نہیں لیکن جو لوگوں کے وضو کرنے کو تیار رکھا گیا ہو اس سے وضو ہی کیا جا سکتا ہے اس میں سے پینا جائز نہ ہوگا۔

او عدم آلة كالدلو ونحوها او خوف فوت صلاة العيد في الابتداء اي اذا خاف فوت صلاة العيد جاز له ان يتيمم ويشرع فيها هذا بالاتفاق وبعد الشروع متوضيا والحدث يبني اي اذا شرع في صلاة العيد متوضيا ثم سبقه الحدث ويخاف انه ان توضأ يفوته الصلاة جاز له ان يتيمم للبناء وهذا عند ابي حنيفة رح خلافا لهما وان شرع بالتيمم جاز له التيمم للبناء بالاتفاق فقوله هو لمحدث مبتدأ وضربة خبره ولم يقدر صفة لمحدث وما بعده كالجنب والحائض وغيرهما وقوله لبعده مع المعطوفات متعلق بقوله لم يقدر وقوله في الابتداء ظرف لتقديره التيمم لخوف فوت صلاة العيد في الابتداء او بعد الشروع متوضيا محدثا

ترجمہ یا آلہ مثلاً ڈول (اور رسی) وغیرہ نہ ہو یا شروع ہی میں نماز عید کے بعد فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو یعنی نماز عید نہ ملنے کا خوف ہو تو بالاتفاق اس کے لئے تیمم کر کے نماز عید پڑھنا جائز ہے اور وضو کر کے شروع کرے اور حدث پیش آجائے تو بناء کے لئے تیمم کرے یعنی نماز عید باوضو شروع کرے پھر وضو ٹوٹ جائے اور یہ خطرہ ہو کہ اگر وضو کرے گا تو نماز فوت ہو جائے گی، اس صورت میں اس کے واسطے تیمم سے بنا کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ تیمم نہ کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔ اور اگر تیمم کر کے نماز شروع کی ہو اور وضو ٹوٹ جائے تو بالاتفاق اس صورت میں اس کے واسطے تیمم سے بنا کرنا (دوبارہ تیمم کر کے نماز پڑھنا) جائز ہے۔ پس مصنف کا قول "هو لمحدث" مبتدا ہے اور "ضربة" اس کی خبر ہے۔ اور "لم یقدر" "محدث" (بے وضو) اور اس کے مابعد مثلاً جنبی اور حائضہ وغیرہ کی صفت ہے۔ اور مصنف کا قول "لبعده" مع معطوفات (مرض، برد، عدم آلہ و خوف الفوت) سمیت "لم یقدر" کا متعلق ہے اور "في الابتداء" اس تیمم کا متعلق ہے جو مقدر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے کہ آغاز ہی میں یہ اندیشہ ہو کہ نماز عید فوت ہو جائے گی تو تیمم کرے اور یا وضو شروع کرنے کے بعد حدث پیش آ گئے تو مٹی پر ہاتھ مارے (تیمم کرے)۔

تشریح و توضیح او خوف الخ اس کا عطف مذکورہ بالا اعذار پر ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر نماز عید الفطر و نماز عید الاضحیٰ کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمم کر کے نماز عیدین پڑھ لینا جائز ہے خواہ تیمم کرنے والا صحیح و تندرست ہو اور پانی پر باسانی قدرت حاصل ہو۔ اس میں بلا عذر تیمم کی اجازت کی وجہ یہ ہے کہ نماز عیدین اگر فوت ہو جائیں تو ان کے قائم مقام نہ ہونے کی بنا پر قضا ممکن نہیں، تو اس صورت میں پانی پر قدرت عدم قدرت ہی کی طرح شمار ہوگی۔ لیکن اگر نماز عیدین متعدد جگہ اور مختلف اوقات میں ہو اور وضو کرنے پر بھی امام کے پیچھے نماز فوت ہو رہی ہو مگر دوسری جگہ مل سکتی ہو تو اس شکل میں تیمم درست نہ ہوگا بلکہ وضو کر کے دوسری مسجد میں جانا چاہیے۔

اصل اس باب میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے سلام کا جواب دینے

کے لئے پیشاب سے فارغ ہو کر تیمم فرمایا اور اس کے سلام کا جواب دیا (بخاری و مسلم وغیرہما) اور تیمم کا جواز نماز جنازہ فوت ہونے کے خطرہ پر ثابت ہے۔ اس طرح کی روایت ابن ابی شیبہ، نسائی، طحاوی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موجود ہے۔ اور طحاوی نے حضرت حسنؒ سے اور ابراہیمؒ و عطاؒ و ابن شہابؒ وغیرہ سے اور بیہقی و دارقطنی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ اور ان تمام روایات سے ان چیزوں میں تیمم کا جواز ثابت ہوتا ہے جن کا فوت ہونے پر کوئی قائم مقام نہ ہو۔

بالاتفاق یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ اس مسئلہ میں متفق ہیں۔ البتہ [illegible] فرماتے ہیں کہ تیمم نماز عید اور نماز جنازہ کے فوت ہو جانے کے اندیشہ سے جائز نہیں۔

اسی طرح شروع یعنی اگر نماز عید وضو کر کے شروع کی ہو اور دوران نماز وضو ساقط ہو جائے اور وقت کے گزر جانے کا اندیشہ ہو اور یہ توقع ہو کہ نماز عید کا کچھ حصہ امام کے ساتھ مل جائے گا تو پھر بالاتفاق اسے وضو کرنا چاہئے اور تیمم نہ کرے۔

اور اگر زوال آفتاب کا وضو میں مشغول ہونے پر وقت کی بنا پر اندیشہ ہو تو بالاتفاق اس کے لئے اس صورت میں تیمم کرنا جائز ہے۔

جاننا چاہئے کہ اگر اس پر وضو واجب قرار دیں تو اسے نماز کے درمیان پانی پا لینے کا اندیشہ ہے اور اسی طرح اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ تیمم کرنے والے کو اگر نماز کے درمیان پانی مل جائے تو اس پر نماز لوٹانا واجب ہے۔

او صلوٰة الجنازة لغير الولي لا لفوت صلوٰة الجمعة والوقتية لان فوتهما الى خلف وهو الظهر والقضاء ضربة لمسح وجهه وضربة ليديه مع مرفقيه ولا يشترط الترتيب عندنا والفتوى على انه يشترط الاستيعاب عند الاصح فلو بقي شيء قليل لا يجزيه والاحسن في مسح الذراعين ان يمسح ظاهر الذراع اليمنى بالوسطى والبنصر والخنصر من الكف اليسرى مبتدئا من رؤس الاصابع ثم باطنها بالمسبحة والابهام الى رؤس الاصابع ويمكن ان يفعل بالذراع اليسرى اذا لم يدخل الغبار بين اصابعه فعليه ان يخلل اصابعه فيحتاج الى ضربة ثالثة لتخليلها على كل طاهر متعلق بضربة من جنس الارض كالتراب والرمل والحجر وكذا الكحل والزرنيخ واما الذهب والفضة فلا يجوز بهما اذا كانا مسبوكين فان كانا غير مسبوكين مختلطين بالتراب يجوز بهما والحنطة والشعير ان كان عليهما غبار يجوز ولا يجوز على مكان كان فيه نجاسة وقد زال اثرها مع انه يجوز الصلوٰة فيه ولا يجوز بالرماد هذا عند ابي حنيفة رح ومحمد رح

9/2

ترجمہ | یا غیر ولی نماز جنازہ کے لئے تیمم کرے (فقیہ) اور جمعہ کے فوت ہونے کے اندیشہ پر تیمم درست نہیں اس لئے کہ ان دونوں کا قائم مقام ہے اور وہ ظہر اور قضاء ہے، ایک ضرب (مٹی پر ہاتھ مارنا) چہرہ پر مسح کے لئے ہو اور ایک ضرب سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرے، اور ہمارے (احناف) کے نزدیک صحت تیمم کے لئے مسح شرط نہیں، اور فتویٰ اس پر ہے کہ استیعاب (ہر ہر جزو پر) جزو حصہ تک ہاتھ پہونچانا شرط ہے، حتیٰ کہ اگر کچھ حصہ بھی باقی رہ گیا کہ اس پر ہاتھ نہ پہونچا ہو تو تیمم درست نہ ہوگا۔ اور ہاتھوں کے مسح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی تھوڑی ہتھیلی اور انگلی اور خنصر و بنصر کے سروں سے دائیں ہاتھ کی کہنی تک کھینچے پھر شہادت کی انگلی اور انگوٹھے اور باقی ہتھیلی سے ہاتھ کے اندرونی حصہ کا مسح کرے، اور اسی طرح بائیں ہاتھ کا مسح کرے۔ پھر اگر انگلیوں کے اندر غبار نہ پہونچا ہو تو انگلیوں کا خلال واجب ہے اور خلال کے لئے تیسری ضرب کی ضرورت ہوگی۔ مسح ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی اور ریت اور پتھر اور اسی طرح سرمہ اور ہڑتال اور سونا اور چاندی وہ دونوں اگر ڈھلے ہوئے ہوں اور مٹی وغیرہ سے صاف ہوں تو ان سے تیمم جائز نہیں، اور اگر ڈھلے ہوئے نہ ہوں اور غبار آلود ہوں تو ان سے تیمم جائز ہے اور گیہوں اور جو اگر ان دونوں پر غبار ہو تو تیمم جائز ہے۔ اور نہ کسی جگہ پر جہاں پہلے نجاست ہو اور اس کا اثر زائل ہو گیا ہو تیمم جائز نہیں البتہ ایسی جگہ نماز درست ہے اور امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ راکھ سے تیمم جائز نہیں

تشریح و توضیح | او صلوۃ الجنازۃ الخ اس کا عطف نماز عید پر ہے۔ یعنی جب جنازہ آ جائے اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر وضو کرے گا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی تو تحقق عجز کی بناء پر اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہوگا ولی جنازہ کے سوا کیونکہ اس طرح کا عجز متحقق نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ فوت ہو جائے گی بلکہ اس کا انتظار کیا جاتا ہے اس واسطے اس کے لئے تیمم کرنا ایسے موقعہ پر جائز نہیں۔

لان لہما خلفا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تیمم کے جواز کے لئے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ شرط ہے جس کا کوئی قائم مقام نہ ہو۔ اور یہی نماز جمعہ اور وقتیہ نماز ہیں ان کا قائم مقام موجود ہے لہذا یہاں وہ عجز باقی نہ رہا۔

وھو الظہر۔ اصل جمعہ کے دن نماز جمعہ اور ظہر اس کی قائم مقام ہے تو اصل نہ ملنے کی صورت میں نماز ظہر پڑھی جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ فرض اول وقت ظہر ہے مگر جمعہ کی وجہ سے اس کے ساقط کرنے کا امر کیا گیا۔ اور بحثی وغیرہ کا راجح و پسندیدہ قول یہ ہے کہ ظہر اصل ہے اس کا قائم مقام کوئی نہیں لیکن جمعہ فوت ہونے کی صورت میں اسے قائم مقام سمجھ لیا جاتا ہے۔

والقضاء۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وقتیہ سے مراد وہ فرائض اور واجبات ہیں جن کی قضا کی جاتی ہے ورنہ نماز کسوف و خسوف اور تراویح بھی وقتیات ہیں کہ انہیں بھی مقررہ وقت پر ادا کیا جاتا ہے۔

ضربۃ۔ مٹی پر ہاتھ رکھنا بھی کافی ہے مگر اس کے باوجود ضربہ کا استعمال احادیث کے اتباع کی بنا پر ہے کیونکہ اکثر احادیث میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ پھر یہ کہ ضرب تیمم کا رکن ہے۔ لہذا اگر دونوں ہاتھ مٹی پر

يجب الوضوء وينبغي ان ينوي عنهما فان نوى عن احدهما لا يقع عن الآخر لكن يكفي تيمم واحد عنهما فلا يجوز تيمم كافر لاسلامه اي لا يجوز الصلاة بهذا التيمم عندهما خلافا لابي يوسف رح فعنده يشترط لصحة التيمم في حق جواز الصلاة ان ينوي قربة مقصودة سواء لا تصح بدون الطهارة كالصلاة او تصح كالاسلام وعندهما قربة مقصودة لا تصح الا بالطهارة حتى لو تيمم لصلاة الجنازة او سجدة التلاوة يجوز بهذا التيمم اداء المكتوبات وان تيمم لمس المصحف او دخول المسجد لا تجوز به الصلاة لانه لم ينو به قربة مقصودة لكن يحل له مس المصحف ودخول المسجد۔

ترجمہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف ریت اور مٹی سے تیمم درست ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف مٹی سے تیمم جائز ہے۔ اگرچہ پتھر پر غبار نہ ہو اگر تیمم جائز ہے اور محض غبار سے تیمم جائز ہے۔ پس اگر کوئی شخص گھر میں جھاڑو دے یا غلہ برسائے یا گیہوں ناپے اور اس کا چہرہ اور ہاتھ غبار آلود ہو جائیں تو یا وہ تیمم کی نیت سے ہاتھ کے ذریعہ مسح کیا جائے تیمم کے لئے اسے کافی قرار دیں گے۔ پاک مٹی پر قدرت کے باوجود غبار سے تیمم اور مثلاً نماز کی نیت سے جائز ہے پس نیت تیمم میں فرض ہے۔ امام زفرؒ کے نزدیک فرض نہیں حتی کہ اگر کسی شخص کو دو حدث لاحق ہوں ایک حدث (مثلاً جنابت و ناپاکی) کی وجہ سے غسل واجب ہو اور ایک حدث کی وجہ سے وضو واجب ہوتا ہو تو مناسب ہے کہ دونوں کی نیت کرے۔ اگر دونوں میں سے ایک کی نیت کی تو دوسرے کے لئے تیمم نہیں ہوگا البتہ دونوں میں سے ایک کے لئے یہ تیمم کافی ہو جائے گا۔

اگر کافر قبول اسلام کے لئے تیمم کرے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس تیمم سے نماز پڑھنی جائز نہ ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس تیمم سے نماز درست ہوگی۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک نماز کے درست ہونے کے لئے تیمم کی صحت کی شرط یہ ہے کہ اس سے عبادت مقصودہ کی نیت ہو۔ خواہ وہ عبادت مقصودہ بغیر طہارت وضو و غسل کے صحیح نہ ہو مثلاً نماز یا طہارت کے بغیر صحیح ہو جائے مثلاً اسلام۔ اور امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک عبادت مقصودہ طہارت ایسی ہے کہ بغیر صحیح نہیں ہوتی پس اگر کوئی شخص نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت کے لئے تیمم کرے تو اس تیمم سے فرائض کی ادائیگی جائز ہے۔ اور اگر قرآن شریف کو چھونے یا مسجد میں داخل ہونے کے لئے تیمم کرے تو عبادت مقصودہ کی نیت نہ کرنے کی بنا پر اس تیمم سے نماز درست نہیں ہوگی مگر اس تیمم کے ذریعہ قرآن شریف چھونا اور مسجد میں داخل ہونا جائز ہوگا۔

تشریح و توضیح ولا یجوز الا بالتراب الخ۔ امام شافعیؒ صرف مٹی ہی سے تیمم کو جائز قرار دیتے ہیں ان کا مستدل یہ حدیث ہے کہ "زمین ہمارے لئے پاک کر دی گئی" (یہ حدیث مسلم، ابن حبان، ابن خزیمہ وغیرہ میں مذکور ہے) اور امام ابو یوسفؒ کا یہ قول کہ تیمم ریت سے درست ہے۔ یہ دراصل امام شافعی

نزدیک تحری ضروری ہے اور پانی کے قائم مقام ہے اور ہمارے (احناف) کے نزدیک مطلقاً قائم مقام ہے۔ پس اگر دو برتنوں میں پانی ہو، ایک میں پاک اور دوسرے میں ناپاک، اور نمازی یہ نہ جانتا ہو کہ اس کا علم ہو کہ پاک کس میں ہے اور ناپاک کس برتن میں، تو ہمارے احناف کے نزدیک اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ وضو کا حکم فرماتے ہیں۔ احناف کی دلیل یہ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ مٹی مسلمان کے لئے پاک کرنے والی ہے اگرچہ دس برس گذر جائیں، اور پانی نہ ملے۔ اس سے ہمارے سمجھنے کی تائید ہوتی ہے۔ اور اپنے رفیق سے پانی طلب کرنے کے بعد جس کے پاس پانی ہو وہ منع کر دے تو تیمم جائز ہے۔ حتیٰ کہ اگر منع کرنے کے بعد وہ نماز پڑھ لے پھر پانی والا اسے پانی دے دے تو اب اس کا وضو ٹوٹ جائے گا مگر وہ پڑھی ہوئی نماز نہیں لوٹائے گا۔ اور رفیق سے پانی مانگے بغیر ہی وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست ہو جائے گی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک درست نہ ہوگی۔ ہدایہ میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

تشریح و توضیح | وعلیٰ ہذا توضأ الخ یعنی اگر کافر حالت کفر بلا نیت وضو کرے، اس کے بعد وہ مرتد ہو کر اسلام میں داخل ہو۔ کیونکہ پانی میں خود پاک کرنے کی صلاحیت ہے اور تطہیر میں نیت کی ضرورت نہیں، اس لئے اس کا اس وضو سے نماز پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ کافر اگر بحالت کفر ناپاک کپڑا دھوئے اور نجاست دور کر دے، پھر وہ مرتد ہو کر اسلام میں داخل ہو تو اسی کپڑے میں نماز پڑھنا اس کے لئے جائز ہے۔

وعلیٰ الخ یہ اختلاف ہمارے اور امام شافعیؒ کے درمیان اس پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک صحت وضو کیلئے نیت شرط ہے، لہٰذا بلا نیت ان کے نزدیک وضو بے سود ہوگا خواہ وضو کرنے والا مسلمان ہو یا کافر۔ اور احناف کے نزدیک نیت شرط نہیں۔ اور وضو تو مفتاح صلوٰۃ ہے بلا نیت بھی معتبر ہے تو اس کا فر وارتداد اسلام میں داخل ہونے سے پہلے وضو کرے۔

وان توضأ یعنی اگر کافر فرض نماز وغیرہ کی نیت سے وضو کرے جو اس کی صحت اسلام کی تحقیق سے پہلے ہو تو وہ وضو بھی امام شافعیؒ لغو قرار دیتے ہیں کیونکہ کافر میں اہلیت کا عدم ہے، اہلیت کی بنا پر نیت وضو لغو شمار ہوگی۔

والنافلۃ بلا نیۃ الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب وضو بلا نیت صحیح ہے تو نیت کے ساتھ بطریق اولیٰ صحیح ہونے کا حکم ہوگا۔

اتفاقاً الخ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب یہ مسئلہ احناف اور شوافع کے درمیان متفق علیہ ہے تو اس کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف نے بغرض افادہ اختلافی اور متفقہ مسائل دونوں طرح کے مسائل کا ذکر مفید خیال کرتے ہوئے اسے بھی بیان کر دیا۔

خلافاً الخ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں برتنوں میں تحری اور غور و فکر کرے۔ پھر غور و فکر کے بعد جس پانی کے پاک ہونے کا یقین ہو وہ استعمال کرلے اور اس سے وضو کرلے۔

التراب الخ ابوداؤد، ترمذی اور احمد میں روایت ہے کہ پاک مٹی پاک کرنے والی ہے جب تک کہ پانی میسر

الغرض جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے تیمم کے بھی ٹوٹ جانے کا حکم ہوگا۔

وقدرته الخ: یہاں قدرت سے مراد قدرت شرعیہ ہے۔ اس لیے اگر اسے وہ پانی مل گیا جو بطور غصب لیا ہوا ہے یا وہ پانی جو پینے کا ہو اس لیے کہ اس کا استعمال جائز نہیں۔ لہٰذا تیمم بھی اس پانی کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا۔

کاف الخ: اس کے اطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ ادنیٰ طہارت کا اعتبار ہوگا پس اگر پانی مل جائے اور اس سے ہر عضو کو دو مرتبہ یا تین تین مرتبہ دھویا اور مثلاً اس نے دو دو تین تین مرتبہ دھونے کی وجہ سے ایک پاؤں نہ دھو سکا اور اس کے لیے پانی کم رہ گیا تو راجح قول کے مطابق تیمم ٹوٹ جائے گا کیونکہ اگر وہ ایک ایک مرتبہ دھونے پر اکتفا کرتا تو یہ پانی سارے اعضاء کے لیے کافی ہو جاتا۔

لمعة: یعنی سوکھا رہ جانے والا حصہ۔ خواہ جسم کا کوئی سا بھی حصہ ہو۔ در حقیقت پیچھے کی قید تو اس وجہ سے لگا دی گئی کہ عموماً غسل کے موقعہ پر پشت کا حصہ سوکھا رہ جاتا ہے اور اس کے تر کرنے کے لیے نسبتاً زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔

بطل تیممه: کیونکہ اس صورت میں قدرت علی الماء الکافی ظاہر ہو گئی اور یہ پانی پر قدرت ناقض تیمم ہے۔

وان نفد بقی الخ: کیونکہ اس صورت میں اتنا پانی میسر نہیں ہوا جس پر قدرت علی الماء الکافی کا اطلاق ہو سکے اس لیے تیمم بدستور برقرار رہے گا۔

غسله: یعنی اگر اتنا پانی ہو کہ وضو کے لیے کافی ہو جائے اور اعضائے وضو دھل سکیں تو وضو کرے اور اگر صرف سوکھا حصہ دھل سکتا ہو تو وہی دھو لے۔

فان اغتسل الخ: یعنی سوکھے حصہ کو پانی سے دھونے کے بعد پھر حدث اصغر (وضو کو واجب کرنے والا حدث) کے لیے از سر نو تیمم کیا جائے گا تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک کی رو سے اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔ اور ان کے نزدیک عدم اعادہ کا حکم "عدم قدرت علی الماء الکافی لرفع الحدث" کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا تیمم نہیں ٹوٹے گا۔

اور دوسری روایت کی رو سے تیمم کا اعادہ ہوگا۔ یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور یہ اس بنیاد پر ہے کہ اس کو اتنے پانی پر قدرت ثابت ہو گئی جو طہارت کے لیے کافی ہو سکے۔ ردمختار میں شرح زیادات سے تصریح کی ہے کہ امام محمدؒ کا قول زیادہ صحیح ہے۔

وان تیمم اولاً: یعنی حدث اصغر کے لیے تیمم کر لینے کے بعد اگر وہ اتنے پانی پر قادر ہو گیا جو وضو کے لیے کافی ہو سکے تو اس کا تیمم باطل ہو گیا۔

روایتان: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تیمم کا اعادہ نہیں کرے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک "قدرت علی الماء الکافی للوضوء" کی بنا پر پہلا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ پھر خشک حصے کے دھونے کو مقدم کرتے ہوئے اب پانی کے وضو کے لیے ناکافی رہنے کی وجہ سے بہر حال اعادہ تیمم کا حکم ہوگا۔

لازمیں یعنی پانی منفرد طور پر ایک ہی کے لئے کافی ہو تو سب کا تیمم ٹوٹ جائے گا پھر جب ایک شخص وضو کر لیگا تو باقی از سر نو تیمم کرتے تھے اسلئے کہ تنہا تنہا سب کو پانی پر قدرت حاصل ہو گئی تھی۔

تشریح و توضیح

ظاہر الروایۃ یعنی اس کا حکم تو ظاہر ہے کہ کل جماعت کا تیمم ٹوٹ جائے گا اور سب کے سب ہونے تک تیمم کا حکم باری باری وضو واجب ہوگا۔

فیستعمل یعنی پانی کے استعمال کا یہ حکم علی سبیل الوجوب نہیں بلکہ علی سبیل الاولویت ہے کہ اگر ایسا کر لیا جائے تو بہتر وافضل ہے۔ شارح اس سے قبل بھی اس کی طرف اشارہ فرما چکے ہیں۔

انتقض تیممہ۔ کیونکہ اتنے پانی پر قدرت حاصل ہو گئی کہ اس سے سوکھا رہا ہوا حصہ بدن دھویا جا سکے اس لئے بحق جنابت اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔

ولکن بعد غسل اللمعۃ یعنی یہ خیال کرتے ہوئے تیمم سے آغاز کیا کہ پانی خشک شدہ عضو پر صرف کرنے کی صورت میں گویا بحق حدث معدوم ہو جائے گا۔

شرعاً یعنی یہاں پر قدرت سے مراد اتنے پانی پر قادر ہونا ہے جو طہارت کے لئے کافی ہو سکے اور شرعاً معتبر ہو۔ ہے کہ یہ پانی کسی اہم چیز میں جیسے پیاس یا جیسا العرف نہ ہو جیسا بدن یا کپڑے پر سے نجاست حقیقیہ کا ازالہ ایسی نجاست جس کا دھونا واجب ہو نماز میں مانع ہو۔ اگر ایسا ہو تو اس پانی کا ہونا نہ ہونے کے درجہ میں ہے اور اس کے ہوتے ہوئے بھی تیمم جائز ہے۔

نجاسۃ یعنی ایسی نجاست جس کے ہوتے ہوئے نماز نہ ہو سکے اور بقدر درہم سے بڑھی ہوئی ہو۔

بطریق الاباحۃ وبطریق التملیک الخ یعنی پانی پر قادر ہونا مالک ہونے پر ہی منحصر و موقوف نہیں بلکہ قدرت علی الماء بطریق اباحت بھی ہوتی ہے۔

منفرداً اگر پانی اتنا ہو کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے کافی ہو سکے تو علیحدہ علیحدہ ہر ایک کا تیمم ٹوٹ جانے کا حکم ہوگا۔

ثبوت الخ یعنی خواہ بطریق اباحت ہی مگر ان میں سے ہر ایک کے لئے قدرت علی الماء ثابت ہو گئی جو تیمم ٹوٹ جانے کے لئے کافی ہے نیز ایسی ہی علت اعادۂ تیمم کی بن گئی کہ ایک کے وضو کرنے کے بعد جب پانی باقی نہ رہا تو اوروں کے لئے عجز ثابت ہو گیا اور بجائے وضو کے ان کے واسطے از سر نو تیمم کا حکم ہوا۔

واما اذا قال هذا الماء لكم و قبضوا لا ينتقض تيممهم اما عندهما فلان هبة المشاع تجوز المثلى على سبيل الاشتراك فيملك كل واحد مقدارا لا يكفيه واما عند ابي حنيفة فلانه يبقى على ملك الواهب ولم يثبت الاباحة لانه لما بطلت الهبة بطل ما في ضمنها من الاباحة فان اباحوا واحدا بعينه ينتقض تيممه عندهما لا عنده لانهم لم يملكوا لانهم

اباحة حصول الردة حتى اذا تيمم المسلم ثم ارتد نعوذ بالله منه ثم اسلم يصح صلوته
بذلك التيمم (وندب لراجيه) اي لراجي الماء (ان يؤخر صلوته الى آخر الوقت فلو صلى بالتيمم
في اول الوقت ثم وجد الماء والوقت باق لا يعيد الصلوة) (ويجب طلبه قدر غلوة ان ظنه
قريبا) والغلوة مقدار ثلثمائة ذراع الى اربعمائة وعن ابي يوسف انه اذا كان
الماء بحيث لو ذهب اليه وتوضأ تذهب القافلة وتغيب عن بصره كان بعيدا جاز
له التيمم قال صاحب المحيط هذا احسن جدا (ولو نسيه مسافر في رحله وصلى متيمما
ثم ذكره في الوقت لم يعد) الا عند ابي يوسف والخلاف فيما اذا وضعه بنفسه او
وضعه غيره بامره اما اذا وضعه غيره وهو لا يعلم فقد قيل يجوز له التيمم اتفاقا و
قيل الخلاف في الوجهين كذا في الهداية

ترجمہ اور اگر پانی کا مالک کہے یہ پانی تم سب کے واسطے ہے اور وہ سب لوگ پانی سے الگ ہیں تو ان کے
تیمم نہیں ٹوٹیں گے۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مشترک چیز کے ہبہ سے ملکیت علی
سبیل الاشتراک ثابت ہوتی ہے، پس ان میں سے ہر شخص پانی کی ناکافی مقدار کا مالک ہوا۔ امام ابو حنیفہؒ
کے نزدیک تو یہ ہبہ کرنے والے کی ملک میں بدستور باقی رہے گا اور ان لوگوں کے لیے جو اباحت ثابت ہو گی
اس لیے کہ ہبہ کے باطل ہونے کی صورت میں اس کے تحت ضمنی اباحت بھی باطل ہو گی۔ پھر اگر وہ لوگ جن کے
لیے مالک نے پانی مباح کر دیا متعین طور پر ایک شخص کو اجازت دیدیں تو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک
اس شخص کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹے گا۔ اس لیے کہ مشترک ہبہ میں جب
ان لوگوں کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی تو ان کا کسی کے لیے مباح کرنا بھی صحیح نہیں ہوا۔ مرتد ہونے اسلام کو پہنچانے
سے تیمم نہیں ٹوٹتا۔ حتیٰ کہ اگر نعوذ باللہ کوئی مسلمان مرتد ہو جائے اس کے بعد دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل
ہو تو اسی سابق تیمم سے اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور وہ شخص جسے پانی ملنے کی توقع ہو اس کے لئے نماز کا آخر
وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے پس اگر نماز کے اول وقت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر اندرون وقت پانی مل گیا
تو نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔ اور تین سو گز سے چار سو گز کی مسافت تک پانی طلب کرنا (اور تلاش کرنا) واجب ہے۔
بشرطیکہ پانی کے قریب ہونے کا گمان غالب ہو ورنہ واجب نہیں۔ غلوہ تین سو گز سے چار سو گز تک کی مسافت
کو کہتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر پانی اتنی دوری پر ہو کہ اگر وہاں تک جا کر وضو کرے تو قافلہ چلا جائیگا
یا اس کی نگاہ سے اوجھل ہو جائے گا تو وہ پانی بعید شمار ہو گا اور اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہو گا۔ صاحب محیط
فرماتے ہیں کہ یہ قول بہت عمدہ ہے۔ اگر مسافر اپنے کجاوے میں پانی بھول جائے اور وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اس
کے بعد اندرون وقت نماز یاد آجائے تو نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اعادہ کریگا

یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس نے پانی اپنے کجاوہ میں خود رکھا ہو یا دوسرے نے اس کے حکم سے رکھا ہو لیکن اگر کسی دوسرے نے رکھا ہو اور اسے خبر نہ ہو تو بعض کہتے ہیں کہ اس صورت میں بالاتفاق اس کے لئے تیمم جائز ہے اور بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی اختلاف ہے۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔

تشریح و توضیح

وقبضوا: یعنی تیمم کرنے والے اس پانی پر قابض ہو گئے۔ یہ قید اس وجہ سے لگائی کہ ہمارے نزدیک قبضہ کے بغیر مفید ملک نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل کتاب الہبہ میں موجود ہے۔

واما عندهما: اس کی تفصیل یہ ہے کہ مشترک ہبہ اگر ایسی چیز کا ہو کہ وہ تقسیم ہو کر مفید نہ ہو جیسے چھوٹا مکانات وغیرہ تو یہ مشترک ہبہ بالاتفاق جائز ہے اور اگر تقسیم ہو کر قابل انتفاع ہو تو مشترک ہبہ نافذ نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک یہ بھی نافذ اور مفید للملک ہوگا۔

فالاعم: اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس کے اندر اختلاف ہے۔

عصام بن یوسفؒ سے منقول ہے کہ مشترک ہبہ فاسد ہے اور قبضہ کی صورت میں یہ مفید ملک ہو جاتا ہے بعض مشائخ (فقہاء) کا مختار قول یہی ہے۔ اور ظاہر روایت یہ ہے کہ مفید ملک نہیں حتیٰ کہ اس میں تصرف کا نفاذ نہیں ہوتا۔ کفایہ، ذخیرہ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں اسی طرح ہے۔

لا بردته: یعنی تیمم کرنے والے کے ارتداد سے تیمم نہیں ٹوٹے گا۔ لہٰذا جب مسلمان تیمم کرے پھر مرتد ہو جائے اس کے بعد دوبارہ اسلام قبول کرے اور اس دوران تیمم کو توڑنے والی اور کوئی چیز پیش نہ آئی ہو تو اس کا تیمم بدستور برقرار رہے گا اور اس تیمم سے نماز پڑھنی صحیح ہوگی۔ اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ ارتداد کے حائل ہونے کی وجہ سے بحالت اسلام کیا ہوا تیمم ٹوٹ جائے گا کیونکہ کفر تیمم کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تیمم اس کے طاہر ہونے اور ناقض یعنی کوئی چیز پیش نہ آنے کی وجہ سے ہے اور کفر کا حائل ہونا تیمم کے منافی نہیں۔ جیسے باوضو شخص کے درمیان کفر حائل ہو جائے تو حاصل شدہ طہارت باطل نہیں ہوتی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آیات اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ارتداد کی وجہ سے عمل حبط ہو جاتا ہے تو مرتد کا تیمم اور وضو کس طرح برقرار رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اعمال کا ثواب ارتداد کی وجہ سے باقی نہیں رہتا اور حبط ہو جاتا ہے۔ وصف طہارت وغیرہ زائل نہیں ہو جاتے۔

لا یعید الصلوٰۃ: ابوداؤد اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو شخص سفر کے لئے نکلے اور نماز کا وقت ایسی حالت میں آیا کہ ان کے پاس پانی نہیں تھا تو دونوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر اندرون وقت پانی مل گیا تو ایک شخص نے نماز کا اعادہ کیا اور دوسرے نے نہیں کیا۔ اس کے بعد دونوں نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعادہ نہ کرنے والے شخص کے بارے میں فرمایا اس نے سنت کو پایا اور اس کی نماز اس کے لئے کافی ہو گئی اور اعادہ کرنے والے سے فرمایا کہ تم دوہرے اجر کے مستحق ہو گئے۔

10
2

وفطنہ : اس کی تفصیل بحر وغیرہ میں یہ ہے کہ اگر پانی موجود نہ ہو اور صورت آبادی میں پیش آئے تو پانی کی جستجو وطلب بالاتفاق واجب ہے۔ کیونکہ آبادی میں پانی کی افراط اس کے پاسے جانے کی نشاندہی کرتی ہے پس جستجو ضروری ہے تاکہ ظن مفقود اور عدم قدرت علی الماء ثابت ہو جائے۔ اور اگر یہ معاملہ جنگل میں پیش آئے اور قریب میں پانی ملنے کا گمان نہ ہو تو طلب واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

اور اگر پانی کے قریب ہونے کا گمان ہو تو اس پر طلب واجب ہے۔ پس اگر قریب کے گمان کے باوجود تیمم کرکے نماز پڑھ لے پھر جستجو کرے اور پانی مل جائے تو امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اعادہ واجب نہیں۔ سراج الوہاج میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

جنگل : کیونکہ اس میں شک اور وسیع حرج کا پہلو نمایاں ہے۔ مسافر کا جنگلوں میں قافلہ سے بچھڑ جانا باعث حرج و خوف ہوتا ہے۔ خاص طور پر کمزوروں کے لئے یہ صورت حال انتہائی اذیت ناک ہوتی ہے۔

ونسیہ : نسیان اور بھول کی قید خصوصیت سے اس واسطے لگائی کہ اگر پانی کے ختم ہو جانے کا ظن یا شک ہو اور تیمم کرکے نماز پڑھ لے پھر پانی مل جائے تو "سراج الوہاج" میں ہے کہ بالاتفاق سب کے نزدیک اس پر اعادہ واجب ہے۔

مسافر : یہ قید اتفاقی ہے۔ اس لئے کہ مقیم کا حکم بھی یہی ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں اس کی صراحت ہے

رحلہ : اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر عادتاً اور عموماً پانی رکھا جاتا ہے۔ فی الوقت یہ حکم تو اس صورت میں ہے کہ نماز پڑھ چکا ہو لیکن اگر نماز کے پڑھنے کے دوران یاد آجائے تو اس کو توڑ دینا اور وضو کرکے نماز دوبارہ نماز پڑھنا واجب ہے۔ "سراج الوہاج" میں اس کی صراحت ہے۔

الا عند ابی یوسف یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھول کی صورت میں بھی اس پر اعادہ واجب ہے۔ کیونکہ پانی اس کے کجاوہ میں موجود ہے اور قدرت علی الماء ثابت ہے۔ لہٰذا اس صورت میں نسیان غیر معتبر ہوگا۔

ويجب ان يعلم ان المانع عن الوضوء اذا كان من جهة العباد كأسير يمنعه الكفار عن الوضوء او محبوس في السجن والذي قيل له ان توضأت قتلتك فيجوز له التيمم لكن اذا زال المانع ينبغي ان يعيد الصلوة كذا في الذخيرة۔

ترجمہ اور اس بات سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے کہ اگر وضو میں رکاوٹ لوگوں کی طرف سے ہو مثلاً کوئی شخص کافروں کی قید میں ہو اور وہ اسے وضو کرنے سے روکیں یا قید خانہ میں قید ہو (اور پانی نہ ملے) اور وہ شخص جس سے کہا جائے کہ اگر تو نے وضو کیا تو تجھ کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا تو اس کے لئے تیمم جائز ہے لیکن رکاوٹ دور ہو جانے پر اس کے لئے (وضو کرکے) نماز کا لوٹانا مستحب ہے۔ ذخیرہ میں اسی طرح ہے۔

عمل دونوں پر ہوتا ہے۔

بالسنۃ المشہورۃ۔ یعنی وہ درصحابہ میں جس کی روایت حد تواتر کو پہونچ گئی ہو۔ مسح علی الخفین کی روایت بھی بکثرت ہے حد تواتر کو پہونچ گئی۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ الازہار المتناثرۃ فی الاخبار المتواترۃ میں مسح خفین سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں جس سے حد تواتر کی نشاندہی ہوتی ہے۔

فیجوز الخ۔ اس میں اس اعتراض کے دور کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم میں دونوں پیروں کے دھونے کی فرضیت کا وضوء میں حکم ہے۔ لہٰذا اس پر حدیث سے اضافہ کس طرح جائز ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ خبر احاد اور حدیث احاد سے تو اضافہ جائز نہیں مگر حدیث متواتر سے کتاب اللہ پر اضافہ از روئے اصول جائز ہے۔ اصولی کتب میں اس کی صراحت ہے۔

فان الخ۔ فا رسال تعلیل کے لئے نہیں بلکہ کتاب کا مقتضی بیان کرنے کے لئے ہے۔

(۲) من وجب علیہ الغسل۔ یعنی یہ مسح خفین ان لوگوں کے لئے درست نہیں جن پر غسل واجب ہے۔ مثلاً حیض والی عورت اور وہ عورت جسے نفاس کا خون آیا ہو اور وہ جسے احتلام ہوا ہو۔

ترمذی میں حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں امر فرمایا کہ ہم سفر میں تین دن تین رات اپنے موزے نہ اتاریں مگر جنابت پیش آجائے تو اتار دیں۔

نسائی اور ابن ماجہ میں اسی طرح کی روایت ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جنابت جس میں غسل کی ضرورت ہو عادتاً بار بار نہیں ہوتی لہٰذا نکالنے میں مضائقہ نہیں۔ اس کے برعکس حدث اصغر بار بار ہوتا ہے اور وضو کی ضرورت پیش آتی ہے تو سہولت و دفع حرج کی بنا پر اس میں مسح کا حکم ہوا۔

خطوطاً باصابع منفرجة يبدأ من اصابع الرجل الى الساق هٰذا صفة المسح على الوجه المسنون فلو لم يفرج الاصابع لكن مسح مقدار الواجب جاز وان مسح باصبع واحدة ثم بلها ومسح ثانيا ثم هكذا جاز ايضاً ان مسح كل مرة غير ما مسحه قبل ذلك وان مسح بالابهام والمسبحة منفرجتين جاز ايضاً ان كان ما بينهما مقدار اصبع اخرى وسئل عن محمدؒ عن صفة المسح قال ان يضع اصابع يده على مقدم خفيه ويجافي كفيه ويمدهما الى الساق او يضع كفيه مع الاصابع ويمدها جملة لكن ان مسح برؤس الاصابع وجافى اصول الاصابع والكف لا يجوز الا ان يبتل من الخف عند الوضع مقدار الواجب وهو مقدار ثلث اصابع هكذا ذكر في المحيط وذكر في الذخيرة ان المسح برؤس الاصابع يجوز ان كان الماء متقاطرا الا انه اذا كان الماء متقاطرا فالماء ينزل من اصابعه الى رؤسها فاذا مدّ كانه اخذ ماء جديدا ولو مسح بظهر الكف جاز لكن السنة بباطنها وكذا ان ابتدا من طرف الساق۔

کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔
ثلث اصابع یعنی طولا اور عرضا۔ پس اگر کسی شخص نے تین انگلیاں رکھ کر بغیر کھینچے مسح کیا تو مسح درست نہ ہوگا، بعض نے اسی طرح لکھا ہے۔

ولو نسی المسح واصاب المطر ظاهر خفیه حصل المسح وکذا مسح الرأس ولو مشی فی الحشیش فابتل ظاهر خفیه ولو بالطل هو الصحیح علی ظاهر خفیه الخف ما یستر الکعب کله او یکون الظاهر منه اقل من ثلث اصابع الرجل اصغرها اما لو ظهر قدر ثلث اصابع الرجل فلا یجوز لان هذا بمنزلة الخرق ولا بأس بان یکون واسعا بحیث یری رجله من اعلی الخف او جرموقیه ای علی خفیه یلبسان فوق الخفین لیکون وقایة لهما من الوحل ونحوه فان کانا من ادیم ونحوه جاز علیهما المسح سواء لبسهما منفردین او فوق الخفین وان کانا من کرباس او نحوه فان لبسهما منفردین لا یجوز وکذا ان لبسهما علی الخفین الا ان یکونا بحیث یصل بلل المسح الی الخف الاسفل ثم اذا کانا من نحو ادیم وقد لبسهما فوق الخفین فان لبسهما بعد ما احدث ومسح علی الخفین لا یجوز المسح علی الجرموقین وان لبسهما قبل الحدث ومسح علیهما ثم نزعهما دون الخفین اعاد المسح علی الخفین الداخلین۔

ترجمہ اور اگر مسح بھول جائے اور بارش اس کے موزوں کے ظاہری (اوپر کے) حصہ پر پڑے تو مسح ہو گیا اسی طرح سر کے مسح کا حکم ہے (کہ اگر سر کا مسح بھول جائے اور پانی سر پر پڑے تو مسح ہو گیا) اسی طرح اگر گھاس پر چلنے کی وجہ سے اس کے موزوں کا ظاہری (بالائی حصہ) بھیگ گیا خواہ شبنم سے ہی بھیگا ہو تو صحیح یہ ہے کہ مسح ہو گیا۔ اور مسح ظاہر موزوں (بالائی حصہ) پر کرے۔ موزہ اسے کہتے ہیں جو ٹخنے کو چھپائے یا پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کی مقدار سے کم چھپا ہوا ہو۔ لیکن اگر پیر کی تین انگلیوں کے برابر ہو تو مسح جائز نہیں کیونکہ اس کا حکم زیادہ پھٹ جانے کا ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ موزہ کشادہ ہو اور موزہ پہننے والے کا پاؤں موزہ کے بالائی حصہ سے نظر آئے۔ یا جرموقین پر مسح درست ہے۔ جرموق اسے کہا جاتا ہے جو موزہ کے اوپر پہنے جاتے ہیں تاکہ موزے کیچڑ اور نجاست سے محفوظ رہیں۔ پس اگر یہ چمڑے وغیرہ کے ہوں تو ان پر مسح جائز ہے خواہ صرف انہی کو پہنے ہوں یا انہیں موزوں کے اوپر پہن رکھا ہو۔ اور اگر کرباس (سفید سوتی) سے بنا ہوا کپڑا وغیرہ ہوں اور صرف انہی کو پہنے تو ان پر مسح جائز نہیں۔ اسی طرح اگر موزوں پر پہنے تو ہاں اگر ایسے ہوں کہ ان کی تری نچلے موزہ تک پہنچ جائے تو اگر وہ چمڑے کے ہوں اور انہیں موزوں پر پہن رکھا ہو اور جرموق حدث پیش آنے کے

جو پہنے ہوں اور موزوں پر مسح کیا ہو تو جرموق پر مسح جائز نہ ہوگا۔ اور اگر انہیں حدث سے پہلے پہنا ہو اور ان پر پھر مسح کیا ہو اور پھر انہیں نکالا ہو اور موزوں سے نہ نکالے ہوں تو اندرونی موزوں پر مسح کا اعادہ کرے گا۔

تشریح و توضیح

او مطر الخ۔ یہ قید اتفاقی ہے اس لئے کہ ہر پانی خواہ بارش کا ہو اور خواہ نہر وغیرہ کا اس حکم میں برابر ہیں۔

[illegible]۔ اسی طرح اگر سر کا مسح رہ گیا اور پھر مثلاً بارش کے پانی سے چوتھائی سر کے بقدر بھیگ جائے تو کافی ہے اور حکماً فرض ادا ہو جائے گا۔

علی ظاهر خفیه۔ اس میں اس کے رد کی طرف اشارہ ہے جو بعض ائمہ کا مسلک ہے کہ اوپر اور نیچے یعنی باطن اسفل کے حصے کا مسح کا بھی قائل ہو۔ ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد وغیرہ میں حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزہ کے بالائی اور نیچے حصہ پر مسح فرمایا۔ مشہور حافظ حدیث اور ماہر حدیث و اسماء الرجال حضرت ابوزرعہؒ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے بکثرت روایات مروی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے موزہ کے بالائی حصے کے مسح پر اکتفا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر دین رائے کی بنیاد پر ہوتا تو موزہ کے نیچے حصہ پر مسح بالائی حصہ کے مسح سے زیادہ بہتر تھا مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بالائی حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ ابوداؤد وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے نچلے حصہ یا ایڑی یا پنڈلی پر مسح کیا اور موزہ کے بالائی حصہ کو چھوڑ دیا تو مسح جائز نہ ہوگا۔ "بدائع" میں اس کی صراحت ہے۔

الخف ما یستر۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس پر مسح جائز ہے۔ اور موزہ وہ ہے جو پاؤں کو ٹخنوں سمیت چھپا لے جس کی انتہا پنڈلی تک ہو کہ اس میں پاؤں کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہ رہے۔

ولا باس الخ۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ٹخنوں کو اطراف اور آس پاس سے چھپا لے۔ اعلیٰ اور بالائی حصہ یعنی پنڈلی کا حصہ چھپانا واجب نہیں۔ جمہور کا مسلک یہی ہے۔ البتہ حضرت امام اوزاعیؒ کی رائے اس کے خلاف ہے۔

او جرموقیہ۔ ابوداؤد اور ابن ابی خزیمہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جرموق پر مسح فرمایا۔ طبرانی اور بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔

بخلاف ما اذا مسح على خف ذي طاقين فنزع احد الطاقين لا يعيد المسح على الطاق الآخر ولو نزع احد الجرموقين فعليه ان يعيد المسح على الجرموق الآخر وعن ابي يوسفؒ انه يخلع الجرموق الآخر ويمسح على الخفين او جوربيه الثخينين اي بحيث يستمسكان على الساق بلا شد منعلين او مجلدين حتى اذا كانا ثخينين غير منعلين او مجلدين لا يجوز عند ابي حنيفة خلافا

پائے جانے کی صورت میں ان سب پر مسح جائز ہے۔
متعمرثم: یہ کہہ کر اس سے احتراز کی طرف اشارہ ہے کہ تیمم کرنے والا اور جبیرہ والا وضو کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ مسح نہیں کرے گا۔ اسی طرح صاحب عذر کی موجودگی میں خارج وقت مسح نہیں کرے گا۔ بدائع الرموز وغیرہ میں اسی طرح ہے۔
غسل باقی الاعضاء: غسل (دھونا) سے مراد عام ہے۔ خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔ پس اس میں مسح کرنا بھی شامل ہے کیونکہ وہ حکماً غسل (دھونے) کے حکم میں ہے۔
فی الصورۃ الاولیٰ: یعنی اول پاؤں دھو کر دونوں موزے پہن لے پھر اپنا وضو پورا کرے۔
فی الصورۃ الثانیۃ: یعنی ترتیب سے وضو کرے یا مکمل نہ کرے بلکہ وضو کے اتمام سے قبل دائیں پاؤں میں موزہ پہنے تو اس صورت میں موزہ پہننے کے وقت طہارت کاملہ نہیں ہوگی۔
لکنھما: یعنی دونوں صورتوں میں اس کی تصدیق ہوگی کہ دونوں وقت حدث سے پہلے کامل طہارت پر پہنے گئے ہیں۔

فعلم ان قولہ ملبوسین احسن من عبارۃ تصدق علی اذا لبسھما علی طھارۃ کاملۃ وقت الحدث لان المراد الطھارۃ الکاملۃ وقت الحدث وھذا الوقت ھو زمان دوام اللبس لا زمان حدوثہ فیصح ان یقال ھما ملبوسان علی طھارۃ کاملۃ وقت الحدث ولا یصح ان یقال لبسھما علی طھارۃ کاملۃ وقت الحدث لان الفعل دال علی الحدوث والاسم دال علی الدوام والاستمرار لا علی عمامۃ وقلنسوۃ وبرقع وقفازین المقفاز ما یلبس فی الکف لیکف منھا مخلب الصقر والبازی ونحوہ وفرضہ قدر ثلث اصابع الید۔

ترجمہ: پس معلوم ہوا مصنف کا قول ملبوسین فقہا کی بہترین عبارتوں میں سے ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں کو طہارت کاملہ پر پہنے اس لئے کہ مراد طہارت کاملہ ہے حدث پیش آنے کے وقت طہارت کا کامل ہونا ہے اور یہ وقت موزوں کے پہنے رہنے کا وقت ہے حدث پیش آنے کا وقت نہیں پس یہ کہنا صحیح ہے کہ وقت حدث دونوں (موزے) کامل طہارت پر پہنے گئے ہیں۔ کیونکہ فعل دلالت کرتا ہے حدث پر اور اسم دوام و استمرار و ہمیشگی پر۔ مسح عمامہ اور ٹوپی اور برقع اور قفازین پر درست نہیں۔ قفاز دستانہ کو کہتے ہیں جو ہتھیلی پر پہنا جاتا ہے تاکہ اس سے شکرہ اور باز وغیرہ کے ناخنوں سے حفاظت کے لئے پہنا جاتا ہے۔ اور ہاتھ کی تین انگلیوں کے بقدر مسح فرض ہے۔

تشریح و توضیح: فعلم الخ: یعنی احناف کے نزدیک بوقت حدث کامل طہارت شرط ہے اور یہ موزے پہننے کا زمانہ ہے۔ اس سے مراد پہننے کا ابتدائی وقت نہیں۔

یعنی عمامۃ: عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں۔ یہ عین کے زیر کے ساتھ وہ کپڑا کہلاتا ہے جو لوگ اپنے سروں پر لپیٹتے ہیں۔ عمامہ کی طرح ٹوپی پر بھی مسح کرنا درست نہیں۔ قلنسوۃ قاف کے فتحہ کے ساتھ اسے کہا جاتا ہے کہ جس سے سر ڈھانکا جائے۔ فارسی میں اسے کلاہ کہتے ہیں۔

القفازین: شکاری شکار کرنے کے علاوہ پرندوں سے حفاظت کی خاطر ہتھیلیوں میں کپڑا باندھ لیتے ہیں اسے "قفاز" کہتے ہیں۔ فارسی زبان میں اس کا نام "دستوانہ" ہے۔ جمہور فقہاء کا بھی قول ہے۔

احمدؒ، اوزاعیؒ، اور اسحاقؒ عمامہ پر مسح کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ پر مسح فرمایا (بخاری) حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ جمہور فقہاء اس کا جواب دیتے ہیں کہ ان روایات سے صرف عمامہ کے مسح پر اکتفاء اور سر پر مسح نہ کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ مسلم وغیرہ کی بعض روایات میں یہ واضح صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ (سر کے اگلے حصہ) اور عمامہ پر مسح فرمایا۔ اس کے برعکس موزوں کے مسح میں صرف موزوں پر مسح فرمانا بکثرت روایات سے ثابت ہے۔

فان مسح رسول الله صلى الله عليه وسلم كان خطوطا فعلم انه بالاصابع دون الكف وما زاد على مقدار ثلث اصابع انما هو بماء مستعمل فلا اعتبار له فبقي مقدار ثلث اصابع ولا يفرض فيه شيء آخر كالنية وغيرها ومدته للمقيم يوم وليلة وللمسافر ثلثة ايام ولياليها من حين الحدث لان قوله عليه السلام يمسح المقيم يوما وليلة والمسافر ثلثة ايام ولياليها الحديث اي يجوز المسح في المدة المذكورة وقبل الحدث لا يحتاج الى المسح فان الزمان الذي يحتاج فيه الى المسح وهو من وقت الحدث مقدر بالمقدار المذكور وينقضه ناقض الوضوء ونزع الخف ذكر لفظة نزع واحد ولم يقل نزع الخفين ليفيد ان نزع احدهما ناقض فانه اذا نزع احدهما وجب غسل احدى الرجلين فوجب غسل الاخرى اذ لا جمع بين الغسل والمسح

ترجمہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط (نشانات) کی شکل میں مسح فرمایا، جس سے یہ انگلیوں سے تو ہتھیلی کے علاوہ مسح کرنا معلوم ہوا۔ اور تین انگلیوں کی مقدار سے زیادہ مستعمل پانی کے ساتھ (مسح) ہوگا لہٰذا وہ معتبر نہیں۔ لہٰذا تین انگلیوں کے بقدر ہی فرض مسح باقی رہا۔ مسح میں نیت اور دوسری چیزیں وغیرہ فرض نہیں۔ اور وقت حدث سے مقیم کے لئے مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات ہے۔ اس لئے کہ رسول علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مقیم ایک دن اور ایک رات مسح کریگا

اور مسافر تین دن اور تین رات اسی سے ذکر کردہ مدت میں مسح کا جواز معلوم ہوا، اور حدث سے پہلے مسح کی ضرورت ہی نہیں۔ لہٰذا وہ مدت جس میں مسح کی ضرورت ہوتی ہے وہ حدث کے وقت سے مسافر و مقیم کے لئے ذکر کردہ مدت ہے۔

اور جس چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی سے مسح ٹوٹتا ہے۔ اور ایک موزہ کے نکال لینے سے بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ مصنف نے "خف" یعنی موزہ کو ذکر کیا اور "نزع الخفین" اور دونوں موزوں کا اتارنا نہیں کہا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں موزوں میں سے ایک کا نکالنا بھی ناقض مسح ہے اور دونوں میں سے ایک کے نکالنے پر دونوں پیروں میں سے ایک کا دھونا واجب ہو۔ اور دوسرے کا دھونا بھی واجب ہوا۔ کیونکہ غسل (دھونا) اور مسح اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

تشریح و توضیح

قولہ خطوطاً الخ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ سنت موزوں پر خطوط (لکیروں) والی شکل میں مسح کرنا ہے۔ اور حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب سے فارغ ہو کر وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا اور دایاں دست مبارک دائیں موزہ پر رکھا اور بایاں دست مبارک بائیں موزہ پر رکھا پھر دونوں کے بالائی حصہ پر ایک مرتبہ مسح فرمایا گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں موزوں پر دیکھ رہا ہوں۔ اور ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی انگلیوں سے پنڈلیوں کی طرف مسح فرمایا۔

طبرانی نے "معجم اوسط" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو وضو کر کے موزے دھو رہا تھا۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ ہمیں اس طرح مسح کا حکم ہوا۔ پھر آپؐ نے موزوں کے اگلے حصہ سے پنڈلی کی طرف مسح فرمایا اور انگلیاں کشادہ رکھیں۔

قولہ عدد ثلاث الخ یعنی شرط اس کا اعتبار رہے گا نہ کہ مسح میں تین انگلیوں کی مقدار فرض رہے گی۔

قولہ لا غیر الخ یعنی ذکر کردہ مقدار کے علاوہ نیت اور ترتیب وغیرہ ان کی فرضیت پر دلیل نہ ہونے کی وجہ سے فرض نہیں۔ اگر کہا جائے کہ مسح بھی تیمم کی طرح غسل (دھونے) کا بدل ہے۔ لہٰذا اس میں بھی نیت لازم ہے جس طرح تیمم میں شرط ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تیمم میں نیت کی شرط دلالت نص کی بنا پر ہے اور یہاں نیت وغیرہ شرط ہونے کی دلیل موجود نہیں۔ تو اس کی نظیر سر کا مسح ہے کہ جس طرح اس میں نیت شرط نہیں اسی طریقہ سے یہاں بھی نیت شرط نہیں ہے۔

قولہ فیہ الخ شیخ الاسلام نے "مبسوط" میں امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک مسح کی مدت مسافر کے حق میں غیر موقت ہے اور موزے طہارت والی کی صورت میں پہننے پر جب تک چاہے مسح کرے۔

قولہ لیلۃ یعنی رات بھی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے جمعہ کے دن بوقت طلوع آفتاب موزے پہنے تو اس کے لئے ہفتہ کے دن طلوع آفتاب تک مسح کرنا جائز ہے۔

جمہور نے طبرانی کی حضرت براءؓ کی حدیث اور ابو نعیم نے مالک بن سعدؓ اور مسلمؒ نے حضرت علیؓ کی حدیث اور ابوداؤد نے خزیمہؓ کی حدیث اور ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ کی حدیث اور ترمذی و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ نے صفوانؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

وھو من وقت الحدث الخ اس لئے کہ یہی وہ زمانہ ہے کہ جس میں سابقہ طہارت کا ختم ہونا اور طہارت کے وجوب کا سبب پایا گیا۔

ونزع الخف حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک غزوہ میں تھے تو انہوں نے موزے نکال کر پاؤں دھوئے اور وضو کا اعادہ نہیں کیا ان کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی مروی

وكذا ان دخل الماء احد خفيه حتى صار جميع الرجل مغسولا وان اصاب الماء اكثرها فكذا عند الفقيه ابي جعفرؒ ومضى المدة وبعدها حدث هذين اي نزع الخف ومضى المدة على المتوضئ غسل رجليه فحسب اي على الذي كان له وضوء لا يجب عليه الا غسل رجليه اي لا يجب غسل بقية الاعضاء وينبغي ان يكون فيه خلاف لمالكؒ بناء على فرضية الولاء عنده وخروج اكثر العقب الى الساق نزع ولفظ الهداية وري اكثر القدم وما اختاره في المتن مروي عن ابي حنيفة رح ويمنعه خرق خف يبدو منه قدر ثلث اصابع الرجل باصغرها لا ما دونها فلو كان الخرق طويلا يدخل فيه ثلث اصابع ان ادخلت لكن لا يبدو منه هذا المقدار جاز المسح ولو كان مضموما لكن ينفتح اذا مشى ويظهر هذا القدر لا يجوز فعلم منه ان ما يمنع من الخرق ونحوه متفرق اسفل الكعب ان كان يستتر الكعب بخيط ونحوه بحيث يمنع اللبس بحيث لم يبد منه شيء فهو كغير المتفرق وان بدا كان كالخرق فيعتبر القدر المذكور

ترجمہ اور اسی طرح اگر پانی موزوں میں سے کسی موزہ میں پہونچے حتی کہ پاؤں بھیگ جائے تو مسح ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر پاؤں کا اکثر حصہ بھیگ جائے تو فقیہ ابوجعفرؒ کے نزدیک مسح ٹوٹ جائے گا اور مدت کے گذرنے اور ان دونوں میں سے ایک کے بعد یعنی موزہ اتارنے اور مدت گذرنے کے بعد باوضو شخص پر پیروں کا دھونا واجب ہوگا۔ یعنی وہ شخص جو باوضو ہو اس پر صرف پیروں کا دھونا واجب ہے باقی اعضاء کا دھونا واجب نہیں۔ اور مناسب یہ تھا کہ اس میں امام مالکؒ کا اختلاف ہو کیونکہ ان کے نزدیک وضو میں پے در پے ہونا فرض ہے۔ اور ایڑی کے اکثر حصہ کا موزہ سے موزہ کی پنڈلی میں نکلنا بھی ناقض مسح ہے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ پاؤں کے اکثر حصہ کا نکلنا ناقض مسح ہے اور متن میں جس قول کو اختیار کیا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے اور موزہ اگر اتنا پھٹا ہوا ہو کہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلیاں اس میں سے ظاہر ہو جائیں تو اس پر مسح جائز نہیں۔

اس سے کم چھپا ہوا ہو تو جائز ہے پس اگر اتنا نا بنا پھٹا ہو کہ اس میں تین انگلیاں اگر داخل کی جائیں داخل ہو سکتی ہوں مگر تین انگلیوں کے بقدر (پھٹے ہوئے) کھلتا نہ ہو تو اس موزہ پر مسح جائز ہے۔ اور اگر وہ پھٹن کھلی ہوئی ہو کر نہ ظاہر غیر محسوس ہو مگر چلتے ہوئے تین انگلیوں کے بقدر کھلتی ہو تو اس پر مسح جائز نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جو موزہ سوت وغیرہ سے بُنا ہوا ہو اور ٹخنے کے نیچے سے کھلا ہوا ہو (اس طرح پر کہ اگر موزہ پہننے کے بعد ٹخنہ چھپا کر سوت وغیرہ سے باندھ دیا جائے تو پاؤں کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہ رہے تو غیر پھٹے موزہ کی طرح اس پر مسح جائز ہے۔ اور اگر پاؤں کا کچھ حصہ کھلتا ہو تو اس کا حکم پھٹے ہوئے موزہ کا سا ہوگا۔ پس ذکر کردہ مقدار تین انگلیوں کی مقدار کا اعتبار کیا جائیگا

تشریح و توضیح

حتی لو ابتل الخ۔ فتاوی قاضی خان میں ہے کہ موزہ پر مسح کرنے والے کے موزہ میں اگر پانی پہنچ جائے مگر اس کا پاؤں تین انگلیوں کی مقدار یا اس سے کم بھیگ جائے تو اس پر غسل رجل دھونے کا اطلاق نہ ہونے کی بنا پر اس کا مسح بدستور برقرار رہے گا۔ البتہ اگر پورا پاؤں بھیگ جائے اور پانی ٹخنہ تک پہنچ جائے تو مسح ٹوٹ جائے گا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اسی طرح منقول ہے۔

ومضی المدة۔ یعنی مدت مذکورہ گزر جائے گو اس مدت کے اندر مسح نہ کیا ہو مثلاً موزے پہننے کے بعد حدث لاحق ہو پھر حدث کے بعد مدت مسح گزر جائے اور وضو مذکور رہے تو اب اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا درست نہ ہوگا۔ فتاوی قاضی خان اور مختارات النوازل، تاتارخانیہ اور نوادر وغیرہ میں ہے کہ اگر مسافر کی مدت مسح ختم ہو جائے لیکن سردی کی شدت کی وجہ سے پاؤں کے ضائع ہونے کا موزے اتارنے کی صورت میں خوف ہو تو اس کے لئے مسح کرنا جائز ہے۔ نور الایضاح میں بھی اس کی تصریح ہے۔

ویعتبر الخ۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس بارے میں کوئی تصریح نہیں ملی مگر قواعد کا تقاضا یہی ہے۔

وخروج اکثر القدم الخ۔ اس میں اشارہ ہے کہ پاؤں کا اکثر حصہ کا نکلنا بھی ناقض مسح ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ موزہ نکالنے ہی کی نیت ہو۔ لیکن اگر نیت نکالنے کی نہ ہو تو بالاتفاق مسح باطل نہ ہوگا۔

اکثرها مقدم۔ ہدایہ میں ہے یہی صحیح ہے۔

قدر ثلث اصابع الرجل۔ جیسا کہ ہدایہ میں شیخ الاسلام کی مبسوط سے منقول ہے کہ پھٹن کے سلسلہ میں پاؤں کی تین انگلیوں کا اور مسح کے بارے میں ہاتھ کی تین انگلیوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

فعلم منه یعنی مسح کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں اس پھٹن اور مقدار کا اعتبار ہوگا۔ اگر اتنی مقدار پھٹن کی ظاہر ہو تو مسح ناجائز ورنہ جائز ہوگا۔

ویجمع خروق خف لا خفین ای اذا کان علی خف واحد خروق کثیرة تحت الساق ویبدو من کل واحد شئی قلیل بحیث لو جمع الذی یبدو یکون مقدار ثلث اصابع یمنع المسح ولو کان هذا

المقدار في الخفين جاز المسح ويتم مدة السفر ماسح سافر قبل تمام يوم وليلة ويتم مدة الإقامة إن أقام قبلهما وينزع إن أقام بعدهما فههنا أربع مسائل لأنه إما أن يسافر المقيم أو يقيم المسافر وكل إما قبل تمام يوم وليلة أو بعدهما وقد ذكر في المتن ثلاث منها ولم يذكر ما إذا سافر المقيم بعد تمام يوم وليلة وحكمه ظاهر وهو وجوب النزع

ترجمہ اور جمع کی جائے گی پھٹن ایک موزہ کی متفرق جگہوں کی دونوں موزوں کی نہیں۔ یعنی اگر ایک موزہ چند ایک نسبت بہت سی جگہ سے پھٹ گیا ہو اور ہر جگہ سے تھوڑا سا کھل گیا ہو کہ اگر وہ پھٹن اکٹھی ہو تو تین انگلیوں کے بقدر ہو تو مسح درست نہ ہوگا۔ اور اگر پھٹن کی یہ مقدار دونوں موزوں میں ہو تو ان پر مسح کرنا درست ہے۔ وہ مسح کرنے والا جس نے ایک دن اور رات پورے ہونے سے قبل سفر کیا وہ مدت سفر (تین دن تین رات) پوری کرے گا۔ اور اگر اس سے پہلے اقامت اختیار کر لی ہو تو ایک دن اور ایک رات پورے کرے۔ اور ایک دن و ایک رات پورا ہونے کے بعد اقامت اختیار کی ہو تو موزے اتار دے۔ پس اس جگہ چار مسئلے ہیں اس لئے کہ یا تو مقیم مسافر ہو جائے گا یا مسافر مقیم۔ اور یہ سفر اور قیام یا ایک دن اور ایک رات پورے ہونے سے پہلے ہوگا یا بعد میں۔ متن میں تین صورتیں ذکر کی گئی ہیں۔ اور یہ صورت مصنف نے ذکر نہیں کی کہ جب مقیم ایک دن اور ایک رات مکمل ہونے کے بعد سفر کرے اور اس کا حکم ظاہر ہے۔ اور وہ یہ کہ موزے اتارنا واجب ہے۔

تشریح و توضیح **لا الخفین** یعنی اگر دونوں موزوں میں سے ہر موزہ میں تین انگلیوں کی مقدار سے کم پھٹن ہو اور اگر جمع کیا جائے تو مسح درست نہ ہو تو دونوں کی پھٹن اکٹھی نہیں کی جائے گی اور مسح درست ہوگا۔

تحت الساق۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ موزہ کی پنڈلی میں اگرچہ زیادہ پھٹن ہو مگر اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور مسح اس پر درست ہوگا۔

جاز المسح یعنی دونوں موزوں کی پھٹن یکجا کر کے حکم نہیں لگایا جائے گا۔ یہ حکم نجاست کے حکم کے برعکس ہے اس لئے کہ دونوں موزوں پر لگی ہوئی نجاست اکٹھی کر کے مجموعہ پر حکم لگایا جاتا ہے اسی طرح اگر بدن کا حصہ مختلف جگہوں سے کھل جائے تو نماز فاسد ہونے کے لئے مجموعہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

ويجوز على جبيرة محدث ولا تبطله السقوط إلا عن برء المسح على الجبيرة إن لم يضره تركه وإن لم يضر فقد اختلفت الروايات عن أبي حنيفة رح في جواز تركه والمأخوذ أنه لا يجوز تركه ثم لا يشترط كون الجبيرة مشدودة على طهارة كاملة وإنما يجوز المسح على الجبيرة إذا لم يمكن المسح على ذلك العضو كما لا يقدر على غسله بأن كان الماء يضره أو كانت الجبيرة مشدودة يضره حلها أما إذا كان قادرا على مسحه فلا يجوز مسح الجبيرة وإذا كان في أعضائه شقاق فإن عجز عن

پاتے ہو تو انھوں نے کہا جب کہ تو پانی پر قادر ہے تو تیرے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے۔ انھوں نے غسل کیا (دھویا) تو ان کا انتقال ہو گیا۔ پھر ہم خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو اس واقعہ کے بارے میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اسے قتل کر دیا اللہ انہیں ہلاک کرے جب واقف نہ تھے تو پوچھا کیوں نہیں کیونکہ ناواقفیت کے مرض کا علاج پوچھ لینا ہے۔ اس کے لئے تیمم کافی تھا یا زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر کے باقی حصہ جسم کو دھو لیتا۔

محدث الخ۔ اس قید سے پتا چلا ہے کہ اگر پٹی پر مسح جنبی (جس پر غسل واجب ہو) اور وہ عورت جسے ماہواری آ رہی ہو یا جیسے نفاس کا خون آ رہا ہو اس کے لئے جائز نہیں۔

والمسح علی الجبیرۃ۔ محیط میں ہے کہ اگر ان ہڈیوں کو جوڑنے والی پٹیوں پر مسح نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے تو اس صورت میں مسح کا ترک کر دینا جائز ہے۔

ثم لا یشترط الخ۔ یعنی جبیرہ میں طہارت کا طریقہ باندھی جانے کی شرط نہیں۔ اس کے برعکس موزوں پر مسح کا حکم ہے کہ ان کا طہارت پر پہننا اور ان کے پہنتے وقت حدث نہ ہونا احادیث سے ثابت ہے۔

وانما یجوز الخ۔ یعنی اگر دھونے کے علاوہ مسح بھی زخم کے لئے نقصان دہ ہو تو بجائے زخم پر مسح کے جبیرہ اور پٹی پر مسح کرنا کافی ہے۔

شقاق۔ شین کے زیر کے ساتھ شق کی جمع ہے یعنی وہ پھٹن جو جلد کھال میں سردی وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔

استعان بالغیر۔ حلبی اور شرح غنیہ میں ہے کہ اگر ہاتھوں میں پھٹن ہونے کی وجہ سے خود وضو کرنے سے عاجز و مجبور ہو تو دوسرے کی مدد سے وضو کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مستحب اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک واجب ہے۔ اگر دوسرے سے مدد لئے بغیر اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست ہو جائے گی اور امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک درست نہ ہو گی۔

خلافا لہما۔ یعنی اگر وضو کرانے والا شخص پایا جائے اور وہ تعاون طلب کرنے پر اعانت سے انکار کر دے اور وہ بعد انکار تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو یہاں پر صورت عجز ثابت ہو گیا اس لئے بالاتفاق سب کے نزدیک اس کی نماز درست ہو جائے گی۔

اذا وضع الدواء۔ مثلاً پھٹن پر مرہم یا چربی وغیرہ رکھ دیں۔

خرقۃ۔ خاء کے زیر کے ساتھ کپڑے کا ٹکڑا۔

وقال بعض مشايخنا ان كان حل العصابة وغسل ما تحتها يضر الجراحة جاز المسح عليها والا فلا وكذا العكس في كل خرقة جاوزت موضع الجراحة ان كان حل العصابة لا يضر لكن [illegible] الخ

يضرها يحلها ويغسل ما تحتها إلى موضع الجراحة ثم يشدها ويمسح موضع الجراحة وعامة المشايخ على جواز مسح عصابة المفتصد وأما الموضع الظاهر من اليد مما بين العقدتين من العصابة فالصحيح أنه يكفيه المسح إذ لو غسل تبتل العصابة وربما تنفذ البلة إلى موضع الفصد ويشترط الاستيعاب في مسح الجبيرة والعصابة في رواية الحسن عن أبي حنيفة رح وهو المذكور في الأسرار وعند البعض يكفي الأكثر وإذا مسح ثم نزعها ثم أعادها فعليه أن يعيد المسح وإن لم يعد أجزأه وإذا سقطت عنها فبدلها بالأخرى فالأحسن إعادة المسح وإن لم يعد أجزأه ولا يشترط تثليث مسح الجبائر بل يكفيه مرة واحدة وهو الأصح ويجب أن يعلم أن مسح الجبيرة يخالف مسح الخفين أنه يجوز على حدث ولا يتقدر بالمدة وإذا سقطت لا عن برء لا يبطل وإن سقطت عن برء يجب غسل ذلك الموضع خاصة بخلاف ما إذا خلع أحد الخفين حيث يلزمه غسل الرجلين

ترجمہ اور بعض کے نزدیک اگر پٹی کھولنے اور اس کے نیچے مسح کرنے سے زخم کو نقصان پہنچے تو پٹی پر مسح کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور اسی طرح وہ کپڑا جو زخم کے مقام سے آگے بڑھا ہوا ہو پس اگر اس کا کھولنا اور دھونا نقصان دہ ہو تو سب پر مسح کرے ورنہ زخم کے ارد گرد کو دھوئے زخم پر مسح کرے اور اگر پٹی کا کھولنا نقصان رساں نہ ہو مگر زخم کی جگہ سے پٹی ہٹانا نقصان پہنچاتا ہو تو پٹی کھول کر زخم کی جگہ تک دھوئے (تمام زخم چھوڑ کر) پھر اسے باندھ کر زخم کی جگہ مسح کرے۔ اور اکثر فقہاء اسے جائز قرار دیتے ہیں کہ جس شخص نے فصد کرائی ہو وہ پٹی پر مسح کرے۔ اور ہاتھ کا وہ کھلا ہوا حصہ جو پٹی کے دو گرہوں کے درمیان ہے صحیح ترین قول کے مطابق اس پر مسح کافی ہے اس لئے کہ اگر وہ جگہ دھوئے گا تو پٹی بھیگ جائے گی۔ اور بسا اوقات پانی کی تری فصد کی جگہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اور جبیرہ اور پٹی کی مسح میں استیعاب (کلی پر مسح) شرط ہے حسنؒ کی روایت امام ابو حنیفہؒ سے کتاب "الاسرار" میں یہی بیان کی گئی ہے۔ اور بعض کے نزدیک اکثر پٹی پر مسح کرنا کافی ہے۔ اگر پٹی یا جبیرہ پر مسح کے بعد پھر اسے اتارے اور پھر باندھے تو اس کو مسح کا اعادہ کر لینا چاہئے لیکن اگر اعادہ نہ کرے تب بھی وہ پہلا مسح کافی ہے۔ اور اگر پٹی یا جبیرہ گر جائے اور دوسری بدل دی جائے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ مسح کا اعادہ کرے اور اگر نہ کرے تب بھی کافی ہے۔ اور جبائر پر تین مرتبہ مسح کرنے کی شرط نہیں بلکہ زیادہ صحیح قول کی رو سے ایک بار ہی مسح کر لینا کافی ہے۔ اور یہ جاننا ضروری ہے کہ جبیرہ پر مسح کا حکم موزہ پر مسح کے حکم سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ جبیرہ پر مسح حدث لاحق ہونے پر بھی درست ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کی موزہ جیسا کوئی مدت متعین نہیں۔ اور اگر جبیرہ زخم کے اچھے ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ویسے ہی گر جائے تو جبیرہ کا مسح باطل نہ ہوگا۔ البتہ اگر اچھا ہو جانے کی بنا پر گرے تو اس جگہ کا دھونا جہاں پر پٹی بندھی ہوئی تھی واجب ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک موزہ اتار دیا تو دونوں پاؤں کا دھونا واجب ہے۔

ان بعض موقت الی سن الایاس واکثر المشائخ وقتوا بستین سنۃ وبعض بخاری وخوارزم بخمس وخمسین سنۃ فما رأت بعدها لا یکون حیضا فی ظاہر المذہب

ترجمہ | تین خون عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں حیض، استحاضہ، نفاس۔ حیض بالغہ عورت کے رحم سے آنے والے خون کا نام ہے جو عورت کے بالغ ہونے کی عمر کم از کم نو سال ہے۔ اگر اس کو کوئی بیماری ہو اور نہ نا امیدی کا خون بند ہونے کی عمر ہوئی ہو تو پس رحم سے نہ آنے والا خون حیض نہ ہوگا اور اسی طرح وہ خون بھی حیض نہیں ہوگا جو بالغہ ہونے کی عمر یعنی نو سال سے قبل آئے۔ اور ایسے ہی بالغہ کے رحم سے بیماری کے باعث آنے والا خون۔ جب مسلسل آنے تو پھر دن خون کا آنا طبیعت اور عادت کے مطابق ہو وہ حیض شمار ہوگا اور رحم سے خلاف طبیعت آنے والا بیماری کے باعث خون حیض شمار نہیں ہوگا اس لیے کہ خون میں بیماری کا نہ ہونے کی قید لگائی ہے ضروری ہے کہ اس کی قید بھی لگائی جائے کہ یہ خون ولادت کے بعد کا نہ ہو تاکہ نفاس سے احتراز ہو جائے۔ یہ زیادہ صحیح قول کے مطابق حیض کی مدت نا امیدی کی عمر تک ہے۔ اکثر فقہاء کے نزدیک نا امیدی کی عمر ساٹھ سال اور بخاری و خوارزم کے فقہاء کے نزدیک پچپن سال ہے۔ اس مدت (عمر) کے بعد نظر آنے والا خون ظاہر مذہب و مسلک کی رو سے حیض شمار نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح | باب الحیض یعنی اس باب میں احکام حیض کا بیان ہے۔ عنوان میں صرف "الحیض" کے اور "الاستحاضہ" اور "النفاس" چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مقابلہ میں حیض کا وقوع زیادہ ہے۔ اور ان دونوں کی بہ نسبت حیض کے احکام و مسائل زیادہ ہیں اس لیے اصل عنوان اسے قرار دے کر اس کے ذیل میں استحاضہ اور نفاس کو بھی ذکر کر دیا گیا۔

المختصۃ۔ یہ قید لگا کر نکسیر اور فصد کے خون سے احتراز مقصود ہے جس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

لا داء بھا۔ وہ خون جو رحم کے علاوہ سے آئے اسے حیض قرار نہ دیں گے۔

ولا استحاضہ یعنی بعض اوقات مدت کی تبدیلی کے ساتھ حیض اور استحاضہ ایک ہی خون میں جمع ہو جاتے ہیں کہ اسی خون پر کبھی حیض اور کبھی استحاضہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

احتراز۔ یہ قید اس لیے لگائی تاکہ نفاس کے خون سے جو بچہ کی پیدائش کے بعد آتا ہے احتراز ہو جائے اگر کوئی کہے کہ کبھی حیض کا نفاس پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور احادیث میں اس کی مثالیں بہت ہیں اور امام بخاری نے بخاری شریف میں مستقل الگ باب باندھا ہے۔ لہٰذا نفاس پر حیض کے اطلاق میں مضائقہ نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کے اطلاق میں کوئی مضائقہ نہیں مگر دونوں کے درمیان امتیاز اور فرق ظاہر کرنے کے لیے مصنف نے نفاس کا مستقل ذکر کیا ہے اس لیے اس کی ضرورت نہیں کہ نفاس پر حیض کا اطلاق کر کے سکوت اختیار کر لیا جائے۔

والمختار انها اذا رأت دما قويا كالاسود والاحمر القاني كان حيضا ويبطل الاعتياد بالتغير قبل التمام وبعده وان رأت صفرة او خضرة او تربية فهي استحاضة واقله ثلثة ايام ولياليها واكثره عشرة وعند ابي يوسفؒ اقله يومان والاكثر من اليوم الثالث وعند الشافعيؒ اقله يوم وليلة واكثره خمسة عشر ونحن نتمسك بقوله عليه السلام اقل الحيض للجارية البكر والثيب ثلثة ايام ولياليها واكثره عشرة ايام ثم اعلم ان ثبوت الحيض منوط بخروج الدم الى الفرج الخارج فاذا لم يصل الى الفرج الخارج بحيلولة الكرسف لا يتحقق الحيض فعند وضع الكرسف انما يتحقق الخروج اذا وصل الدم الى ما يحاذي الفرج الخارج من الكرسف فاذا احمر من الكرسف ما يحاذي الفرج الداخل لا يتحقق الخروج الا اذا رفعت الكرسف فيتحقق الخروج من وقت الرفع وكذا في الاستحاضة والنفاس والبول ووضع الرجل القطنة في الاحليل والقلفة كالخارج ثم وضع الكرسف مستحب للبكر في الحيض وللثيب في كل حال۔

ترجمہ راجح اور مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ اگر خون گہرا سیاہ یا گہرا سرخ نظر آئے تو وہ حیض ہے اور ہمیشہ سے شمار کی جانے والی عادت (خون نظر آنے پر) ختم ہو جائے گی خواہ (عادت) پوری ہونے سے قبل خون نظر آئے اور بعد میں نظر آئے تو ہمیشہ سے شمار کی جانے والی عادت باطل نہ ہوگی۔ اور اگر خون زرد یا سبز یا خاکی ہو تو وہ استحاضہ ہے۔ اور حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین رات اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کم سے کم مدت حیض دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کم سے کم مدت حیض ایک دن اور ایک رات ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہیں۔ ہمارا استدلال یہ ارشاد رسولؐ ہے کہ حیض کی کم سے کم مدت کنواری اور شادی شدہ (یا باکرہ اور ثیبہ) کے لئے تین دن اور تین رات اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں۔ پھر واضح رہے کہ حیض کی ابتداء اس وقت سے ہی مانی جاتی ہے کہ خون شرمگاہ کے خارجی حصہ تک آجائے۔ اور اگر خون شرمگاہ کے داخلی حصہ تک پہنچا ہو اور کرسف (شرمگاہ پر رکھا ہوا کپڑا) کے حائل ہونے کی وجہ سے خون شرمگاہ کے خارجی حصہ تک نہ پہنچا ہو تو نماز نہ توڑے اور ترک نہ کرے۔ اور کرسف کے رکھنے کے وقت حیض اس وقت ثابت ہوگا جب کہ خون کرسف کے اس حصہ تک آجائے جو شرمگاہ کے خارجی حصے کے بالمقابل ہو۔ پس اگر کرسف کا وہ حصہ خون سے سرخ ہو جائے جو شرمگاہ کے داخلی دروازے کے بالمقابل ہوتا ہو تو جب تک کرسف نہ ہٹا لیا جائے خروج حیض کا تحقق نہ ہوگا، اور خروج کرسف اٹھانے کے وقت سے متحقق ہوگا۔ استحاضہ، نفاس اور پیشاب کا بھی یہی حکم ہے۔ اور یہی حکم اس صورت میں ہے کہ مرد اپنے عضو تناسل کے سوراخ میں روئی رکھ لے

اور تلقدم ایام مقتضیہ کا حکم فاسد کا سا ہے۔ پھر باکرہ و کنواری عورت کے لیے دوران حیض کرسف رکھنا اور ثیبہ کے لیے مستقل رکھنا مستحب ہے۔

تشریح و توضیح

ویبطل الخ یعنی اگر کسی عورت کو طلاق دی جائے جسے حیض آتا ہو وہ عمر کو پہنچ جائے کہ وہ سے بند ہو گیا اور وہ تین ماہ عدت کے پورے کر رہی ہو لیکن ابھی تین ماہ پورے نہ ہوئے ہوں کہ اسے خون آ جائے تو یہ عدت ختم ہو کر از سر نو اس کی عدت تین حیض ہوگی، کیونکہ اب وہ آئسہ نہیں رہی لیکن اگر تین ماہ پورے ہو جانے کے بعد یہ صورت پیش آئے تو عدت باطل نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی دوسرا شخص تین ماہ پورے ہو جانے کے بعد اس سے نکاح کرے تو یہ نکاح فاسد نہیں ہوگا۔

وان رأت: یعنی اگر آئسہ مدت مذکورہ کے بعد زرد یا سبز یا خاکی رنگ کا خون دیکھے تو اسے حیض کا نہیں بلکہ استحاضہ (بیماری) کا خون قرار دیا جائے گا۔

لا تنقضی الخ: یعنی اگر عورت کو خون شرمگاہ کے بیرونی حصہ تک نہ آنے کی وجہ سے حائضہ نہیں ہوئی اس لیے نماز ترک نہ کرے بلکہ حسب معمول پڑھتی رہے۔ البتہ جب خون کرسف کے اس حصہ تک آ جائے جو شرمگاہ کے بیرونی حصہ کے محاذی ہو تو اب شرعاً حائضہ شمار ہونے کی بنا پر نماز ترک کر دے۔

من وقت الرفع: یعنی غیر حائضہ جب رات کے شروع میں کرسف رکھے اور صبح کو اٹھا کر خون کا دھبہ دیکھے تو اس کے لیے حکم حیض ثابت ہو جائے گا اور وہ حائضہ قرار دی جائے گی۔ اسی طرح حائضہ اگر کرسف رکھے اور صبح کو اس پر کوئی خون کا دھبہ نظر نہ آئے بلکہ اس پر سفیدی دیکھے تو کرسف رکھنے کے وقت سے وہ پاک اور غیر حائضہ شمار ہوگی۔

بالقطنۃ: قاف کے ضمہ کے ساتھ روئی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں جسے فارسی زبان میں پنبہ دانہ کہا جاتا ہے۔

وموضعه موضع البكارة ويكره في الفرج الداخل فالطاهرة اذا وضعت اول الليل غدوة ثم رأت عليه اثر الدم فالآن يثبت حكم الحيض وانما يثبت اذا وضعت اول الليل ورأت عليه البياض حين اصبحت حكم بطهرها وقتما من حين وضعت والطهر المتخلل اي بين الدمين في مدته اي في مدة الحيض وما رأت من دم فيها اي في المدة سوى انيا فـ حيض فقوله والطهر مبتدأ وما رأت عطف عليه وحيض خبره واعلم ان الطهر الذي يكون اقل من خمسة عشر يوما اذا تخلل بين الدمين فان كان اقل من ثلاثة ايام لا يفصل بينهما بل هو كالدم المتوالي اجماعا وان كان ثلاثة ايام او اكثر فعند ابي يوسف وهو قول ابي حنيفة رح آخرا لا يفصل وان كان اكثر من عشرة ايام يجوز بداية الحيض وختمه بالطهر على هذا القول فقد ذكر ان الفتوى على هذا تيسيرا على المفتي والمستفتي۔

ترجمہ اور کرسف رکھنے کی جگہ بکارت کا مقام ہے ، جو بیرونی اور اندرونی شرمگاہ کے اندر ہوتا ہے اور شرمگاہ کے بالکل اندرونی حصہ میں رکھنا مکروہ ہے۔ اگر کوئی پاک (غیر حائضہ) عورت رات کے اول حصہ میں کرسف رکھے اور بوقت صبح اسے کرسف پر خون کا اثر دکھائی دے تو اب وہ صبح کے وقت سے حائضہ شمار ہوگی، اور حائضہ جب رات کے اول حصہ میں کرسف رکھے اور بوقت صبح وہ سفیدی دیکھے تو کرسف رکھنے کے وقت سے وہ پاک شمار ہوگی۔ اور وہ طہر (خون نہ آنا) جو دو حیضوں کے درمیان ہو مدت حیض میں ہو تو حیض ہے اور سفیدی کے علاوہ جو رنگ بھی مدت حیض میں نظر آئے وہ حیض ہے۔ پس مصنف کا قول "والطہر" مبتدا ہے اور "ومارأت" اس پر معطوف ہے اور "حیض" اس کی خبر ہے۔ واضح رہے کہ وہ طہر جس کی مدت پندرہ دن سے کم ہو اگر دو خونوں کے درمیان آ جائے، پس تین دن سے کم ہو تو اسے دونوں خونوں کے درمیان فصل قرار نہ دیں گے بلکہ پایا جانا اس کا حکم ہے درپے مسلسل آنے والے خون کا سا ہوگا، اور اگر تین دن یا تین دن سے زیادہ ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بلکہ امام ابو حنیفہؒ کا بھی دوسرا قول ہے اسے بھی فصل قرار نہ دیں گے بلکہ حیض ہی میں داخل شمار کریں گے خواہ یہ طہر فاصل دس دن سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ پس صرف اس قول کی رو سے حیض سے آغاز اور طہر پر اختتام جائز ہوگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ فتویٰ اسی قول پر ہے کیونکہ اس میں مفتی اور مستفتی دونوں کے لئے آسانی ہے۔

تشریح و توضیح (ومارأت علیہ البیاض الخ) بیاض سے مراد یہ ہے کہ ایسی سفید رطوبت دیکھے جس میں کسی اور رنگ کی آمیزش نہ ہو، وہ رطوبت خون بند ہونے کے بعد سفید دھاگے سے مشابہ یعنی بالکل سفید عورت کی شرمگاہ سے نکلتی ہے۔

الطہر۔ طا کے ضمہ کے ساتھ۔ فقہاء کی اصطلاح میں دو حیضوں کے درمیان فصل اور پاکی کی مدت کہتے ہیں۔ اس کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی حد نہیں۔

حیض۔ یعنی خواہ حقیقتاً حیض ہو یا حکماً ہو۔

الذی یکون باتفاق۔ قید اس لئے لگائی کہ اگر دو خونوں کے درمیان پندرہ دن کا فصل ہو تو یہ بالاتفاق فاصل شمار ہوگا۔

وفی روایة محمد عنه انه لا یفصل ان احاط الدم بطرفيه فی عشرة او اقل وفی روایة ابن المبارك عنه انه يشترط مع ذلك كون الدمين نصاباً وعند محمد يشترط مع هذا كون الطهر مساويا بالدمين او اقل ثم اذا صار دما عنده فان وجد فی عشرة هو فيها طهر آخر يغلب الدمين المحيطين به لكن يصير مغلوبا ان قدّ ذلك الدم الحكمی دما فانه يعد دما حتی يجعل الطهر الآخر حيضا ايضا الا فی قول ابن سهل ولا فرق بين كون الطهر الخ

مقدما علی ذلک الطهر او مؤخرا وعند الحسن بن زیاد رحمهما الله الطهر الذی یکون ثلثة او اکثر یفصل مطلقا فهذا ستة اقوال.

ترجمہ اور امام محمدؒ کی امام ابو حنیفہؒ سے منقول ایک روایت میں ہے کہ اگر خون طہر کے دونوں طرف ہو اور طہر درمیان میں ہو اور وہ مدت طہر دس دن یا دس دن سے کم ہو تو اسے فاصل قرار نہ دیا جائے گا۔ ابن المبارکؒ سے منقول امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ طہر متخلل اس صورت میں حیض شمار ہوگا کہ دونوں دم (خون) مجموعی طور پر نصاب کو پہنچے ہوں (یعنی ان کی مدت تین دن تین رات یا اس سے زیادہ ہو) اور امام محمدؒ کے نزدیک ان شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ طہر دونوں دموں (خونوں) کے مساوی ہو یا کم ہو۔ پھر جب یہ طہر امام محمدؒ کے نزدیک حیض شمار ہو جائے۔ پس اگر اس کی مدت دس دن ہو تو یہ دوسرا طہر ہے جس کا دونوں نے اعادہ کر لیا۔ لیکن اگر دم عقلی کو بھی دم شمار کیا جائے گا تو یہ طہر مغلوب ہو جائے گا۔ اس صورت میں پہلے طہر کو دم (حیض) حکما شمار کریں گے۔ حتی کہ دوسرا طہر بھی حیض ہی قرار دیا جائے گا مگر ابو سہیل کے قول کی رو سے تو دوسرا طہر ان کے نزدیک حیض شمار نہ ہوگا اور اس سے کوئی فرق واضح نہ ہوگا کہ دوسرا طہر اس کا دم پر مقدم ہو یا مؤخر۔ امام حسن بن زیادؒ کے نزدیک وہ طہر جس کی مدت تین دن یا تین دن سے زیادہ ہو مطلقاً بلا قید فاصل شمار کیا جائے گا۔ پس یہ کل چھ قول ہیں۔

تشریح و توضیح لا یفصل الخ: یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے کہ مدت طہر پندرہ دن سے کم ہو خواہ تین دن ہو یا تین سے زیادہ۔ اس سے حکم میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔

انه یشترط الخ: اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ وہ طہر جس کی مدت تین دن یا تین دن سے زیادہ ہو اور پندرہ دن سے کم ہو وہ اس صورت میں حیض ہی شمار ہوگا جب کہ اس کے اول اور آخر دم (خون) ہو اور یہ طہر ان دو دموں کے درمیان میں آیا ہو۔

وعند محمد الخ: حاصل اس کا یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک طہر متخلل کے حیض شمار ہونے کی تین شرطیں ہیں (۱) دم طہر کے اول آخر ہو۔ خواہ دس دن کی مدت میں ہو یا اس سے کم میں (۲) دونوں دموں کا مجموعہ نصاب تک پہونچتا اور نصاب کو مکمل کرتا ہو (۳) طہر متخلل کی مدت دونوں دموں کی مدت کے مساوی یا دونوں کے مجموعہ سے کم ہو۔

وقد ذکر ان کثیرا من المتقدمین والمتاخرین افتوا بقول محمد رحمه الله ونحن نضع مثالا یجمع هذه الاقوال مبتدأة رأت یوما دما واربعة عشر طهرا ثم یوما دما وثمانیة طهرا ثم یوما دما وسبعة طهرا ثم یومین دما وثلثة طهرا ثم یوما دما و

وثلثة طهرا ثم يوما دما ويومين طهرا ثم يوما دما فهذه خمسة واربعون يوما ففي رواية ابي يوسف رحمه الله العشرة الاولى والعشرة الرابعة حيض وفي رواية محمد العشرة بعد طهر هو اربعة عشر وفي رواية ابن المبارك رح العشرة بعد طهر هو ثمانية وعند محمد رح العشرة بعد الطهر هو سبعة وعند ابي سهيل الستة الاولى منها وعند الحسن الاربعة الاخيرة وما سوى ذلك استحاضة.

ترجمہ اور متقدمین اور متاخرین کی اکثر کتابوں میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے۔ ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں جس میں یہ ذکر کردہ پانچ اقوال کھلے ہو جائیں گے۔ ایسی عورت جس نے بلوغ کی ابتداء میں پہلی بار حیض آیا ہو وہ ایک دن خون دیکھے اور چودہ دن تک رہے پھر ایک دن خون نظر آئے اور آٹھ دن طہر رہے۔ اس کے بعد ایک دن خون دکھائی دے اور سات روز خشک رہے پھر دو روز خون نظر آئے اور تین روز طہر رہے پھر ایک دن خون دیکھے بس یہ پینتالیس دن ہو گئے۔ تو امام ابو یوسفؒ کی روایت کی رو سے پہلا عشرہ اور چوتھا عشرہ حیض کا شمار ہوگا۔ اور امام محمدؒ کی امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت کے اعتبار سے چودہ روزہ طہر کے بعد والا عشرہ حیض کا قرار دیا جائے گا اور ابن المبارکؒ کی روایت کے لحاظ سے آٹھ دن طہر کے بعد والا عشرہ حیض کا شمار ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک سات دن طہر کے بعد والا عشرہ حیض کا قرار دیا جائے گا اور ابو سہیلؒ کے نزدیک طہر کے بعد والا پہلا عشرہ حیض کا ہوگا۔ اور حسن ابن زیاد کے نزدیک اخیر کے چار دن حیض کے شمار ہوں گے اور باقی دن استحاضہ کے ہوں گے۔

تشریح و توضیح وقد ذکر الخ یعنی مبسوط اور فتاویٰ کی دیگر معتبر کتب میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ کہنا شارحؒ کے اس قول کے خلاف ہے کہ فتویٰ سہولت کی خاطر امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی منافات نہیں، کیونکہ بہت سے فقہاء نے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور بہت سوں نے امام محمدؒ کے قول پر تو دونوں قول نقل کر دیئے گئے ہیں، اور ان میں ایک دوسرے کے درمیان تناقض نہیں۔

مبتدأۃ: یعنی وہ عورت جسے بالغ ہونے کے بعد پہلی بار حیض آیا ہو اور بلوغ کے آغاز ہی سے حیض کا تسلسل باقی نہ رہا ہو اور خلل واقع ہو گیا ہو۔ رہی معتادہ یعنی ایسی عورت جس کے ایام حیض مقرر و متعین ہوں، تو بقدر عادت مقدار حیض شمار ہوگی اور باقی استحاضہ کسی تکلف اور تفصیل کے بغیر۔

ففي كل صورة يكون الطهر الناقص فاصلا في هذه الاقوال سوى قول ابي يوسف رح فان كان احد الدمين نصابا كان حيضا وان كان كل منهما نصابا فالاول حيض وان لم يكن شيء منهما

فصار الكل استحاضة وانما استثنى قول ابى يوسف لان عنده لا يتاتى على قوله

ترجمہ ان سب اقوال میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے علاوہ ایک شکل ایسی پائی جاتی ہے کہ اس میں ناقص طہر دونوں کے درمیان فاصل ہوگا۔ پس اگر دونوں دموں سے ایک نصاب کو پہنچ جائے تو وہ حیض شمار ہوگا۔ اور اگر دونوں دموں میں سے ہر ایک نصاب کو پہنچے تو اول کو حیض قرار دیا جائے گا اور اگر دونوں دموں میں سے ایک بھی نصاب کو نہ پہنچے تو کل استحاضہ شمار کیا جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا کہ ان کے قول کے مطابق طہر ناقص فاصل نہیں ہوگا کیونکہ وہ اس کے قائل ہیں کہ طہر ناقص غیر فاصل ہے۔

تشریح و توضیح قولہ فصار الخ شارح نے طہر متخلل کی دو قسمیں کی ہیں۔ اول وہ طہر جس کی مدت تین دن کم ہو یہ بالاتفاق کسی کے نزدیک بھی دونوں کے درمیان فاصل اور علیحدہ پیدا کرنے والا اور جدا قرار دینے والا نہیں۔ دوسرے وہ طہر جس کی مدت تین دن یا تین دن سے زیادہ ہو۔ اس کے بارے میں مختلف صورتیں اور مختلف مذاہب بیان کر دئے گئے ہیں۔

فان کان الخ یعنی جب یہ ثابت ہو گیا کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کے علاوہ سارے اقوال میں طہر ناقص فاصل ہوگا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اگر دونوں دموں میں سے ایک اس طہر کو گھیرے اور مقدار نصاب کو پہنچ جائے یعنی کم از کم تین دن یا اس سے زیادہ ہو تو یہ دم حیض شمار ہوگا اور یہ طہر بعض تعریف نہ پائے جانے کی وجہ سے حیض شمار نہیں کیا جائے گا اور دوسرا دم استحاضہ ہوگا۔

واعلم ان الوان الحيض هي الحمرة والسواد فهما حيض اجماعا وكذا الصفرة المشبعة في الاصح والخضرة والصفرة الضعيفة والكدرة والتربية عندنا وفرق ما بينهما ان الكدرة ما يضرب الى البياض والتربية الى السواد وانما قدم مسألة الطهر المتخلل على الوان الحيض لانها متعلقة بمدة الحيض فالحقها بها ثم ذكر الالوان ثم بعد ذلك شرع في احكام الحيض فقال يمنع الصلوة والصوم ويقضى هو لا هي اي يقضى الصوم لا الصلوة بناء على ان الحيض يمنع وجوب الصلوة وصحة ادائها لكن يمنع وجوب الصوم فنفس وجوبه ثابت بل يمنع صحة ادائه فيجب القضاء اذا طهرت ثم المعتبر وقت تاخر الوقت

ترجمہ واضح رہے کہ حیض کے رنگ (یہ ہیں) سرخی اور سیاہی۔ یہ دونوں باتفاق حیض ہیں اور اسی طرح زیادہ صحیح قول کے مطابق گہرا زرد بھی حیض ہے اور سبز رنگ اور ہلکا زرد اور گدلا اور خاکی

ہمارے نزدیک یہ بھی حیض میں داخل ہیں۔ خاکی اور گدلے کے درمیان فرق یہ ہے کہ گدلا مائل بہ سفیدی ہوتا ہے اور خاکی مائل بہ سیاہی ہوتا ہے۔ اور طہر متخلل کا مسئلہ حیض کے رنگوں پر اس لئے مقدم کیا گیا کہ مسئلہ طہر مدت حیض سے متعلق ہے لہٰذا اسے اس کے ذکر کے ساتھ ملا دیا۔ اس کے بعد الوان (رنگوں) کا ذکر کیا گیا اور اس کے بعد احکام حیض شروع ہو گئے۔ پس مصنف فرماتے ہیں کہ حیض کے دوران نماز اور روزہ ممنوع ہے اور عورت پاکی کے بعد روزہ کی قضا کرے گی نماز کی نہیں۔ یعنی عورت پر روزوں کی قضا لازم ہوگی۔ اس عبارت کی بنیاد یہ ہے کہ حیض وجوب صلوٰۃ اور صحت ادا سے روکتا ہے مگر روزہ کے وجوب کو نہیں روکتا پس نفس وجوب ثابت ہو گیا۔ البتہ صحت ادا سے مانع ہے اگر دوران حیض ادا کرے جائز نہ ہوگی لہٰذا پاکی کے بعد قضا واجب ہوگی۔ پھر ہمارے نزدیک نماز کا آخری وقت معتبر ہے۔

تشریح و توضیح واعلم الخ مصنف نے طہر متخلل کی تعریف سے فارغ ہو کر حیض کے رنگوں کے بارے میں تفصیل بیان کرنی شروع کی اور ان کے فرق کو بتانے کا آغاز کیا۔

هي الحمرة والسواد الخ۔ حمرت (سرخی) تو خون کا اصل رنگ ہے رہی سیاہی تو سخت احتراق اور شدید سرخی کی بنا پر پیدا ہو جاتی ہے۔

اجماعا الخ۔ یعنی ان دونوں رنگوں کے حیض شمار ہونے پر احناف اور دوسرے فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے۔

وکذا الصفرة الخ۔ صاحب مختصر کے ساتھ یعنی گہرا زرد یہ بھی حیض میں شمار ہے۔

في الاصح۔ یعنی اس میں ان لوگوں کے قول کے ضعف کی طرف اشارہ ہے جو صفرۃ (زردی) کو مطلقاً یا تیرہ حیض قرار نہیں دیتے۔

والکدرۃ۔ یعنی خون کا وہ رنگ جو مائل بہ خاکی ہو۔

والتربیۃ۔ تا کے ضمہ (پیش) را کے زبر اور یا کے زیر کے ساتھ۔ مٹی کا رنگ۔

احناف کے نزدیک یہ سب مدت حیض میں حیض ہی شمار ہوتے ہیں۔ احناف کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ وہ خالص سفیدی کے علاوہ ہر رنگ کو حیض قرار دیتی تھیں۔ موطا امام مالک میں یہ مضمون موجود ہے۔

تقضیہ۔ یعنی ایام حیض کے روزوں کی قضا ہے نمازوں کی قضا نہیں۔ مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حیض آتا تو ہمیں روزہ کی قضا کا حکم ہوتا اور نماز کی قضا کا حکم نہ ہوتا۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور نماز و وجوب صوم میں یہ ہے کہ وہ تو صرف ایک مہینہ کے رکھنے لازم ہیں۔ اس کے برعکس نماز کہ وہ ہر روز پانچ بار پڑھی جاتی ہے اس بنا پر نماز کی قضا میں حرج عظیم ہے۔ نیز ظاہر یہ ہے کہ مدت حیض دس روز ہو لہٰذا شریعت نے سہولت کی خاطر ان دنوں کی نماز معاف کر دی۔

فاذا حاضت فی اٰخر الوقت سقطت وان طهرت فی اٰخر الوقت وجبت فاذا كانت طهارتها لعشرة وجبت الصلوٰة وان كان الباقی من الوقت لمحة وان كانت لاقل منها فان كان الباقی من الوقت مقدار ما يسع الغسل والتحريمة وجبت والا فلا فوقت الغسل يحتسب ههنا من مدة الحيض والصائمة اذا حاضت فی النهار فان كان فی اٰخره بطل صومها فيجب قضاؤه ان كان صوماً واجباً وان كان نفلاً لا بخلاف صلوٰة النفل اذا حاضت فی خلالها فانها تبطل ويجب قضاؤها وان طهرت فی النهار ولم تاكل شيئاً لا يجزئ صوم هذا اليوم لكن يجب عليها الامساك ولو طهرت فی الليل لعشرة ايام يجب صوم هذا اليوم وان كان الباقی من الليل لمحة وان طهرت لاقل من عشرة يجب الصوم ان كان الباقی من الليل مقدار ما يسع الغسل والتحريمة فان لم تغتسل فی الليل لا يبطل صومها۔

ترجمہ پس جب نماز کے اخیر وقت میں حیض آئے تو نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی، اور اگر نماز کے آخر وقت میں پاک ہوئی ہو تو اس وقت کی نماز اس پر واجب ہوگی۔ لہذا اگر دس دن کے بعد پاک ہو تو اگرچہ نماز کے وقت کا ایک لمحہ باقی ہو نماز اس پر واجب ہوگی۔ اور اگر دس روز سے کم میں پاک ہوئی ہو اس صورت میں اگر نماز کا اتنا وقت باقی ہو کہ غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو نماز اس وقت کی واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ پس غسل کا وقت یہاں حیض کی مدت سے شمار ہوگا۔ روزہ دار عورت اگر دن میں حائضہ ہو جائے اگرچہ حیض اخیر وقت میں آئے اس کا روزہ باطل ہو جائے گا اور واجب روزہ ہو تو اس کی قضاء لازم ہوگی اور نفل ہو تو قضاء واجب نہ ہوگی۔ اس کے برعکس نماز نفل کے دوران اگر حیض آ جائے تو نماز باطل ہو جائے گی اور اس کی قضاء واجب ہوگی۔ اور اگر حائضہ عورت دن میں پاک ہوگئی اور کوئی چیز نہیں کھائی تو روزہ کافی نہ ہوگا۔ مگر اس پر کھانا اور مفطرات سے بچنا واجب ہے۔ اور اگر دس دن پورے ہونے کے بعد رات میں پاک ہوئی ہو تو اس کے لئے اس دن کا روزہ رکھنا صحیح بلکہ واجب ہوگا اگرچہ رات کا ایک لمحہ ہی باقی ہو۔ اور دس دن سے کم میں پاک ہوئی ہو تو اگر رات کا اتنا حصہ باقی ہو کہ اس میں غسل کر سکے تو روزہ رکھنا واجب ہوگا اور رات میں غسل نہ کرے بلکہ دن میں کرے تو اس کا روزہ باطل نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح فاذا حاضت الخ یعنی عورت نے نماز کے اول اور اوسط وقت میں جب کہ وہ پاک تھی نماز نہیں پڑھی۔ پھر اخیر وقت نماز میں وہ حائضہ ہو گئی تو یہ نماز اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئی اور اب اس پر اس کی قضاء لازم نہیں ہوگی۔

وان کان الباقی الخ کیونکہ حیض کی مدت زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ اس لئے دس دن پورے ہونے پر حیض کا انقطاع یقینی ہے اور اس صورت میں ذرا سا وقت نماز کا باقی رہنے پر وجوب نماز ظاہر ہے۔

وقت ادراک یسع الغسل: یعنی جتنا غسل فرض ہے وہ کر لینے کا وقت باقی ہو۔

ان کان وقتہ الخ: یعنی اگر مسنون و مستحب روزہ ہو مثلاً محرم کی دس تاریخ کا روزہ یا عرفہ کے دن کا روزہ یا ایام بیض (ہر ماہ کی تیرہ چودہ و پندرہ کے) روزے وغیرہ تو اس کی قضا واجب نہ ہوگی۔

ولم تاکل شیئاً: یعنی اس نے طلوع فجر سے اس وقت تک کوئی چیز نہ کھائی ہو تب بھی یہ روزہ کافی نہیں اور اس کے بدلہ دوسرا رکھنا ہوگا۔

تمسک: یعنی رمضان شریف کے احترام کی خاطر اس پر کچھ نہ کھانا لازم ہے۔ جیسے اگر مسافر نصف النہار کے بعد مقیم ہو جائے یا پاگل کو افاقہ ہو گیا اور بیمار تندرست ہو گیا اور بچہ بالغ ہو گیا اور کافر مسلمان ہو گیا تو دن کے باقی حصہ میں احتراماً کچھ کھانا پینا نہ چاہئے۔

یصوم الخ: یعنی اگر رمضان شریف یا نذر معین کا روزہ ہو تو اس دن کا روزہ رکھنا واجب ہے۔

ودخول المسجد والطواف لكونه يُفعل في المسجد فان طافت مع هذا تعلقت به واقتراب ما تحت الازار كالمباشرة والتفخيذ ويحل القبلة وملامسة ما فوق الازار وعند محمدؒ يتقي شعار الدم اي موضع الفرج فقط ولا تقرأ القرآن كجنب ونفساء سواء كان آية او ما دونها عند الكرخيؒ وهو المختار وعند الطحاويؒ تحل ما دون الآية هذا اذا قصدت القراءة فان لم تقصدها نحو ان تقول شكراً للنعمة الحمد لله رب العالمين فلا بأس به ويجوز لهما التهجي بالقرآن والمعلمة اذا حاضت فعند الكرخيؒ تعلم كلمة كلمة وتقطع بين الكلمتين وعند الطحاويؒ نصف آية وتقطع ثم تعلم النصف الآخر واما دعاء القنوت فيكره عند بعض المشائخ وفي المحيط لا يكره وسائر الادعية والاذكار لا بأس بها

ترجمہ: اور حائضہ کے لئے مسجد میں داخل ہونا اور بیت اللہ کا طواف درست نہیں کیونکہ طواف مسجد حرام میں کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے باوجود کیا تو طواف ہو جائے گا اور حائضہ سے ناف سے لیکر گھٹنہ تک فائدہ اٹھانا ممنوع ہے مثلاً مباشرت یعنی بدن کا بدن سے ملانا یا رانوں میں آلہ تناسل لگانا اور بوسہ لینا اور ازار (تہ بند) کے اوپر سے چھونا درست ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک صرف شرمگاہ کے مقام سے اجتناب کرے۔ اور حائضہ عورت جنبی اور نفاس والی عورت کی طرح قرآن شریف نہ پڑھے خواہ ایک آیت یا ایک آیت سے کم ہو۔ امام کرخیؒ کا مسلک یہی ہے۔ اور اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ایک آیت سے کم کی تلاوت درست ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ تلاوت کا ارادہ ہو اور اگر بغرض تلاوت نہ ہو مثلاً بطور اظہار شکر نعمت کہے "الحمد للہ رب العالمین" تو اس میں کوئی مضائقہ

جنبی، اور قرآن کے بچے اس کے لیے جائز ہیں۔ اور معلمہ (تعلیم دینے والی عورت) اگر حائضہ ہو جائے تو امام کرخیؒ کے نزدیک جائز ہے کہ ایک کلمہ پڑھا جائے اور دو کلموں کے درمیان توقف کرے۔ اور امام طحاویؒ کے نزدیک نصف نصف آیت کی تعلیم دے۔ نصف آیت کے بعد ٹھہر کر پھر دوسری نصف پڑھا جائے اور دعائے قنوت تو بعض مشائخ کے نزدیک اس کے لیے اس کا پڑھنا مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔ اور ساری دعائیں اور اذکار ہیں ان سب کے لیے کوئی مضائقہ نہیں۔

تشریح و توضیح

ولیس علی الجنب الخ: اس لیے کہ جب اتنا وقت مل جائے کہ اتنے وقت میں غسل کرنا ممکن ہو تو اس پر روزہ رکھنا واجب ہے اور جنابت روزہ کے منافی نہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے سرے سے روزہ ہی نہ ہو۔ لہٰذا اگر رات کو غسل نہ کرے بلکہ دن میں کرے تب بھی روزہ پر اس کا اثر نہ پڑے گا۔

ودخول المسجد: یعنی بحالت حیض مسجد میں جانا بھی حائضہ کے لیے ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ میں مسجد میں داخلہ جنبی اور حائضہ کے لیے حلال قرار نہیں دیتا (ابوداؤد وغیرہ) اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ مسجد جنبی اور حائضہ کے لیے حلال نہیں۔ اور اطلاق میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ دخول مطلقاً ممنوع ہے خواہ قیام کے طور پر ہو یا مسجد سے گزرا جائے۔ اور تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے البتہ عیدگاہ اور جنازہ گاہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لیے کہ ان میں جنبی کا داخل ہونا اور مساجد کی طرح ممنوع نہیں۔ بحر الرائق وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

والطواف الخ: اور طواف بھی ممنوع ہے خواہ فرض ہو جیسے طواف زیارت یا نفل۔

لکونہ الخ: اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ مصنفؒ نے مسجد میں داخل کی ممانعت کے ذکر کے بعد الگ سے طواف کا ذکر کیوں کیا۔ جب کہ ممانعت کے تحت وہ خود بخود آ جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس وہم کو دور کرنے کے لیے علیحدہ ذکر کیا گیا کہ جس طرح اور ارکان حج اور مناسک حج مثلاً وقوف عرفہ و وقوف مزدلفہ منیٰ وغیرہ جنبی اور حائضہ کے لیے جائز ہیں اسی طرح طواف بھی جائز ہے۔ اس واسطے اس کی ممانعت کی صراحت کر دی گئی۔ دوسرے یہ کہ طہارت نفس طواف کے لیے شرط ہے۔ ممانعت کی بنیاد صرف دخول مسجد ہی نہیں۔ حتی کہ اگر وہاں مسجد بھی نہ ہو جیسے مسجد تا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تھا یا خدانخواستہ مسجد حرام شہید ہو جائے یا کوئی طواف کرنے والا خارج مسجد طواف کرے تب بھی طہارت ضروری ہے اور جنبی و حائضہ کے لیے طواف جائز نہ ہوگا۔

والاستمتاع بما تحت الازار: یعنی ناف کے نیچے سے گھٹنے تک استمتاع جائز نہیں۔ البتہ اوپر سے استمتاع جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے حائضہ عورت سے استمتاع کے بارے میں دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ ازار کے اوپر سے نفع اٹھا سکتے ہو۔ مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت

ہوگا دیکھے۔

کحل ما دون الآیۃ الخ۔ یہ اس بنیاد پر ہے کہ نماز میں فرض قرأت ''فاقرؤا ما تیسر من القرآن'' کی رو سے تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت ہے۔ اور اس سے کم قرأت ہو تو نماز درست نہیں ہوتی لیکن اس سے کم قرأت جنبی کے لئے ممنوع نہیں لیکن امام طحاویؒ کا یہ قیاس مع الفارق ہے اور ممانعت کی احادیث اس قیاس کو رد کر دیتی ہیں۔

فلا باس بھا۔ کیونکہ نیت کے ساتھ حکم بھی بدل گیا۔ اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ بطور دعا پڑھے اور تلاوت قرآن کا ارادہ نہ ہو تو جائز ہے۔

لا یکرہ۔ کیونکہ جمہور صحابہؓ کے نزدیک دعائے قنوت قرآن میں سے نہیں اس لئے بحالت جنابت اسکے پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ولا باس بھا۔ دوسرے اذکار اور دعاؤں کا بحالت جنابت پڑھنا درست ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر اللہ فرماتے تھے (ابوداؤد وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے) اگر جنبی شخص شکر اور افتتاح امر کے ارادہ سے بسم اللہ پڑھے تو بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ بارادۂ قرأت درست نہیں۔

ویکرہ قراءۃ التوراۃ والانجیل بخلاف المحدث متعلق بقولہ ولا تقرأ ولا تمس ہو ای الحائض والجنب والنفساء والمحدث مصحفا الا بغلاف متجاف ای منفصل عنہ واما کتابۃ المصحف اذا کان موضوعا علی لوح بحیث لا یمس مکتوبہ فعند ابی یوسفؒ یجوز وعند محمدؒ لا یجوز وکرہ بالکمّ ولا درھما فیہ سورۃ الا بصرۃ اراد درھما علیہ ایۃ من القرآن وانما قال سورۃ لان العادۃ کتابۃ سورۃ الاخلاص ونحوہ علی الدراھم

وحل وطی من تقطع دمھا لاکثر الحیض او النفاس قبل الغسل دون وطی من تقطع لاقل منہ ای لاقل من الاکثر وھو ان ینقطع الحیض لاقل من عشرۃ والنفاس لاقل من اربعین الا اذا مضی علیھا وقت یسع فیہ الغسل والتحریمۃ فیحل وطیھا وان لم تغتسل اقامۃ للوقت الذی یتمکن فیہ من الاغتسال مقام حقیقۃ الاغتسال فی حق حل الوطی

ترجمہ اور جنبی وحائضہ کو توراۃ وانجیل پڑھنا مکروہ ہے۔ بے وضو کو قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یہ مصنفؒ کے قول ''ولا تقرأ'' سے متعلق ہے۔ اور قرآن شریف چھونا ان کے لئے یعنی حائضہ جنبی اور نفاس والی عورتوں اور بے وضو کے لئے جائز نہیں البتہ غلاف جو اس سے علیحدہ ہو اس کو چھونا

جائز ہے۔ اور قرآن شریف لکھنا جب کہ مثلاً تختی پر اس طرح رکھا ہوا ہو کہ لکھتے ہوئے کو ہاتھ نہ لگ جائے تو
امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور آستین سے چھونا مکروہ تحریمی ہے
اور نہ اس درہم کو چھونا جائز ہے جس میں سورت لکھی ہوئی ہو۔ البتہ تھیلی میں ہو تو تھیلی کا چھونا درست ہے۔
درہم سے وہ مراد ہے جس پر قرآن شریف کی آیت لکھی ہو اور مصنفؒ نے سورۃ اس وجہ سے کہا کہ رواج ہو
سورۂ اخلاص وغیرہ لکھنے کا رواج ہے۔ اور جس عورت کا خون حیض کی اکثر مدت یعنی دس دن اور نفاس
کی اکثر مدت (چالیس دن) کے بعد بند ہو وہ غسل سے پہلے اس سے ہمبستری درست ہے اور جس کا خون اکثر
مدت سے کم میں بند ہو اس سے غسل سے قبل ہمبستری جائز نہیں۔ یعنی اگر حیض دس دن سے کم اور نفاس چالیس روز
سے کم میں بند ہوا ہو البتہ خون بند ہونے کے بعد اتنا وقت گذر گیا ہو جس میں غسل کرکے تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو اب غسل
سے پہلے بھی اس سے ہمبستری جائز ہے۔ ہمبستری جائز ہونے کی علت اتنے وقت کا گذر جانا ہے جس میں غسل
کرنا ممکن ہو۔

تشریح و توضیح

دیکرہ۔ یعنی توراۃ جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور اسی طرح زبور جس کا نزول حضرت داؤد علیہ السلام پر ہوا اور دیگر صحائف جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئے ان کی تعظیم بھی واجب ہے اور ان کا چھونا اس حالت میں مکروہ ہے۔

بخلاف المصحف للمحدث۔ بے وضو شخص کے لئے زبانی تلاوت قرآن یا دیکھ کر اس صورت سے جائز ہے کہ قلم وغیرہ سے اوراق پلٹے یا کوئی باوضو شخص اوراق پلٹنے کا کام انجام دے۔

ولا تمس۔ بے وضو کے لئے بھی قرآن شریف کو چھونا جائز نہیں۔ ارشاد ربانی ہے لا یمسہ الا المطہرون
اور حدیث شریف میں ہے کہ قرآن شریف صرف پاک شخص چھوئے۔ یہ حدیث نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند احمد اور
مستدرک حاکم وغیرہ میں موجود ہے۔

مصحفاً۔ یعنی قرآن شریف کو بحالت حدث بھی نہ چھونا چاہئے۔ البتہ نابالغ بچوں کو قرآن شریف دینے
میں چونکہ وضو کا اہتمام نہیں کرتے مضائقہ نہیں۔ کیونکہ بلا پر اس معاملہ میں سختی حفظ قرآن میں خلل انداز ہوگی۔

متجافٍ۔ یعنی قرآن شریف اور چھونے والے کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔

کتابۃ المصحف۔ یعنی اگر چینی وغیرہ کتابت کا انداز کرے۔

وکرہ۔ اپنی آستین اور دامن کے ساتھ یعنی آستین سے قرآن شریف چھونا ان ذکر کردہ افراد کے لئے
مکروہ تحریمی ہے۔ وحل وطی من تطہر۔ یعنی حیض و نفاس کی اکثر مدت میں اگر خون بند ہوا ہو تو شوہر کو غسل سے
قبل بھی ہمبستری جائز ہے۔

واعلم انه اذا انقطع الدم لاقل من عشرة ایام بعد ما مضی ثلثة ایام او اکثر فان انقطاع

فيما دون العادة يجب أن تؤخر الغسل إلى آخر وقت الصلوة فإذا خافت الفوات اغتسلت وصلّت والمراد آخر الوقت المستحب دون وقت الكراهة وإن كان الانقطاع على رأس عادتها أو أكثر أو كانت مبتدأة فتأخير الاغتسال بطريق الاستحباب وإن انقطع لأقل من ثلثة أيام أخرت الصلوة إلى آخر الوقت فإذا خافت الفوت توضأت وصلّت ثم في الصور المذكورة إذا عاد الدم في العشرة بطل الحكم بطهارتها مبتدأة كانت أو معتادة فإذا انقطع الدم لعشرة أو أكثر فبمضي العشرة يحكم بطهارتها ويجب عليها الاغتسال وقد ذكر أن المعتادة التي عادتها أن ترى يوما دما ويوما طهرا هكذا إلى عشرة أيام فإذا رأت الدم تترك الصلوة والصوم فإذا طهرت في اليوم الثاني توضأت وصلّت ثم في اليوم الثالث تترك الصلوة والصوم ثم في اليوم الرابع اغتسلت وصلّت هكذا إلى العشرة

ترجمہ واضح ہے کہ اگر عورت دس دن سے کم میں پاک ہوا اور تین دن یا تین دن سے زیادہ گزر گئے ہوں۔ پس اگر یہ خون اس کی خلاف عادت پہلے بند ہوا ہو تو نماز کے آخر وقت تک اس کو غسل مؤخر کرنا لازم ہے پھر قضا کا خوف ہو جائے تو غسل کرکے نماز پڑھ لے۔ آخر وقت سے مستحب وقت مراد ہے مکروہ وقت نہیں۔ اور اگر خون عادت کے مطابق یا عادت کے دنوں سے زیادہ میں بند ہوا ہو یا پہلی ہی بار حیض آیا ہو تو اس صورت میں غسل آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے (واجب نہیں) اور اگر خون تین دن سے کم میں بند ہو تو نماز میں آخر وقت تک تاخیر کرے پھر وقت فوت ہونے (قضا) کا اندیشہ ہو تو وضو کرکے نماز پڑھ لے۔ ان سب ذکر کردہ صورتوں میں اگر دس دن کے اندر پھر خون آجائے تو پاکی کا حکم باطل و کالعدم ہو جائے گا۔ خواہ مبتداہ ہو (جسے پہلی بار خون آیا ہو) یا معتادہ (جسے متعدد بار خون آچکا ہو اور عادت معلوم ہو) اور بیان کیا گیا ہے کہ وہ معتادہ جو ایک دن خون دیکھے اور ایک دن پاک رہے اسی طرح دس دن تک ہو تو جب خون دیکھے نماز اور روزہ ترک کردے اور اگلے دن پاک ہو تو وضو کرے اور نماز پڑھ لے دس دن تک اسی طرح کرے۔

تشریح و توضیح بعد ما مضى الخ اس میں ما مصدریہ ہے یعنی تین دن یا تین دن سے زیادہ گزرنے کے بعد خون بند ہو مثلاً سات یا پانچ روز میں خون بند ہوا ہو۔

فیما دون العادۃ الخ مثلاً عادت ہر ماہ سات دن خون آنے کی ہو اور پانچ دن خون آکر بند ہو جائے تو یجب الخ یعنی غسل کرنے میں جلدی سے کام نہ لے بلکہ غسل اور ادائیگی نماز میں تاخیر کرے۔ کیونکہ عادت کے مطابق خون کا لوٹنا زیادہ محتمل ہے اور خلاف عادت عموماً بہت کم ہوتا ہے البتہ اگر آخر وقت نماز تک نہ لوٹے تو احتیاطاً نماز پڑھ لے لیکن اس صورت میں اس سے ہمبستری شوہر کے لئے حلال نہیں۔

ساعت کم چھ ماہ ہوگی۔ اس کی شکل یہ ہے کہ ایک عورت کو پہلی مرتبہ حیض آیا اور دس دن تک آیا اور چھ ماہ پاک رہی۔ پھر برابر اسے خون آتا رہا، تو اس کی عدت تین ساعت کم انیس ماہ ہوگی۔ کیونکہ تین حیض کا ایک مہینہ ہوا (دس روز کے حساب سے) اور تین طہر چھ ماہ کے حساب سے تین ساعت کم اٹھارہ ماہ ہوئے اور جو خون حیض کی کم سے کم مدت سے کم ہو یعنی تین روز سے کم ہو اور اکثر مدت یعنی دس روز سے زیادہ ہو یا نفاس کی اکثر مدت یعنی چالیس دن سے گذر جائے یا حیض کی مقررہ عادت معلوم ہو اور یہ خون دس روز سے بڑھ جائے یا نفاس کی مقررہ مدت معلوم ہو اور چالیس روز سے زیادہ خون آئے یعنی جب کہ حیض کی عادت متعین ہو اور ہم سات دن فرض کرتے ہیں۔ پس خون بارہ دن دیکھے تو پانچ روز سات دن کے بعد استحاضہ کے شمار ہوں گے۔ اور مثلاً اس کی عادت نفاس تیس دن تھی پس خون اسے پچاس دن آیا تو تیس دن کے بعد بیس دن استحاضہ (بیماری) کے خون قرار دیئے جائیں گے۔ یہ حکم مستفادہ کلیہ ہے۔

تشریح و توضیح

ساعۃ الخ۔ اس سے مراد وقت کا کچھ حصہ ہے وہ ساعت مراد نہیں جو نجمیین کے نزدیک معتبر ہے۔

تنقضی عدتہا یعنی معتدہ کی عدت طلاق تین ساعت کم ۱۹ ماہ میں پوری ہو جائے گی۔

عن اقل الحیض الخ: حیض اور نفاس کے احکام سے فارغ ہو کر استحاضہ اور اس کے احکام کا بیان شروع ہوا۔ استحاضہ کی ایک قسم دم ناقص ہے یعنی وہ خون جو حیض کی کم سے کم مدت تین روز سے بھی کم آئے عورت کی شرمگاہ سے نکلنے والے خون کی تین قسمیں ہیں (۱) حیض (۲) نفاس (۳) استحاضہ۔ حیض و نفاس کی شرعاً مدت مقررہ سے یہ خون خارج ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر یہ تیسری قسم یعنی استحاضہ شمار ہوگا۔

او علی عادۃ یعنی حیض کی مقررہ عادت سے زیادہ آنے والا خون اور دس دن سے زیادہ آنے والا خون استحاضہ قرار دیا جائے گا۔

فرأت الدم اثنا عشر یوماً: اگر خون حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت یعنی دس دن تک آتا تو حیض کی مدت باقی رہنے کی بنا پر یہ حیض ہی شمار ہوتا۔ مگر بارہ دن آنے کی بنا پر یہ معلوم ہوا کہ عادت نہیں بدلی اور عادت کے خلاف آنے والا خون استحاضہ کا ہے۔ پس یہ عادت کے مقررہ دنوں کے خون کو حیض اور اس کے بعد کے دنوں میں آنے والے خون کو استحاضہ شمار کریں گے۔

وأت الخ۔ اگر خون بجائے تیس کے چالیس دن آ کر ختم ہو جاتا تو یہ کل نفاس کا ہی شمار ہوتا جیسا کہ حیض کے بارے میں بیان کیا جا چکا۔

ثم اراد ان يبين حكم المبتدأة فقال او على عشرة حيض من بلغت مستحاضة وعلى اربعين نفاسها المبتدأة اي التي بلغت مستحاضة حيضها من كل شهر عشرة ايام وما

زاد عليها استحاضة فيكون طهرها عشرين يوما واما النفاس فاذا لم يكن للمرأة فيه عادة فنفاسها اربعون يوما والزائد عليها استحاضة فقوله حيض من بلغت بالجر عطف بيان لعشرة وقوله نفاسها بالجر عطف بيان لاربعين او ما رأت حامل فهو استحاضة اى الدم الذى تراه الحامل ليس بحيض بل هو استحاضة فقوله وما نقص مبتدأ وقوله فهو استحاضة خبره ثم بين حكم الاستحاضة فقال لا تمنع صلوة وصوما ووطيا ومن لم يمض عليه وقت الا وبه حدث اى الحدث الذى ابتلى به من استحاضة او رعاف دائم او نحوهما يتوضأ لوقت كل فرض احترازا عن قول الشافعى فان عنده يتوضأ لكل فرض ويصلى النوافل بتبعية الفرض ويصلى به فيه ما شاء من فرض ونفل وينقضه خروج الوقت لا دخوله احترازا عن قول زفر فان الناقض عنده دخول الوقت وعن قول ابى يوسف فان الناقض عنده كلاهما

ترجمہ پھر مصنفؒ نے مبتدأہ کا حکم بیان کرنے کا ارادہ کیا پس فرمایا، اور دس دن حیض کے شمار ہوں گے اس عورت کے لئے جو کہ حالت استحاضہ ہی بالغ ہوا اور چالیس دن اس کے نفاس کے شمار ہوں گے مبتدأہ یعنی وہ عورت جو استحاضہ کی حالت میں بالغ ہو ہر ماہ کے دس روز اس کے حیض کے قرار دیئے جائیں گے اور اس سے زیادہ آنے والا خون استحاضہ قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا اس کی مدت طہر بیس دن ہوگی۔ اور نفاس پس اگر اس سلسلہ میں عورت کی مقررہ عادت نہ ہو تو اس کی مدت نفاس چالیس دن ہوگی اور اس سے زیادہ استحاضہ قرار دیا جائے گا۔ پس مصنفؒ کا قول حیض من بلغت، زیر کے ساتھ عطف بیان ہے۔ عشرہ (دس روز) کے لئے اور مصنفؒ کا قول نفاسھا جر (زیر) کے ساتھ ہے اربعین (چالیس) کا عطف بیان ہے۔ اور حاملہ جو خون دیکھے تو استحاضہ ہے یعنی وہ خون جو حاملہ کو نظر آئے وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔ پس مصنفؒ کا قول وما نقص مبتدأ ہے اور مصنفؒ کا قول فھو استحاضۃ اس کی خبر ہے پھر مصنفؒ نے استحاضہ کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا استحاضہ عورت کو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے اور اس سے ہمبستری درست ہے اور جس پر کسی فرض نماز کا وقت اس عذر کے بغیر نہ گذرے (مسلسل رہے) یعنی وہ حدث جس میں مبتلا ہو گیا ہو استحاضہ (کا خون) ہو یا نکسیر وغیرہ ہو تو وہ ہر فرض کے وقت (تازہ) وضو کرے اس میں امام شافعیؒ کے قول سے احتراز ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر فرض کے لئے وضو کرے اور فرض کے تابع ہو کر سب نوافل پڑھے۔ اور اسی وضو سے وقت کے اندر جتنی چاہے فرض اور نفل نماز پڑھے۔ اور وضو وقت ختم ہونے سے ٹوٹ جائے گا دوسرے وقت کے آنے سے نہیں ٹوٹے گا۔ اس میں امام زفرؒ کے قول سے احتراز ہے کیونکہ ان کے نزدیک دوسرے وقت کا آنا ناقض وضو ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول سے احتراز ہے

أي إذا طلقها زوجها تنقضي عدتها بخروج هذا السقط

ترجمہ تو جس نے زوال سے قبل وضو کیا وہ ظہر کے آخر وقت تک نماز پڑھے گا اور امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک درست نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وقت کے دخول سے وضو باقی نہیں رہتا جس نے طلوع شمس سے قبل وضو کیا ہو وہ تو اس وضو سے وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھے گا اور نہ طلوع آفتاب کے بعد لیکن وہ (الزمیر) طلوع صبح صادق کے بعد وضو کرے گا. امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لئے کہ یہاں پر اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناقض وضو پایا گیا اور وہ وقت کا نکلنا ہے. امام زفرؒ کے نزدیک ناقض وضو نہیں پایا گیا اس لئے کہ ان کے نزدیک دخول وقت ناقض وضو ہے اور وہ پایا نہیں گیا. اور بچہ کی پیدائش کے بعد آنے والے خون کا نام نفاس ہے اور اس کے کم کی کوئی حد نہیں. اور زیادہ سے زیادہ اس کی مدت چالیس دن ہے. امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اکثر مدت ساٹھ دن ہے. اور جڑواں بچوں میں یہ خون پہلے بچہ سے شمار ہوگا. امام محمدؒ کے نزدیک دوسرے بچہ سے نفاس کا اعتبار کیا جائے گا. جڑواں وہ دو بچے کہلاتے ہیں جن کی پیدائش کے درمیان اقل مدت حمل یعنی چھ ماہ سے کم ہو. اور عدت بالاتفاق دوسرے بچہ کی پیدائش پر پوری ہوگی اور وہ ناتمام بچہ جس کے بعض اعضا ظاہر ہو گئے ہوں. (سقط) مبتدا ہے. یری اس کی صفت اور ولد اس کی خبر ہے. تو عورت کو اس کے بعد آنے والا خون نفاس کا کہلائے گا. اور ایسے بچہ کی پیدائش سے باندی ام ولد بن جائے گی. اور بچہ کی پیدائش پر معلق طلاق اس کی پیدائش سے پڑ جائے گی یعنی شوہر نے کہا اگر تو بچہ جنے تو تجھ پر طلاق تو اس ناتمام بچہ کی پیدائش سے جس کے بعض اعضا ظاہر ہو گئے ہوں طلاق پڑ جائے گی. اور اس کی عدت پوری ہو جائے گی. یعنی اس کے شوہر نے بحالت حمل طلاق دی ہو تو اس ناتمام بچہ کی پیدائش کے ساتھ عدت پوری ہو جائے گی.

تشریح و توضیح فیصلہ: ان کا حاصل اس کا یہ ہے کہ معذور اگر زوال سے قبل وضو کرے تو اس کے لئے اس وضو سے ظہر کے وقت کے آخر تک امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نماز جائز ہو پھر ظہر کا وقت ختم ہو جانے کے ساتھ اس کا وضو ٹوٹ جائے گا. اور امام ابو یوسفؒ و امام زفرؒ کے نزدیک اس کے لئے اس وضو سے قبل زوال نماز پڑھنا درست ہے البتہ زوال کے بعد اس وضو سے نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ دخول وقت امام ابو یوسفؒ و امام زفرؒ دونوں کے نزدیک ناقض وضو ہے. اور اگر صاحب عذر شخص صبح صادق کے طلوع کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے وضو کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل اس وضو سے جس قدر چاہے نماز پڑھے اور اس کے بعد درست نہیں. یہ تینوں ائمہ کے نزدیک ہے کیونکہ خروج وقت ان تینوں (امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ) کے نزدیک ناقض وضو ہے

یہ ہے کہ قطرے کے ٹپکنے بند ہو جائیں۔ اگر موزہ پر ذی جرم (دلدار) نجاست لگ کر خشک ہو جائے تو موزہ کو زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر دلدار نجاست تر ہو تب بھی رگڑ کر ملنے سے پاکی کا حکم ہوگا اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور غیر دلدار نجاست کو صرف دھونے ہی سے پاکی حاصل ہوگی یعنی غیر دلدار نجاست موزہ پر لگ جائے تو دھونے سے پاک ہوگا۔ مثلاً پیشاب وغیرہ۔ شئی کا محض دھونے سے پاکی حاصل ہوگی

تشریح و توضیح

یطہر الخ مجہول کا صیغہ تطہیر سے مشتق ہے۔ اور صیغہ معروف بھی ہو سکتا ہے الطہارۃ سے مشتق

بدن المصلی الخ یہاں بدن سے مراد جسم ہے "مغرب" اور "کنز الدقائق" میں تصریح ہے کہ بدن سے مراد اطراف کے علاوہ کا نام ہے اور جسد ان سب کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور نماز پڑھنے والے کی طرف اضافت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ ادائیگی نماز کے لئے نجاستوں سے پاکی ضروری ہے

وثوبہ او بمصلی کے کپڑوں کا پاک ہونا ارشاد ربانی وثیابک فطہر (الآیۃ) سے ثابت ہے۔

وبکل مائع الخ یعنی نمازی کا بدن کپڑے اور جگہ پانی نہ ہو تو رقیق و بہنے والی چیز سرکہ، گلاب وغیرہ سے پاک کر سکتے ہیں۔ بہنے والے کی قید لگا کر نہ بہنے والی پاک چیزوں سے احتراز مقصود ہے مثلاً برف وغیرہ اور طاہر کی قید لگا کر ناپاک چیزوں سے احتراز ہے۔ مثلاً ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور مزیل کی قید لگا کر ان چیزوں سے احتراز مقصود ہے جن سے نجاست زائل نہ ہوتی ہو مثلاً دودھ اور تیل وغیرہ کہ ان میں چکناہٹ ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق طہارت صرف پانی سے حاصل ہو سکتی ہے دوسری بہنے والی اشیاء سے نہیں۔

مما لم یر الخ یعنی نظر نہ آنے والی نجاست تین مرتبہ پانی یا رقیق سیال پاک شئے سے پاک کریں گے اور ہر بار نچوڑیں گے تب کپڑا پاک ہوگا۔ اور ظاہر روایت کے مطابق محض دھونا کافی نہ ہوگا۔

بقدر قوتہ یعنی دھونے والا جس قدر قوت رکھتا ہو اس کے مطابق زور لگا کر نچوڑے۔

وعن المنی بغسلہ سواء کان رطباً او یابساً او فرکہ یابساً ان کان رأس الذکر طاہراً بان بال ولم یتجاوز البول عن راس مخرجہ او یتجاوز واستنجیٰ ولا فرق بین الثوب والبدن فی ظاہر الروایۃ وفی روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ رح لا یطہر البدن بالفرک والسیف ونحوہ بالمسح والبساط یجری الماء علیہ لیلۃ والارض والآجر المفروش وذہاب الاثر للصلوٰۃ لا للتیمم ای یجوز الصلوٰۃ علیہما ولا یجوز التیمم بہما ولکن الخص فی المغرب ہو بیت من قصب والمراد ہہنا السترۃ التی تکون علی السطوح من القصب وشجر وکلأ قائم فی الارض لو تنجس ثم جف طہر وہو المختار وما قطع منہما بغسلہ لا غیر لما ذکر تطہیر النجاسات شرع فی تقسیمہا علی الغلیظۃ والخفیفۃ وبیان ما ہو عفو منہما

ترجمہ اور جس چیز پر رقیق منی لگ جائے وہ دھونے (ہی) سے پاک ہوتی ہے خواہ تر ہو یا خشک یا خشک منی کپڑے وغیرہ ہی سے کھرچ ڈالے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ منی نکلنے کے وقت آلۂ تناسل کا سر پاک ہو کر پیشاب مخرج سے آگے نہ بڑھا ہو یا آگے بڑھا ہو اور اس نے استنجا کر لیا ہو۔ اور بظاہر روایت کے مطابق بدن اور کپڑے کے کھرچ کر طہارت حاصل کرنے کے حکم میں کوئی فرق نہیں۔ اور حسن ابن زیاد نے امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت کی ہے کہ بدن پر منی لگ جائے تو کھرچنے سے بدن پاک نہ ہوگا۔ اور تلوار وغیرہ پونچھنے (اور کپڑے وغیرہ سے صاف کرنے سے) اور زمین وغیرہ سوکھنے سے پاک ہو جاتی ہیں۔ اور وہ فرش جس کا دھونا دشوار ہو ایک رات دن اس پر پانی بہانے سے پاک ہو جائے گا۔ اور زمین اور اینٹوں کا فرش خشک ہونے سے پاک ہو جائے گا۔ اور نماز کے لئے اثر نجاست ختم شدہ شمار ہوگا (اور بنا بریں اس پر جائز ہوگی) تیمم کے لئے ختم شدہ قرار نہ دیں گے یعنی نماز زمین اور اس فرش پر جائز ہوگی اور ان دونوں پر تیمم جائز نہ ہوگا۔ اور ایسا ہی خاص طور پر "مغرب" میں اس گھر کا حکم جو نرکل کا ہو اور اس کا چھپر۔ وہ سترہ اور آڑ مراد ہے جو گھروں کی چھتوں پر نرکل کی بنا لیتے ہیں۔ اور درخت اور زمین پر اگی ہوئی گھاس اگر ناپاک ہونے کے بعد خشک ہو جائے تو راجح قول کے مطابق سوکھنے سے پاک ہو جائے گی۔ اور جو درخت اور گھاس اس کے کٹے ہوئے ہوں وہ صرف دھونے ہی سے پاک ہوں گے۔ مصنفؒ نے نجاستوں سے پاکی کا بیان کرتے ہوئے اس کی تقسیم غلیظہ اور خفیفہ سے کی اور یہ بیان کیا کہ ان دونوں کی کتنی مقدار معاف ہے۔

تشریح و توضیح او فرکہ یابسہ الخ یعنی خشک منی رگڑ کر صاف کرنے سے پاکی حاصل ہو جائے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھوتی تھی۔ (یہ روایت مسلم شریف میں موجود ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی تھی۔ (مسلم میں بھی یہ روایت ہے) دارقطنی اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی اس کے تر ہونے کی صورت میں دھوتی تھی اور خشک ہونے کی شکل میں رگڑ دیتی تھی۔

بان بال الخ یعنی اگر آلہ تناسل کا سر پاک نہ ہو تو اس کی منی نجاست سے اختلاط ہو سکنے کی بنا پر صرف رگڑنے سے پاکی حاصل نہ ہوگی۔

لا یطہر البدن الخ یعنی رگڑ کر نجاست منی وغیرہ دور کرنے سے بدن پاک نہ ہوگا کیونکہ حرارت بدن نجاست جذب کر لیتی ہے اور اس کا ازالہ پانی ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب: بظاہر روایت کے مطابق یہ مگر اتنی مقدار مقرر رہنا اور آسانی کے پیش نظر معاف ہے۔

والسیف الخ یعنی تلوار وغیرہ مثلاً آئینہ اور چینی اشیاء اگر پاک چیز سے رگڑ کر نجاست کا اثر زائل کر دیا جائے تو انہیں پاک قرار دیا جائے گا۔

والاجر۔ فارسی میں اسے خشت اور اردو میں اینٹ کہتے ہیں۔ مفروش کی قید اس لئے لگائی کہ اگر زمین پر اس کا فرش نہ ہو بلکہ اس طرح پڑی ہوئی ہوں کہ انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے تو ان کا حکم زمین کا سا نہ ہوگا اور یہ اس صورت میں خشک ہونے سے پاک نہ ہوں گی۔

ولا یجوز التیمم الخ۔ جس چیز سے تیمم کرکے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے وہ نص (قرآن شریف) سے ثابت ہے۔ یعنی "فتیمموا صعیدا طیبا" کا حکم بلا کسی ترمیم و اضافہ کے اپنی جگہ برقرار رہے گا۔

فقال وقدر الدرهم من نجس غليظ كالبول والدم والخمر وخرء الدجاجة وبول الحمار والهرة وخرء الفأرة وروثه وخثي وما دون ربع الثوب من خفيف كبول الفرس وما يؤكل لحمه وخرء طير لا يؤكل لحمه معفو وإن زاد لا. قيل المراد بربع الثوب ربع أدنى ثوب يجوز فيه الصلوة وقيل ربع الموضع الذي أصابته النجاسة كالذيل والكم والدخريص وقدّره أبو يوسف بشبر في شبر وعفي قدر الدرهم وزنا بقدر مثقال في الكثيف ومساحة بقدر عرض كف في الرقيق المراد بعرض الكف عرض مقعر الكف وهو داخل مفاصل الأصابع ودم السمك ليس بنجس ولعاب البغل والحمار لا ينجس طاهرا لأنه مشكوك فالطاهر لا يزول طهارته بالشك وبول انتضح مثل رؤوس الإبر ليس بشيء وماء ورد على نجس نجس كعكسه أي كما أن الماء نجس في عكسه وهو ورود النجاسة على الماء لا رماد قذر وملح كان حمارا أي لا يكون شيء منهما نجسا وفي رماد القذر خلاف الشافعي رحمه

ترجمہ پس فرمایا۔ اور ایک درہم (۳ ۱/۲ ماشہ) کے بقدر نجاست غلیظہ مثلاً پیشاب اور خون اور شراب اور مرغی کی بیٹ اور گدھے کا پیشاب اور بلی اور چوہے کا پیشاب اور لید اور گوبر معاف ہے یعنی اس کے لگے رہنے پر بھی نماز ہو جاتی ہے اور نجاست خفیفہ مثلاً گھوڑے اور وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان پرندوں کی بیٹ جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا چوتھائی کپڑے پر لگی ہوئی ہو تو معاف ہے اور اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں۔ چوتھائی کپڑے سے ایسے کپڑے کی چوتھائی مراد ہے جتنے کپڑوں سے نماز درست ہو جاتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کپڑے کی چوتھائی مراد ہے جس پر نجاست لگی ہوئی ہو۔ مثلاً دامن اور آستین اور کلی۔ اور امام ابو یوسفؒ نے اس کی مقدار طول میں بھی ایک بالشت اور عرض میں بھی ایک بالشت بیان کی ہے اور نجاست کثیف دکھائی دیتی ہو تو ایک درہم مثقال (۴ ۱/۲ ماشہ) برابر وزن کا اعتبار ہے اور رقیق (پتلی) ہو تو ہتھیلی کے گڑھے اور گہرائی کے بقدر معتبر ہے۔ ہتھیلی کی چوڑائی سے مراد ہتھیلی کے گڑھے کا عرض (چوڑائی) ہے اور وہ گہرائی انگلیوں کے جوڑوں میں داخل ہے اور مچھلی

کا خون نجس نہیں۔ اور خچر کے اور گدھے کے لعاب سے پاک چیز ناپاک نہیں ہوتی کیونکہ ان کی پاکی مشکوک ہے
اور پاک چیز کی پاکی مشکوک فی الطہارۃ چیز سے زائل نہیں ہوتی اور پیشاب سوئی کے ناکوں کے برابر چھینٹے
تو اس کا دھونا واجب نہیں۔ اور نجاست پر گرنے والا پانی نجس ہے جیسے اس کا عکس نجس ہے یعنی پانی میں
نجس چیز گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ نجس چیز کی راکھ نجس نہیں۔ اور گدھا نمکدان میں گر کر نمک بن جائے
تو وہ پاک ہے یعنی دونوں میں سے کوئی چیز ناپاک نہ ہوگی۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نجس کی راکھ بھی
نجس ہے

تشریح و توضیح

قدر ما الخ۔ درھم الخ یہ مبتدا ہے اور "معفو" اس کی خبر ہے۔

کبول الخ۔ اس سے مراد آدمی کا پیشاب ہے خواہ بچہ ہی کا پیشاب کیوں نہ ہو کہ وہ بھی نجس ہے۔ اسی طرح آدمی کے جسم سے نکلنے والی ہر اس چیز کا حکم ہے جس سے وضو یا غسل واجب ہوتا ہو۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد ہر اس جانور کا پیشاب ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور متعارف (چمگادڑ) کے پیشاب کو مستثنیٰ کیا ہو کہ وہ پاک ہے۔ اسی طرح اس کی بیٹ بھی پاک ہے۔ در مختار میں اسی طرح ہے

دم الخ۔ یعنی بہنے والا خون خواہ کسی بھی جانور کا ہو۔ کیونکہ نہ بہنے والا خون نجس نہیں۔ تو اس حکم سے شہید کا خون مستثنیٰ ہے کہ وہ اس کے بدن پر ہوتے ہوئے پاک ہے۔ بحر الرائق میں اسے ثابت کیا ہے۔

وخمر۔ شراب بالاتفاق نجاست مغلظہ ہے۔ اسی طرح دوسری نشہ آور رقیق چیزوں کا حکم ہے اور غیر رقیق نشہ آور چیزیں مثلاً افیون اور زعفران وہ پاک ہیں۔ شامی میں اس کی صراحت ہے۔

لیس بنجس الخ۔ مچھلی کا خون دراصل خون نہیں بلکہ رنگین رطوبت ہے جو خون کے مشابہ ہوتی ہے۔

لانہ مشکوک الخ۔ یعنی اگر کپڑے اور بدن پر خچر اور گدھے کا لعاب لگ جائے تو نماز پڑھنا اس کے لگے رہنے پر بھی درست ہے کیونکہ یقینی طہارت شک کی بنا پر زائل نہیں ہوتی۔

لا رماد الخ۔ کیونکہ انقلاب عین سے نجاست کا وصف زائل ہو جاتا ہے کیونکہ زوال ذات زوال وصف کو مستلزم ہے تو جب نجاست کی ہیئت بدلی اور وہ راکھ میں تبدیل ہو گئی تو سابق حکم نجاست کا باقی نہ رہا اور پاکی کے حکم سے بدل گیا۔

ویصلی علی ثوب بطانتہ نجس ای اذا لم یکن الثوب مضربا وعلی طرف بساط طرف آخر
منہ نجس یتحرک احدھما بتحریک الآخر اولا وانما قال ھذا احترازا عن قول من قال
انما یجوز الصلوۃ علی الطرف الآخر اذا لم یتحرک احد الطرفین بتحریک الآخر وفی ثوب
ظھر فیہ ندوۃ ثوب رطب نجس لف فیہ لا کما ینقطر شیئ لو عصر ای ظھر فیہ الندوۃ
بحیث لا یقطر الماء لو عصر او وضع رطبا علی ما طین بطین فیہ سرقین ویبس او

تنجس طرف منه فلفه وغسل طرفا آخر بلا تحرّ اي لا يشترط التحري في غسل طرف آخر من الثوب كحنطة بال عليها حمر تدوسها فقسم او وهب بعضها فيطهر ما بقي اعلم انه اذا وهب بعضها او قسمت الحنطة يكون كل واحد من القسمين طاهرا اذ يحتمل كل واحد من القسمين ان يكون النجاسة في القسم الآخر فاعتبر هذا الاحتمال في الطهارة لمكان الضرورة

ترجمہ اور نماز اس کپڑے پر درست ہے جس کا بطانہ نجس ہو یعنی اگر استر سلا ہوا نہ ہو تو اس پر نماز درست ہے۔ اور ایسا فرش جس کا ایک کنارہ نجس ہو اس پر نماز صحیح ہے خواہ ایک کنارہ کو ہلانے سے دوسرا کنارہ ہلے یا نہ ہلے۔ مصنفؒ نے یہ فرما کر ان لوگوں کے قول سے احتراز کیا جو یہ کہتے ہیں کہ فرش اگر اتنا بڑا ہو کہ ایک کنارے کے ہلانے سے دوسرا کنارہ نہ ہلے تو نماز درست ہے (ورنہ نہیں) اور اگر ناپاک کپڑے کو پاک کپڑے میں لپیٹے اور پاک کپڑے پر اس کی تری آجائے مگر اس قدر تری نہیں کہ کوئی قطرہ ٹپکے یعنی ایسا بھیگا ہوا کہ نچوڑنے پر کوئی قطرہ نہ ٹپکے تو اس پر نماز درست ہے یا تر کپڑا ایسی خشک زمین پر پھیلا کر نماز پڑھی جائے جس کو برتہ لیپا گیا ہو تو اس پر نماز درست ہے یا کپڑے کا ایک کنارہ نجس ہوجائے اور بھول کر دوسرا کنارہ بغیر تحری اور سوچے بغیر کے دھوئے تو اس پر نماز جائز ہے اس لئے کہ کپڑے کے دھونے میں تحری اصولاً کی شرط نہیں۔ جیسے گندم (وغیرہ) کے روندتے وقت گدھا (یا بیل) گندم پر پیشاب کردے اس کے بعد وہ گندم تقسیم ہو یا کچھ گندم کسی کو دیدیے جائیں تو باقی کے پاک ہونے کا (ظاہر روایۃ) حکم ہوگا۔ واضح رہے کہ جب گندم کا کچھ حصہ دیدیا جائے یا گندم تقسیم کردیئے جائیں تو گندم کے دونوں حصوں (تقسیم شدہ اور غیر تقسیم شدہ) کو پاک قرار دیا جائے گا اس لئے کہ دونوں حصوں میں یہ احتمال ہے کہ دوسرا ناپاک اور یہ حصہ پاک ہو لہذا اس احتمال کی بنا پر ضرورتاً سب کو پاک قرار دیں گے۔

تشریح وتوضیح اذا الحریر تحرك الخ یعنی اگر ایک کنارہ کے ہلانے سے دوسرا کنارہ ہلے تو فرش کے چھوٹا ہونے کی علامت ہوگی۔ اور دونوں کناروں کا حکم [illegible] کنارہ کا سا ہوگا تو گویا نجس کپڑے پر نماز پڑھنا لازم آئے گا۔ یہ حکم ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جو فرش کے بڑے ہونے کی قید لگاتے ہیں اور جو قید نہیں لگاتے ان کے نزدیک فرش کا حکم زمین کا سا ہوگا کہ جس طرح زمین میں نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے اس میں بھی صرف نماز پڑھنے کی جگہ کے پاک ہونے کو کافی قرار دیں گے۔

ظاهرا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر پاک کپڑا نجس تر کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور پاک کپڑے پر اس کا اتنا اثر آجائے کہ اگر نچوڑیں تو قطرے ٹپکنے لگیں، اس صورت میں اس کپڑے کے بھی ناپاک ہونے کا حکم کیا جائے گا اور اس پر نماز درست نہ ہوگی لیکن اگر صرف تری ظاہر ہو اور اس قدر نہ ٹپکے

کر قطرے ٹپک سکیں تو اکثر مشائخ (فقہاء) کے نزدیک وہ کپڑا نجس نہ ہوگا اور اس پر نماز درست ہوگی خلاصہ میں ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

لا یشترط الخ۔ حاصل یہ ہے کہ جب کپڑے کا ایک کنارہ اس یقین کے ساتھ دھوئے کہ یہی نجس کنارہ ہے اور متعین طور پر اسے معلوم نہ ہو یا معلوم ہو مگر بھول جائے تو تحری وظن غالب کے بغیر دھوئے ہی سارے کپڑے کو پاک قرار دیں گے کیونکہ دھوئے جانے والے کنارہ کی ناپاکی مشکوک ہے اور مشکوک سے یقینی کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

حمر الخ۔ حمار کی جمع ہے۔ اس کا پیشاب بالاتفاق نجاست مغلظہ ہے۔

فصل۔ الاستنجاء من كل حدث اي خارج من احد السبيلين غير النوم والريح فان قلت ان قيد الحدث بالخارج من احد السبيلين فاستثناء النوم مستدرك وان لم يقيد به فمن كل حدث غير النوم والريح يكون الاستنجاء منه سنة فيسن في الفصد ونحوه وليس كذلك قلت يقيد الحدث بالخارج من السبيلين واستثناء النوم فيوجد لانه من هذا القبيل لان النوم انما ينقض فيه لان فيه مظنة الخروج من السبيلين بحجر ونحوه حتى ينقيه بلا عدد سنة اي ليس فيه عدد مسنون عندنا خلافا للشافعي فان عنده ثلاثة احجار ويدبر بالحجر الاول ويقبل بالثاني ويدبر بالثالث صيفا ويقبل الرجل بالاول والثالث شتاء الادبار الذهاب الى جانب الدبر والاقبال ضده وانما ذكر في المتن اقبالا وادبارا مبالغة في التنقية وفي الصيف يدبر بالحجر الاول لان الخصية في الصيف مدلاة فلا يقبل احترازا من تلويثها ثم يقبل ثم يدبر مبالغة في التنظيف وفي الشتاء غير مدلاة فيقبل بالاول لان الاقبال ابلغ في التنقية ثم يدبر ثم يقبل للمبالغة وانما قيد بالرجل لان المرأة تدبر بالاول ابدا لئلا يتلوث فرجها والصيف والشتاء في ذلك سواء

ترجمہ استنجاء کرنا ہر حدث یعنی دونوں راستوں میں سے کسی راستہ سے نکلنے والے حدث کی بناء پر ہے جو سونے اور ریح کے علاوہ ہو۔ اگر تو کہے کہ متن میں "بالخارج من احد السبیلین" کی قید ہے تو "نوم" سونا از خود مستثنیٰ ہو گیا اگرچہ اس کی قید نہ لگائی جائے۔ پس سونے اور ریح کے علاوہ ہر حدث میں استنجاء مسنون ہوگا۔ پس فصد وغیرہ میں بھی مسنون ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "حدث" کو "بالخارج من السبیلین" کے ساتھ مقید کرنا اور سونے کا استثناء فائدہ دیتا ہے کیونکہ

یہ بھی اسی قبیل سے ہے اس لئے کہ نیند خود ناقض ہے اور نہ اس میں حدث کے دونوں راستوں سے نکلنے کا گمان ہے۔ پتھر وغیرہ سے استنجا کرنا یہاں تک کہ پاکی وصفائی حاصل ہو جائے کسی عدد کی قید کے بغیر مسنون ہے یعنی ہمارے نزدیک اس میں کوئی عدد مسنون نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تین کا عدد مسنون ہے۔ افضل یہ ہے کہ تین پتھر ہوں۔ پہلا پتھر آگے سے پیچھے کی طرف اور دوسرا پیچھے سے آگے کی طرف اور تیسرا آگے سے پیچھے کی جانب لیجائے گرمی کے موسم میں اور موسم سرما میں مرد پہلے اور تیسرے پتھر کو پیچھے سے آگے کی جانب لے جا کر استنجا کرے۔ "ادبار" کے معنی ہیں آگے سے پیچھے کی جانب لے جانا اور "اقبال" اس کی ضد ہے استنجے میں اقبال اور ادبار سے مقصود صفائی میں مبالغہ کرنا ہے اور موسم گرما میں پہلے پتھر سے ادبار کا حکم اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس موسم میں خصیے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں تو اقبال کو بیٹ سے احتراز کی خاطر نہیں کیا جاتا اور یہ اقبال وادبار پاکی وصفائی میں مبالغہ کی بناء پر ہوتا ہے۔ اور موسم سرما میں لٹکے ہوئے نہیں ہوتے لہٰذا پہلے پتھر سے اقبال کیا جاتا ہے کیونکہ پیچھے سے آگے کی طرف پتھر لانے سے زیادہ صفائی حاصل ہوتی ہے پھر مزید صفائی کی خاطر دوسرے پتھر سے ادبار اور تیسرے سے اقبال کیا جاتا ہے اور یہ قید اور تفصیل مخصوص مرد کے استنجے میں ہے۔ کیونکہ عورت ہمیشہ پہلے پتھر سے ادبار کرے اس لئے کہ وہاں گرمی اور سردی کسی موسم میں شرمگاہ کے نجاست سے ملوث کا اندیشہ نہیں۔

تشریح وتوضیح

غیر النوم الخ ریح کے نکلنے سے چونکہ مخرج کے راستہ پر کوئی نجاست نہیں لگتی پس استنجاء بھی مسنون نہیں بلکہ ایک اعتبار سے بدعت ہے۔ کتاب "مجتبیٰ" میں اس کی صراحت ہے۔ اور رہی نیند تو وہ فی نفسہٖ حدث ہے اور نہ نجس ہے۔

سنۃ الخ کیونکہ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت ثابت ہے۔ روایات کثیرہ اس کی نشاندہی کرتی ہیں۔

ای لیس الخ یعنی عند الاحناف عدد کی تعیین کے بغیر نفس استنجا سنت مؤکدہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایک پتھر سے پاکی وصفائی حاصل ہو جائے تو کافی ہے۔ احنافؒ کا مستدل یہ حدیث ہے کہ "جو شخص استنجا کرے وہ طاق عدد کا خیال رکھے پس جس نے ایسا کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جو ایسا نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں" یہ روایت ابوداؤد، ابن ماجہ، مسند احمد اور بیہقی وغیرہ میں موجود ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تین کا عدد مسنون ہے۔ ان کا مستدل مثلاً یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استنجے کے لئے تین پتھروں کا امر فرمایا کرتے تھے۔ یہ روایت نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد اور ابن حبان وغیرہ میں موجود ہے۔

مدلاۃ یعنی گرمی کے موسم میں خصیے حرارت کے سبب نیچے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور مخرج کے قریب پہونچ جاتے ہیں۔ اس صورت میں پہلے پتھر کو پیچھے سے آگے کی طرف لے جانے میں تلویث کا کافی احتمال ہے۔ اور دوسرے پتھر میں تلویث کا احتمال نجاست کم رہ جانے کی بناء پر بہت کم ہے۔

وانما قيد الخ یعنی یہ حکم کہ گرمی کے موسم میں پہلے پتھر کو پیچھے سے آگے کی طرف لے جایا جائے صرف مرد کے ساتھ مخصوص ہے، عورت اس سے مستثنیٰ ہے اور اس کے لئے ایک ہی حکم ہر موسم میں رہے گا۔

وغسله بعد الحجر ادب فيغسل يديه ثم يرخي المخرج مبالغة ويغسله ببطن اصبع او اصبعين او ثلث اصابع لا برؤسها ثم يغسل يديه ثانيا ويجب في نجس جاوز المخرج اكثر من درهم عند ابي حنيفة رح وابي يوسف رح وهو ان يكون ما جاوز اكثر من قدر الدرهم وعند محمد رح يعتبر ما تجاوز المخرج مع موضع الاستنجاء ولا يستنجي بعظم وروث وبيمين وكره استقبال القبلة واستدبارها في الخلاء ولا يختلف هذا عندنا في البنيان والصحراء

ترجمہ اور پتھر سے استنجے کے بعد پانی سے دھونا ادب ہے۔ تو اول دونوں ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد مخرج کو ڈھیلا چھوڑ کر خوب اچھی طرح ایک انگلی یا دو یا تین انگلیوں کے اندرونی حصوں سے دھوئے، انگلیوں کے سروں سے نہ دھوئے۔ اس کے بعد دوبارہ دونوں ہاتھ دھوئے۔ اور اگر نجاست مخرج سے درہم کے بقدر یا اس سے زیادہ بڑھ جائے گی تو دھونا واجب ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نجاست مخرج سے درہم کی مقدار اگر بڑھ جائے تو دھونا واجب ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مع مخرج کے اگر درہم کی مقدار سے بڑھ جائے تو دھونا واجب ہے۔ اور ہڈی اور لید اور دائیں ہاتھ سے استنجا درست نہیں۔ اور بیت الخلاء میں قبلہ رخ بیٹھنا اور اس کی پشت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور جنگل اور مکان کا ہمارے نزدیک ایک ہی حکم ہے۔

تشریح و توضیح ادب الخ۔ یعنی پتھروں کے استعمال اور پاکی کے بعد مزید صفائی و نظافت کی خاطر پانی سے پاک کرنا مستحب ہے فرض یا سنت مؤکدہ نہیں۔ اہل مسجد قباء کے بارے میں ان کا طرز عمل پسند کرتے ہوئے کہ وہ پانی بھی بعد میں استعمال کرتے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فيه رجال يحبون ان يتطهروا" (الآیۃ)۔ ان لوگوں کا معمول یہ تھا کہ پاخانہ سے فراغت کے بعد اول پتھر سے پاکی حاصل کرتے پھر پانی سے۔ یہ روایت ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے۔

فتح القدیر اور درمختار وغیرہ میں ہے کہ پتھر یا پانی سے پاکی حاصل کرنا سنت مؤکدہ ہے اور دونوں میں سے ایک پر اکتفاء بھی کافی ہے۔ صرف پانی کا طہارت کے لئے کافی ہونا تو ظاہر ہے کہ پانی پاک پیدا کیا گیا ہے اور اس کا کام نجاست زائل کرنا ہے اور رہا پتھر کا کافی ہونا تو وہ حدیث کی بنا پر ہے۔ ایک حدیث

میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی پاخانہ سے فارغ ہونے کے لئے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لیجائے کیونکہ یہ حصول طہارت کے لئے کافی ہو جائیں گے ۔ یہ روایت مسند احمد ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دار قطنی میں موجود ہے ———— اور رہا دونوں کے جمع کا مسنون ہونا تو یہ کثیر روایات سے ثابت ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے اور میں اور میرے ساتھ ایک غلام پانی کا برتن اٹھائے ہوتے تو آپ پانی سے استنجا فرماتے تھے جامع ترمذی، مسند احمد، سنن نسائی، سنن بیہقی، مسند بزار اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ عورتوں سے فرماتی تھیں کہ تم اپنے شوہروں کو حکم کرو کہ وہ پاخانہ یا پیشاب سے فارغ ہو کر پانی سے استنجا کریں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے اور مجھے تو ان سے کہتے ہوئے حجاب آتا ہے۔

كتاب الصلوٰة

الوقت للفجر من الصبح المعترض الى طلوع ذكاء احترز بالمعترض عن المستطيل وهو الصبح الكاذب وللظهر من زوالها الى بلوغ ظل كل شئ مثليه سوى فئ الظل لابد ههنا من معرفة وقت الزوال وفئ الظل وطريقه ان تسوى الارض بحيث لا يكون بعض جوانبها مرتفعا وبعضها منخفضا اما بصب الماء او ببعض موازين المقنين وترسم عليها دائرة وتسمى الدائرة الهندية وينصب في مركزها مقياس قائم بان يكون بعد راسه عن ثلث نقط من محيط الدائرة متساويا ولتكن قامته بقدر ربع قطر الدائرة فراس ظله في اول النهار خارج الدائرة لكن الظل ينقص الى ان يدخل في الدائرة فتضع علامة على مدخل الظل من محيط الدائرة۔

ترجمہ نماز فجر کے وقت کی ابتداء صبح صادق سے ہوتی ہے۔ صبح صادق وہ سفیدی کہلاتی ہے جو آسمان کے کنارہ پر سورج نکلنے تک پھیلتی رہتی ہے۔ مصنف نے یہ کہہ کر اس سفیدی سے احتراز کیا جو فضا طول میں نظر آتی ہے۔ اسے صبح کاذب کہتے ہیں۔ اور ظہر کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے اور ہر چیز کا سایہ اصلی سائے کے علاوہ دوگنا ہونے تک باقی رہتا ہے۔ وقت زوال اور سایہ اصلی کی پہچان کی صورت یہ ہے کہ ایک ہموار زمین میں (جس کی شناخت پانی بہا کر یا حساب دانوں کے حساب سے

مطابق کر لی جائے، ایک دائرہ کھینچا جائے اور اس کا نام دائرہ ہندیہ رکھا جائے اور اس کے مرکز میں سیدھی لکڑی گاڑ دی جائے، اس طور پر کہ اس مقیاس کی مسافت محیط دائرہ سے ہر طرف میں نقطے کے بقدر رہے اور اس کی لمبائی دائرہ کے قطر کی چوتھائی، مثلاً اگر دائرہ کا قطر چار گز ہو تو اس مقیاس کی لمبائی ایک گز ہو، تو اس مقیاس کے سائے کا منتہیٰ طلوع آفتاب کے وقت اس دائرہ سے باہر ہوگا، پھر مقیاس کا سایہ کم ہوتا جائے گا حتی کہ دائرہ میں داخل ہو جائے گا، پس محیط دائرہ سے سایہ داخل ہونے کی جگہ پر کوئی علامت و نشانی رکھ دی جائے۔

تشریح و توضیح و طریقه الخ: قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے اپنی مشہور فارسی کتاب "مالا بد منہ" میں سایۂ اصلی کی شناخت کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ ہموار زمین پر ایک دائرہ بنا لو اور دائرہ کے بالکل بیچ میں قطر دائرہ کے چوتھائی سے بڑی نوکیلے سر کی ایک لکڑی گاڑ دو، جب سورج طلوع ہوگا تو اس لکڑی کا سایہ دائرہ سے بالکل باہر ہوگا، پھر جوں جوں سورج چڑھے گا سایہ کم ہوتا ہوا دائرہ کے اندر داخل ہونا شروع ہو جائے گا، دائرہ کے محیط پر جب سایہ پہونچے اور اندر داخل ہونا شروع ہو تو محیط پر اس جگہ ایک نشان لگا دو جہاں سے سایہ اندر داخل ہو رہا ہے۔ پھر دوپہر بعد یہ سایہ جس جگہ دائرہ کے محیط سے نکلنا شروع ہوگا جس جگہ محیط سے یہ سایہ باہر نکلے اس جگہ بھی محیط پر نشان لگا دو پھر ان دونوں نشانوں کو ایک خط مستقیم کھینچ کر ملا دو اور اب محیط دائرہ کے اس قوس کے حصے کے نصف پر جو کہ دونوں نشانوں کے درمیان ہے ایک نشان قائم کرکے اس کو خط مستقیم کے ذریعہ جو مرکز دائرہ پر سے گذرے محیط تک پہونچا دو، یہ خط نصف النہار کہلائے گا اور جو سایہ کہ اس خط پر پڑے گا وہ سایۂ اصلی کہلائے گا۔

ولا شك ان الظل ينتقص الى حد ما ثم يزيد الى ان ينتهي الى محيط الدائرة فيخرج منه وذلك بعد نصف النهار فتضع علامة على مخرج الظل فتنصف القوس التي هي ما بين مدخل الظل ومخرجه وترسم خطا مستقيما من منتصف القوس الى المركز ثم مخرجا الى الطرف الآخر من المحيط فهذا الخط هو خط نصف النهار فاذا كان ظل المقياس على هذا الخط فهو نصف النهار والظل الذي يبقى في هذا الوقت هو فيء الزوال فاذا زال الظل عن هذا الخط فهو وقت الزوال فذلك اول وقت الظهر وآخره اذا صار ظل المقياس مثلي المقياس سوى فيء الزوال مثلا اذا كان فيء الزوال مقدار ربع المقياس فآخر وقت الظهر ان يصير ظله مثلي المقياس وربعه هذا في رواية عن ابي حنيفة رح وفي رواية اخرى عنه وهو قول ابي يوسف رح ومحمد رح والشافعي رح اذا صار ظل كل شيء مثله سوى فيء الزوال

ترجمہ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ سایہ سورج کے بلند ہونے اور بڑھنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے محیط دائرہ تک اور پھر اس سے باہر نکل جاتا ہے۔ یہ انتقاد اور خروج نصف النہار کے بعد ہوتا ہے۔ پس چاہئے سایہ کے نکلنے کی جگہ پر کوئی علامت رکھ دی جائے۔ پھر سایہ کے داخل ہونے اور نکلنے کے مقام کے نصف پر (مساوی طور پر) ایک لکڑی گاڑ دو اور قوس کے اس حصہ کے آدھے پر جو ان کے درمیان ہے ایک نشان لگا کر اسے خط مستقیم کے ذریعہ مرکز دائرہ پر سے گذرتے ہوئے محیط تک پہونچا دو۔ جب مقیاس کا سایہ اس خط پر ہوگا تو یہ وقت نصف النہار کہا جائے گا اور اس وقت جو سایہ ہوگا وہی سایۂ اصلی کہا جائے گا۔ پھر جب سایہ اس خط سے مشرق کی طرف ہٹ جائے گا تو یہی وقت زوال اور ظہر کا اول وقت ہوگا۔ اور ظہر کا آخر وقت اس وقت تک ہے کہ سایۂ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس چیز کے برابر رہے۔ مثلاً اگر سایۂ اصلی مقیاس کے ربع (چوتھائی) کے بقدر ہو تو ظہر کا آخری وقت مقیاس کا سایہ ایک مقیاس اور چوتھائی کے بقدر رہنے تک ہوگا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق ہے اور ان کی دوسری روایت جو کہ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ و امام شافعیؒ کا قول ہے یہ ہے کہ سایۂ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو جائے۔

تشریح و توضیح عنہ فی روایۃ الخ۔ ایک روایت کی رو سے ظہر کا وقت اس وقت تک باقی رہے گا کہ سایۂ اصلی کے علاوہ ہر شی کا سایہ اس کے برابر ہے اور اس سے بڑھ جانے پر ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔ صاحب بحرالرائق نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ اور غیاثیہ میں ہے کہ یہ قول راجح ہے۔ اور بدائع و محیط میں ہے کہ یہ قول صحیح ہے۔

والعصر منه الى غيبتها فوقت العصر من آخر وقت الظهر على القولين الى ان تغيب الشمس والمغرب منه الى مغيب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى وعند ابي حنيفة رح الشفق هو البياض والعشاء منه والوتر من بعد العشاء الى الفجر لهما اى للعشاء والوتر ويستحب للفجر البداية مسفرا بحيث يمكنه ترتيل اربعين آية والاكثر منها ثم اعادته ان ظهر فساد وضوئه قال عليه السلام اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر

ترجمہ اور عصر کا وقت ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے پس دونوں قولوں پر عصر کا وقت ظہر کے آخری وقت سے غروب آفتاب تک ہے اور مغرب کا وقت غروب شفق تک ہے۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اس سے مراد سرخی ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شفق سے مراد سفیدی ہے (جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے) اور عشاء کا

وقت سرخی (یا سفیدی) کے غائب ہونے کے بعد ہے اور وتر کا عشاء کے بعد سے (دونوں کا وقت) صبح صادق
کے طلوع تک ہے۔ اور اسفار ہونے پر فجر کی نماز کا آغاز مستحب ہے۔ وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ چالیس یا
اس سے زیادہ آیات ترتیل کے ساتھ پڑھ سکیں۔ پھر اگر وضو ٹوٹ جائے تو اندرونِ وقت نماز دوبارہ
پڑھی جا سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز فجر میں اسفار کرو (روشنی ہونے پر پڑھو)
کہ اس میں بہت زیادہ اجر و ثواب ہے۔

تشریح و توضیح انما بعد العشاء ... امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک ہے کیونکہ وہ اسے توابعِ عشاء میں شمار کرتے ہیں۔ ان کا مستدل یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس نماز کا حکم فرمایا ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس کا وقت نماز عشاء کے درمیان مقرر فرمایا ہے طلوع صبح صادق تک۔ یہ روایت مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، دارقطنی اور حاکم وغیرہ میں موجود ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر مستقل واجب ہے اس کا وقت عشاء کا وقت ہے۔ لیکن وہ تاخیر در بعد نماز عشاء پڑھنے کا حکم لزوم ترتیب کی بنا پر فرماتے ہیں

ابتداءِ الخ: اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسفار کے "ساتھ ہی نماز فجر شروع کر دی جائے اور ایسے وقت ختم کی جائے کہ خوب اسفار ہو جائے۔ امام طحاویؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اندھیرے میں نماز شروع کی جائے اور لمبی قرأت کر کے بحالتِ اسفار نماز ختم کی جائے۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں اس کی صراحت کی ہے۔

والتأخير لظهر الصيف في صحيح البخاري قال عليه السلام ابردوا بالصلوة فان شدة الحر من فيح جهنم والعصر ما لم يتغير وللعشاء الى ثلث الليل وللوتر الى آخره لمن وثق بالانتباه فحسب والتعجيل لظهر الشتاء والمغرب ويوم غيم يعجل العصر والعشاء ويؤخر غيرهما

ولا يجوز صلوة وسجدة تلاوة وصلوة جنازة عند طلوعها وقيامها وغروبها الا عصر يومه فقد ذكر في كتب اصول الفقه ان الجزء المقارن للاداء سبب لوجوب الصلوة وآخر وقت العصر وقت ناقص اذ هو وقت عبادة الشمس فوجب ناقصا فاذا اداه اداه كما وجب فاذا اعترض الفساد بالغروب لا تفسد وفي الفجر كل وقته وقت كامل لان الشمس تعبد قبل الطلوع فوجب كاملا فاذا اعترض الفساد بالطلوع تفسد لانه لم يؤدها كما وجب

ترجمہ اور گرمی میں نماز ظہر میں تاخیر مستحب ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کے جوش کے باعث

ہو رہی ہے۔ اور عصر کی نماز اس وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے کہ آفتاب میں تغیر نہ آئے۔ اور عشاء کی نماز تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے۔ اور جسے جاگنے کا یقین ہو اسے وتر آخر شب تک مؤخر کرنا مستحب ہے اور جسے بیدار ہونے کا یقین نہ ہو تو عشاء کے ساتھ ہی پڑھ لے، سردی کے موسم میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور نماز مغرب میں تعجیل مستحب ہے۔ اور جس روز بادل ہو اس دن نماز عصر اور عشاء میں تعجیل اور ان کے علاوہ نمازوں میں تاخیر مستحب ہے۔ (مقصود قلت وکثرت جماعت ہے) نماز، سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ طلوع آفتاب اور عین نصف النہار اور غروب آفتاب کے وقت جائز نہیں۔ البتہ اسی دن کی عصر کی نماز جائز ہے اور اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ جزو جو ادا کے وقت سے متصل ہو وہ وجوب نماز کا سبب ہوتا ہے اور نماز عصر کا آخری وقت ناقص وقت ہے کیونکہ وہ آفتاب کی پرستش کا وقت ہے لہٰذا وجوب بھی ناقص ہوا لہٰذا ناقص وجوب کی ادائیگی وجوب کے مطابق ہوگئی۔ لہٰذا غروب آفتاب کے فساد سے وہ فاسد نہیں ہوگی اور نماز فجر کا سارا وقت کامل ہے، اس لئے طلوع آفتاب سے قبل اس کی پرستش نہیں کی جاتی لہٰذا وجوب کامل ہوا اور طلوع آفتاب کے حائل ہونے (اور اس کے فساد) سے نماز بھی فاسد ہوگی کیونکہ ادائیگی وجوب کے مطابق نہیں ہوئی۔

تشریح وتوضیح

والمستحب الخ یعنی موسم گرما میں گرمی کی اذیت سے بچنے اور سہولت سے نماز ظہر پڑھ لینے کی بنا پر تاخیر مستحب ہے۔ مجمع البحرین، سراج الوہاج اور شرح مختصر القدوری میں تاخیر ظہر دو صورتوں میں مستحب قرار دی ہے۔ (۱) باجماعت نماز مسجد میں ادا کی جائے (۲) یا گرم ملک میں ہو اور شدت گرمی کی بنا پر پریشانی ہو۔ لیکن صاحب بحر وغیرہ نے ان قیود کے بغیر مطلقاً موسم گرما میں نماز ظہر میں تاخیر مستحب قرار دی ہے۔ کیونکہ روایات مطلق و بلا قید ہیں۔

فی صحیح البخاری الخ مسلم، ابن ماجہ، نسائی اور ابن خزیمہ وغیرہ میں بھی اسی طرح کی روایت موجود ہے۔ صحیح بخاری شریف میں یہ بھی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گرمی شدید ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو اور سردی شدید ہو تو نماز ظہر جلدی پڑھو۔

والعصر الخ یعنی عصر کی نماز خواہ سردی ہو یا گرمی دونوں موسموں میں مستحب یہ ہے کہ ذرا تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ البتہ بادل ہو تو اس میں مستحب وقت کی تعیین میں مغالطہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کا احتمال ہے کہ کہیں مکروہ وقت نہ ہو جائے اس لئے تعجیل ہی بہتر ہے۔ امام محمدؒ کتاب الآثار میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نماز عصر میں تاخیر تعجیل سے مستحب ہے۔ نماز ایسے وقت پڑھو کہ آفتاب صاف چمک رہا ہو اور اس میں تغیر نہ ہوا ہو۔ کوفہ میں اصحاب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اسی پر عمل تھا۔

حضرت امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کو نماز عصر تاخیر سے پڑھتے دیکھا۔

الطلوع فقد ادرك الفجر ومن ادرك ركعة من العصر قبل الغروب فقد ادرك العصر قلنا لما وقع التعارض بين هذا الحديث وبين النهي الوارد عن الصلوة في الاوقات الثلثة رجعنا الى القياس كما هو حكم التعارض والقياس رجح هذا الحديث في صلوة العصر وحديث النهي في صلوة الفجر واما سائر الصلوات فلا يجوز في الاوقات الثلثة لحديث النهي اذ لا معارض لحديث النهي فيها وكره النفل اذا خرج الامام لخطبة الجمعة وبعد الصبح الا سنته وبعد اداء العصر الى اداء المغرب لا قضاء الفوائت وصلوة الجنازة وسجدة التلاوة في هذين اي بعد الصبح وبعد اداء العصر الى اداء المغرب لكنها يكره في الاول وهو ما اذا خرج الامام للخطبة ولا يجمع فرضان في وقت بلا حج وفيه خلاف للشافعي رح

ترجمہ پس اگر کہا جائے کہ یہ تعلیل نص کے مقابلہ میں ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جسے نماز فجر کی ایک رکعت طلوع سے قبل مل گئی تو اس نے (گویا پوری) نماز فجر پالی اور جسے عصر کی ایک رکعت مل گئی تو اسے (گویا پوری تمام) نماز عصر مل گئی۔ ہم کہتے ہیں کہ جب اس حدیث اور اس حدیث میں جو تین اوقات کی نہی و ممانعت سے متعلق ہے تعارض واقع ہو گیا تو ہم تعارض کے حکم (وطریقہ) کے مطابق (اب) قیاس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور قیاس نے حدیث ادراک کو نماز عصر میں حدیث ممانعت پر ترجیح دیا ہے اور نماز فجر میں حدیث ممانعت کو حدیث ادراک پر ترجیح قرار دیا ہے اور سب نمازیں (اس دن کی نماز عصر اور اس روز کی نماز فجر کے علاوہ) ان تین اوقات میں حدیث ممانعت کی رو سے جائز نہیں اس لئے کہ ان میں حدیث ممانعت کا کوئی معارض نہیں۔ اور امام خطبہ جمعہ کے لئے نکلے تو اس وقت نفل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور طلوع صبح صادق کے بعد فجر کی سنتوں کے علاوہ (کوئی نفل) پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور نماز عصر کے بعد ادائے نماز مغرب تک نفل نماز مکروہ تحریمی ہے اور فوت شدہ نمازوں کی قضاء اور نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت ان دونوں وقتوں میں یعنی طلوع صبح صادق اور ادائے نماز عصر کے بعد ادائے نماز مغرب تک پڑھنا صحیح ہے لیکن امام جب خطبہ کے لئے نکلے تو (یہ بھی) پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اوقات حج کے علاوہ دو فرض جمع نہیں کئے جائیں گے اور اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے (ان کے نزدیک دوران سفر دو فرض مثلاً ظہر و عصر ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے)۔

تشریح و توضیح وکرہ النفل الخ۔ نفل نماز امام کے خطبہ جمعہ کے لئے نکلنے کے وقت مکروہ ہے خواہ تحیۃ المسجد اور جمعہ کی سنتیں ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم امام کے خطبہ کے لئے نکلنے کے وقت نماز پڑھنے اور گفتگو کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے، اور مؤطا امام مالکؒ میں حضرت زہریؒ سے روایت ہے کہ امام کے خطبہ

جمعہ کے لئے نکلنا نماز کو منقطع کر دیتا ہے۔ اور اس کی گفتگو، گفتگو کو منقطع کر دیتی ہے۔

المستثناۃ الخ: یعنی طلوع صبح صادق کے بعد فجر کی سنتوں کے علاوہ سنن و نوافل نہ پڑھنی چاہئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح صادق کے طلوع کے بعد صرف دو رکعات پڑھ کر فرض پڑھا کرتے تھے (مسلم وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے)۔

الی اداء المغرب الخ: یہ اس طرف اشارہ ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب پڑھنے سے قبل نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

مکروہ فی الاولی الخ: یہ بھی مکروہ ہے دوران خطبہ نماز پڑھنے سے خطبہ سننے میں خلل واقع ہوگا۔ اور دوران خطبہ مشغول خلل اندازی کی بھی ممانعت ہے۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ اگر دوران خطبہ تو نے اپنے رفیق سے کہا خاموش ہو جا تو تو نے لغو کام کیا۔

ومن طهرت في وقت عصر او عشاء صلتهما فقط خلافا للشافعي فان عنده من طهرت في وقت العصر صلت الظهر ايضا ومن طهرت في وقت العشاء صلت المغرب ايضا فان وقت الظهر والعصر عنده كوقت واحد وكذا وقت المغرب والعشاء ولهذا يجوز الجمع عنده في السفر ومن هو اهل فرض في آخر وقته يقضيه لا من حاضت فيه يعني اذا بلغ الصبي او اسلم الكافر في آخر الوقت ولم يبق من الوقت الا قدر التحريمة يجب عليه قضاء صلوة ذلك الوقت خلافا لزفر ومن حاضت في آخر الوقت لا يجب عليها قضاء صلوة ذلك الوقت خلافا للشافعي رحمه الله

ترجمہ: اور جو عورت (حیض و نفاس سے) عصر یا عشاء کے وقت پاک ہوئی ہو وہ صرف اسی وقت کی نماز پڑھے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک جو عورت عصر کے وقت پاک ہو وہ ظہر کی بھی نماز پڑھے۔ اور جو عشاء کے وقت پاک ہو مغرب کی بھی پڑھے کیونکہ ظہر اور عصر کا وقت ان کے نزدیک ایک وقت کے مانند ہے اور اسی طرح مغرب و عشاء کا وقت ایک وقت کی طرح ہے۔ لہذا ان کے نزدیک دوران سفر دونوں کا جمع کرنا جائز ہے۔ اور جس شخص پر نماز کے آخر وقت میں نماز فرض ہوئی ہو وہ اس کی قضاء کرے گا اور جو عورت نماز کے اخیر وقت میں حائضہ ہوئی ہو اس پر اس کی قضاء لازم نہ ہوگی یعنی بچہ اگر بالغ ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے نماز کے آخر وقت میں اور نماز کا صرف اتنا وقت باقی ہو کہ تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو اس پر اس وقت کی نماز کی قضاء لازم ہوگی۔ امام زفرؒ کے نزدیک واجب نہ ہوگی۔ اور جو عورت نماز کے اخیر وقت میں حائضہ ہوئی ہو اس پر اس وقت کی نماز کی قضاء واجب نہ ہوگی الخ

شافعیؒ کے نزدیک واجب ہوگی۔

تشریح و توضیح وفی ھو الخ یعنی جس کے لئے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے کہ وہ نماز کے آخر وقت میں اداء کے فرض کا مستحق ہوگیا اور فرض کی ادائیگی اس پر واجب ہوگئی۔ اور وقت صرف اتنا بچا کہ تکبیر تحریمہ ہی کہی جا سکے تب بھی اس پر اس نماز کی قضاء واجب ہوگی دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے حد بلوغ کو پہونچ جانے والے اور حیض سے پاک ہونے والی ان سب کا حکم قضاء کے سلسلہ میں یکساں ہوگا۔

علامہ زفرؒ وامام شافعیؒ فرماتے ہیں کیونکہ وقت میں ادا کی گنجائش نہیں اس لئے قضاء کا وجوب بھی نہ ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گنجائش بطور خرق عادت ممکن ہے۔

باب الاذان

ھو سنۃ للفرائض فحسب فی وقتھا ھو سنۃ للفرائض الخمسۃ والجمعۃ لیس سنۃ فی النوافل فقولہ فی وقتھا احتراز عن الاذان قبل الوقت وعن الاذان بعد الوقت لاجل الاداء فاما الاذان بعد الوقت للقضاء فھو مسنون ایضا ولا یرد اشکال لانہ فی وقت القضاء ھو لا یفوتونہ بعد وقت الاداء لانہ لیس للاداء بل للقضاء فی وقتہ قال النبی علیہ السلام من نام عن صلوۃ او نسیھا فلیصلھا اذا ذکرھا فان ذلک وقتھا وعند ابی یوسفؒ والشافعیؒ یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل

ترجمہ اذان پانچوں فرض نمازوں اور جمعے کے لئے وقت کے اندر مسنون ہے اور نوافل کے لئے مسنون نہیں۔ مصنفؒ نے فی وقتھا (اندرون وقت) کہہ کر اس سے احتراز کیا کہ اذان وقت سے پہلے اور اذان وقت کے بعد ادا نماز کے لئے ہو کیونکہ یہ دونوں درست نہیں لیکن اذان ادا کے وقت کے بعد قضاء نماز کے واسطے بھی مسنون ہے اور اس پر اشکال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ قضاء کے وقت میں ہے اور اس صورت میں اذان کا ادا کے وقت کے بعد ہونا مضر نہیں اس لئے کہ یہ ادا کے لئے نہیں بلکہ قضاء کے وقت میں قضاء کے واسطے ہے۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کے وقت سو جائے یا بھول جائے تو جب یاد آئے تو نماز پڑھے کیونکہ یہی اس کا وقت ہے اور امام ابو یوسفؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک شب کے نصف اخیر سے فجر کے لئے اذان درست ہے۔

تشریح و توضیح فھو سنۃ الخ اذان کی اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت

ہجرت فرمائی تو مسلمانوں کے لئے اوقات نماز پہچاننے کا کوئی ذریعہ نہ تھا کہ اس کے مطابق اوقات نماز پہچان کر نماز کے لئے حاضر ہو سکیں تو حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں ایک شخص کو اذان اور اقامت کے کلمات سکھاتے دیکھا انھوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خواب سچا ہے اور آنحضور نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم فرمایا تو انھوں نے اذان دی، یہ واقعہ طویل اور مختصر طور پر ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی اور طحاوی وغیرہ میں مذکور ہے۔

للفرائض الخ یعنی مردوں کے لئے پانچ نمازوں اور جمعہ کے واسطے اذان مسنون ہے عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے لئے اذان اور اقامت کا حکم نہیں خواہ وہ باجماعت ہی نماز کیوں نہ پڑھیں۔

فحسب الخ نماز عیدین، وتر اور نماز کسوف وخسوف اور تراویح وسنن ونوافل سے احتراز مقصود ہے کہ ان کے لئے اذان اور اقامت نہیں۔

فھو مسنون الخ یعنی جس طرح ادا نماز کے لئے اذان مسنون ہے اسی طرح قضا کے واسطے بھی مسنون ہے، جیسے ثابت ہے کہ جب ایک سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام فجر کے وقت سو گئے اور اس کی قضا کا ارادہ کیا تو حضرت بلال نے اذان دی اور اقامت کہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرمائی۔

یجوز للفجر الخ امام ابو یوسف اور امام شافعی کا اس بارے میں مستدل یہ حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں پس جب تک ام مکتوم اذان نہ دیں کھاؤ پیو، جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ اذان دخول وقت کے اعلام اور نماز میں حاضری کی اطلاع کے لئے ہے تو پھر اذان قبل از وقت ہونے کے کوئی معنی نہیں اور اس کے ثبوت میں بہت سی روایات ہیں رہا یہ حدیث تو اس کا جواب شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں یہ دیا ہے کہ حضرت بلال کی اذان دراصل بصورت اذان ذکر ہوتا تھا اور اس سے اذان نماز فجر کے واسطے مقصود نہ ہوتی تھی اس لئے دوسری اذان کی ضرورت پڑتی تھی

فیعاد ولا اذن قبلہ ویؤذن عالما بالاوقات لینال الثواب ای الثواب الذی یوعد للمؤذنین مستقبل القبلۃ واصبعاہ فی اذنیہ ویترسل فیہ ای یتمہل بلا لحن وترجیع لحن فی القراءۃ طرب وترنم ماخوذ من الحان الاغانی فلا ینقص شیئا من حروفہ ولا یزید فی اثنائہ حرفا وکذا لا ینقص ولا یزید من کیفیات الحروف کالحرکات والسکنات والمدات وغیر ذلک لتحسین الصوت واما مجرد تحسین الصوت بلا تغییر لفظہ فانہ حسن والترجیع فی الشہادتین ان یخفض بہما صوتہ ثم یرفع الصوت بہما ویحول وجہہ فی

سے فارغ ہوں۔ ہدایہ میں اسی طرح ہے۔ اور قبلہ رخ اذان دینے کی اصل حضرت عبد اللہ ابن زید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ انہوں نے خواب میں ایک شخص کو اذان کی تعلیم دیتے دیکھا کہ وہ قبلہ رخ اذان دے رہا تھا۔ واصبعاہ فی اذنیہ۔ اذان دیتے ہوئے شہادت کی انگلیاں کانوں میں دے لینی چاہئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کا امر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اس عمل سے تیری آواز زیادہ بلند ہوگی۔ یہ روایت ابن ماجہ میں ہے۔ یہ امر استحبابی ہے۔

ویترسل الخ ترسل کے معنی ٹھہر ٹھہر کر اور دو کلموں کے درمیان فصل کر کے کہنے کے ہیں یعنی جلدی سے نہ کہا جائے اس کے برعکس اقامت میں اسراع اور جلدی مسنون ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب تو اذان دے تو اذان ٹھہر ٹھہر کر دے اور جب اقامت کہے تو جلدی کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے یہ ارشاد فرمایا (ترمذی میں یہ روایت مذکور ہے)

فانہ حسن الخ کیونکہ تحسین صوت کے ساتھ دلوں میں رقت قلب پیدا کرتی اور مطلوب کو سنا کر ترغیب دیتی ہے اسی لئے تلاوت قرآن کے بارے میں ارشاد ہے کہ اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت دو۔

والترجیع الخ یہ امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اسی کیفیت سے اذان کی تعلیم فرمائی اور احنافؒ کا مستدل حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان ہے کیونکہ حضرت بلالؓ سفر اور حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلا ترجیع کے اذان دیتے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن زید رضی اللہ عنہ والی روایت سے بھی یہی ثابت ہے۔

تصریح صاحب الخ بنایہ، تبیین اور مفید وغیرہ میں اسی قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

ویقول بعد فلاح الفجر الصلوٰۃ خیر من النوم مرتین والاقامۃ مثلہ خلافاً للشافعیؒ فانہ یفرد الاقامۃ فرادیٰ الا قد قامت الصلوٰۃ لکن یحدر فیھا ویقول بعد فلاحھا قد قامت الصلوٰۃ مرتین ولا یتکلم فیھما ای لا یتکلم فی اثناء الاذان ولا فی اثناء الاقامۃ واستحسن المتاخرون التثویب فی الصلوات کلھا التثویب ھو الاعلام بعد الاعلام ویجلس بینھما الا فی المغرب ویؤذن للفائتۃ ویقیم ای اذا صلی فائتۃ واحدۃ وکذا لاولی الفوائت ای اذا صلی فوائت کثیرۃ وللکل من البواقی یاتی بھما او بھا وجاز اذان المحدث وکرہ اقامتہ ولم یعادا وکرہ اذان جنب واقامتہ ولا تعاد ھی بل ھو لانہ لم یشرع تکرار الاقامۃ لانھا لاعلام الحاضرین فیکفی الواحدۃ والاذان لاعلام الغائبین فیحتمل سماع البعض دون البعض فتکرارہ مفید۔

ترجمہ: اور فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دو بار کہے اور اقامت بھی

اذان کی طرح ہے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ کے علاوہ سب کو دو دو بار ہے باقی اقامت ایک ایک مرتبہ ہے (ذکر کیا ہے دو دو بار کے کلمات ایک ایک بار ہے) مگر اقامت میں جلدی کرے اور حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے۔ اور اذان اقامت کہتے ہوئے گفتگو نہ کرے یعنی دوران اذان اور دوران اقامت بات چیت نہ کرے اور متاخرین نے تثویب (پکارنے) کو سب نمازوں میں مستحسن قرار دیا ہے زمانہ الاختلاف اب متعارف ہے (اگر چیکہ تثویب کہتے ہیں اطلاع کے بعد اطلاع کرنا) اور ان دونوں (اذان و اقامت) کے درمیان بیٹھنا مگر مغرب میں نہ بیٹھے اور فوت شدہ نماز کے لئے بھی اذان دی جائے گی اور اقامت کہی جائے گی یعنی جب ایک فوت شدہ نماز پڑھے اور فوت شدہ نمازوں میں پہلی کے لئے اذان اور اقامت کہے یعنی جب بہت سی نمازیں فوت شدہ ہوں اور باقی کے لئے اختیار ہے کہ اذان و اقامت دونوں کہے یا صرف اقامت پر اکتفا کرے اور بے وضو شخص کا اذان دینا درست ہے (مگر خلاف اولیٰ ہے عالمگیری میں صراحت ہے) اور اقامت بے وضو مکروہ ہے اور مکروہ ہیں تو دونوں لوٹائی نہیں جائیں گی۔ اور جنبی شخص (جس پر غسل واجب ہو) کا اذان و اقامت کہنا مکروہ ہے اور اور اقامت کہہ دے تو اس کا اعادہ نہ ہوگا اور اذان کہہ دے تو لوٹائی جائے گی کیونکہ اقامت کی تکرار مشروع نہیں اس لئے کہ وہ حاضرین کی اطلاع کے لئے ہوتی ہے پس ایک بار کافی ہوگی۔ اور اذان غائبین اور غیر حاضر لوگوں کی اطلاع کے واسطے ہوتی ہے اور اس کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ بعض نے سنی ہو اور بعض نے نہ سنی ہو لہٰذا اس کا اعادہ و تکرار مفید ہے۔

تشریح و توضیح

بعد فلاح الفجر الخ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کا محل اذان پوری کرنے کے بعد ہے مؤطا میں امام محمدؒ کے کلام کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے مگر یہ قول مرجوح ہے اور صحیح یہی ہے کہ اذان فجر میں حی علی الفلاح کے بعد اس کا محل ہے اور یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فعل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے۔ ابن ماجہ اور طبرانی وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے۔

والاقامۃ الخ آغاز صلوٰۃ کے ارادہ کے وقت اس سے حاضرین کو اطلاع کرنی مقصود ہے اس لئے اذان کے برعکس اس میں یہ حکم نہیں کہ کانوں میں انگلیاں دی جائیں کیونکہ اس سے مقصود رفع صوت ہے اور اس کی یہاں احتیاج نہیں۔

مثنیٰ مثنیٰ الخ مواہب لدنیہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار مؤذن تھے حضرت بلالؓ حضرت عمرو یا عبداللہ ابن ام مکتوم، حضرت سعد القرظ اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہم۔ ابو محذورہ رضؓ اذان میں ترجیع کرتے تھے اور اقامت (قد قامت الصلوٰۃ) میں تکرار کرتے تھے۔ اور بلالؓ اقامت میں تکرار نہیں کرتے تھے اور اذان میں ترجیع بھی نہیں کرتے تھے۔ امام شافعیؒ نے بلالؓ کی اقامت کو اختیار کیا

اور اہل مکہ نے ابو محذورہؓ کی اذان اور بلالؓ کی اقامت لی۔ اور امام ابو حنیفہؒ نے اور اہل عراق نے حضرت بلالؓ کی اذان اور ابو محذورہؓ کی اقامت کو اختیار کیا۔ اور امام احمدؒ و اہل مدینہ نے بلالؓ کی اذان و اقامت کو ترجیح دی۔

ولا یتکلم الخ مراد یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے الفاظ کے علاوہ اور کوئی بات نہ کی جائے خواہ مثلاً چھینکنے والے کا جواب ہی کیوں نہ دینا پڑے۔

واستحسن المتأخرون الخ تثویب کا معمول دورِ رسالت میں صرف نماز فجر میں تھا حضرت بلالؓ فجر کے کرتے یا صرف نماز فجر میں تثویب کرتا تھا ابن ماجہ اور شرح معانی الآثار میں اس کا بیان ہے۔ رہی اذان اور اقامت کے درمیان تثویب تو وہ دورِ رسالت میں نہیں تھی۔ جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو مؤذن تھے مکرم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اذان کے بعد آئے اور کہا الصلوٰۃ یا الصلوٰۃ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا دیوانہ ہو گیا کیا اس پکار پر جس سے تو نے پکارا ہم نہیں آئے۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے اذان و اقامت کے درمیان تثویب کا انکار کیا سنن ابی داؤد میں اس کی صراحت ہے۔

تکرار الاقامۃ الخ اس کے برعکس اذان میں تکرار مشروع ہے مثلاً جمعہ کی اذان

كأذان المرأة والمجنون والسكران أي يكره ويستحب إعادته ويأتي بهما المسافر والمصلي في المسجد جماعة أو في بيته في مصر ولو تركهما الأولين لا الثالث أي كره ترك كل واحد منهما. المسافر والمصلي في المسجد جماعة أما ترك واحد منهما فلم يكره فنقول أما المصلي في مسجد جماعة فيكره له ترك واحد منهما وأما المسافر فيجوز له الاكتفاء بالإقامة والمصلي في بيته في مصر إن ترك كلاهما يجوز لقول ابن مسعودؓ أذان الحي يكفينا وهذا إذا أذن وأقيم في مسجد حيّه وأما في القرى فإن كان فيها مسجد فيه أذان وإقامة فحكم المصلي فيها كما مر والمصلي في بيته يكفيه أذان المسجد وإقامته وإن لم يكن فيها مسجد كذا فمن يصلي في بيته فحكمه حكم المسافر ويقوم الإمام والقوم عند حي على الصلوة ويشرع عند قد قامت الصلوة۔

ترجمہ: اذان عورت اور پاگل اور مست (جو شراب پئے ہو) کی مکروہ اور اس کا لوٹانا مستحب ہے اور مسافر اذان و اقامت دونوں کہے گا۔ اور مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے والا یا اندرون شہر آبادی گھر میں نماز پڑھنے والا اذان اور اقامت کہیں گے۔ مسافر اور مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے والے کے لئے اذان و اقامت ترک کرنا مکروہ ہے اندرون شہر گھر میں نماز پڑھنے والے کے لئے مکروہ نہیں۔

یعنی مسافر اور مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے والے کے لئے اذان و اقامت کا ترک مکروہ ہے لیکن اذان و اقامت میں سے ایک کا ترک تو مصنف نے اسے بیان نہیں کیا ہم کہتے ہیں کہ با جماعت مسجد میں نماز پڑھنے والے کے لئے اذان و اقامت میں سے ایک کا ترک مکروہ ہے، اور مسافر اس کے لئے اقامت پر اکتفاء جائز ہے اور اگر وہ شہر اپنے گھر میں نماز پڑھنے والا اگر اذان و اقامت دونوں ترک کر دے تو جائز ہے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ محلہ کی اذان ہمارے لئے کافی ہے اور یہ حکم اس وقت ہے کہ محلہ کی مسجد میں اذان و اقامت کہہ جائے اور اگر دیہات تو اگر اس میں ایسی مسجد ہو جس میں اذان و اقامت کہی جاتی ہو تو اس میں نماز پڑھنے والے کا حکم ویسا ہی ہے جیسا کہ بیان ہوا اور اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کے لئے مسجد کی اذان و اقامت کافی ہوگی اور اگر وہاں ایسی مسجد نہ ہو تو وہاں اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کا حکم مسافر کا سا ہوگا اور امام اور قوم رمقتدی) حی علی الصلوٰۃ پر لازماً کھڑے ہوں گے اور امام قد قامت الصلوٰۃ پر نماز شروع کریگا

تشریح و توضیح

کاذان المرأۃ الخ یعنی عورت کی آواز بلند ہو تو اس میں فتنہ کا احتمال ہے اس لئے اس کی اذان مکروہ قرار دی گئی۔

والمجنون والسکران الخ جس طرح پاگل اور مست کی اذان مکروہ ہے اسی طرح غیر ذی شعور بچے اور ایسے شخص کی اذان مکروہ ہے جس کی عقل میں فتور ہو گو کہ بلا قصد و اختیار ان کی اذان بے معنی آواز کے ساتھ ہوگی بحرالرائق اور بنایہ میں اسی طرح ہے۔

ویستحب الخ یعنی پاگل اور مست کی اذان لوٹانا مستحب ہے اور ایک قول کے مطابق واجب ہے

المسافر الخ مسافر خواہ منفرد و اکیلا ہو اور خواہ رفقاء کے ساتھ ہو دونوں کا ایک حکم ہے حضرت مالک ابن الحویرث رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب حضورؐ کے پاس سے انھوں نے اپنے وطن لوٹنے کا ارادہ کیا اور ان کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ بھی تھے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے کوئی اذان دے (یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے)

قولہ والاحسن منعھما الخ کیونکہ مسجدوں میں جماعت کے لئے اذان اور اقامت دونوں اسلام کے شعار میں سے ہیں لہٰذا ان دونوں کا ترک کرنا اس صورت میں مکروہ ہے۔

لقول ابن مسعودؓ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علقمہ ابن قیسؒ اور حضرت اسود ابن یزیدؒ کے ساتھ بلا اذان و اقامت کے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور فرمایا کہ ہمارے اردگرد جو لوگوں کی اقامت ہوتی ہے وہ ہمارے لئے کافی ہو جائے گی۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وھذا الخ یعنی اس صورت میں اگر گھر میں نماز پڑھنے والا اذان و اقامت ترک کر دے تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔

المسافر الخ یعنی مسافر کے لئے اذان و اقامت کا ترک یا اذان پر اکتفاء مکروہ ہے البتہ اذان نہ دے

بلکہ صرف اقامت پر اکتفا کرے تو جائز ہے۔

عند حی الخ یعنی اہتمام نمازی تکبیر کے آغاز میں کھڑا نہ ہوا تو حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہو جانا چاہیے۔ عند الخ امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نماز شروع کرے یہ اختلاف فقہا صرف افضلیت و اولویت میں ہے جائز ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

باب شروط الصلوٰۃ

هي طهارة بدن المصلي من حدث وخبث الحدث النجاسة الحكمية والخبث النجاسة الحقيقية وثوبه ومكانه وستر عورته واستقبال القبلة والنية والعورة للرجل من تحت سرته الى ما تحت ركبته وللأمة مثله مع ظهرها وبطنها وللحرة كل بدنها الا الوجه والكف والقدم وكشف ربع ساقها وبطنها وفخذها ودبرها وشعر نزل من راسها وربع ذكره منفردا والانثيين يمنع فالحاصل ان كشف ربع العضو الذي هو عورة يمنع جواز الصلوٰة فالراس عضو والشعر النازل عضو آخر والذكر عضو والانثيان عضو آخر وعادم مزيل النجس صلى معه ولم يعد فان صلى عاريا وربع ثوبه طاهر لم يجز وفي اقل من ربعه الافضل صلوته فيه ومن عدم ثوبا صلى قاعدا موميا ندبا وقبلة خائف الاستقبال جهة قدرته فان جهلها وعدم من يسأله تحرى ولم يعد ان اخطأ

ترجمہ نماز کی شرط نماز پڑھنے والے کے بدن کا پاک ہونا ہے نجاست حقیقی اور حکمی سے۔ حدث سے مراد نجاست حکمیہ اور خبث سے مراد نجاست حقیقیہ ہے۔ اور شرط یہ ہے کہ کپڑا اور نماز پڑھنے کی جگہ پاک ہو اور جتنے حصہ بدن کا چھپانا واجب ہے اس کا چھپانا اور قبلہ رخ ہونا اور نیت۔ اور مرد کے لئے ناف کے نیچے سے گھٹنوں تک چھپانا واجب ہے اور لونڈی کے واسطے بھی یہی حکم ہے البتہ اس کے لئے پیٹھ اور پیٹ کا چھپانا بھی ضروری ہے۔ اور آزاد عورت کا سارا بدن چہرہ اور ہتھیلیوں اور پاؤں کے علاوہ ستر میں داخل ہے (ان کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے) اور جو عضو کہ ستر میں داخل ہے اگر اس کا چوتھائی کھل جائے مثلاً عورت کی پنڈلی اور پیٹ اور ران اور دبر یعنی پاخانہ کا راستہ اور سر سے لٹکنے والے بال اور صرف آلۂ تناسل کا چوتھائی اور فوطوں کا چوتھائی حصہ کھل جانا تو نماز درست نہ ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ اگر اس عضو کا چوتھائی حصہ کھل جائے جس کا چھپانا واجب ہے تو نماز درست نہیں ہوگی۔ پس سر الگ عضو ہے اور لٹکنے والے بال الگ عضو ہیں اور آلۂ تناسل الگ عضو ہے اور فوطے ایک الگ عضو ہیں اور جس شخص کے پاس نجاست کو دور کرنے والی چیز

بالخطأ في الصلوة او تحول علية ظنه الى جهة اخرى وهو في الصلوة استدار ولن تحرى
بلا تحر لم يجز وان اصاب لان قبلته جهة تحريه ولم يوجد فان تحرى كل بجهة بلا علم
حال امامه ومن خلفه جاز لا لمن علم حاله او تقدمه اى صلى قوم في ليلة مظلمة
بالجماعة و تحروا القبلة و توجه كل واحد الى جهة تحريه ولم يعلم احد ان الامام الى اى
جهة توجه لكن يعلم كل واحد ان الامام ليس خلفه جازت صلاتهم الا ان علم احدهم
في الصلوة جهة توجه الامام ومع ذلك خالفه لا يجوز صلوته

ترجمہ اگر دوران نماز اسے قبلہ کا علم ہو گیا یا اس کی رائے بدل کر دوسری سمت کے متعلق ہو گئی جب کہ وہ نماز میں ہی ہو تو گھوم جائے یعنی اگر نماز پڑھنے کے دوران غلطی کا علم ہو یا دوسری سمت کے قبلہ ہونے کا غالب گمان ہو جائے درانحالیکہ وہ نماز میں ہو تو گھوم جائے۔ اگر اس صورت میں بلا تحری کے نماز شروع کی تو خواہ صحیح سمت قبلہ کیوں نہ پڑھی ہو نماز درست نہ ہوگی کیونکہ اس کا قبلہ جہت تحری ہے اور جہت تحری پائی نہیں گئی۔ اگر ہر ایک نے مقتدیوں میں سے اپنے امام کے حال کے علم کے بغیر تحری کر کے نماز پڑھی درانحالیکہ وہ اس کے پیچھے ہی نماز پڑھ رہے ہوں (آگے نہ بڑھے ہوں) تو ان کی نماز درست ہوگی لیکن جسے امام کے حال کا علم ہو گیا اور پھر امام کی سمت کی اقتداء نہیں کی یا امام سے آگے بڑھ جانے کا علم ہو گیا تو نماز درست نہ ہوگی۔ یعنی ایک قوم نے اندھیری رات میں باجماعت نماز پڑھی اور قبلہ کے بارے میں تحری کی اور ہر ایک نے جہت تحری کے مطابق نماز پڑھی اور ان میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ امام کی جہت قبلہ کون سی ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کو یہ خبر ہے کہ امام اس کے پیچھے نہیں (بلکہ آگے ہے) تو ان سب کی نماز درست ہو جائے گی لیکن اگر ان میں سے کسی کو دوران نماز امام کی سمت قبلہ کا علم ہو جائے اور اس کے باوجود وہ امام کی سمت قبلہ کے خلاف کھڑا رہے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔

تشریح و توضیح وان علم الخ یعنی دوران نماز نماز پڑھنے والے کو اپنی غلطی کا علم ہو جائے جیسے تاریکی دور ہونے اور ستارے روشن ہو جانے کے سبب جہت قبلہ کی شناخت ہو جائے یا دوران نماز کوئی اطلاع دینے والا اطلاع دے تو اس کے بعد نماز پڑھنے والے پر صحیح جہت کی طرف گھوم کر باقی نماز ادا کرنا واجب ہے۔ البتہ اس پر شروع سے پوری نماز پڑھنا اور نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں کیونکہ عاجز اور ناواقف ہونے کی صورت میں جہت تحری فرض ہے۔ تحول اور گھوم جانے کی اصل یہ ہے کہ جب قبلہ بیت المقدس کی جگہ کعبہ مقرر ہوا تو صحابہ کرامؓ دوران نماز جہت شام سے جہت مکہ کی طرف گھوم گئے اور باقی نماز جہت کعبہ میں ادا کی (یہ روایت بخاری شریف اور مسلم شریف میں موجود ہے)

وهو في الصلوة الخ کیونکہ نماز کے اختتام کے بعد علم ہونے پر پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا جیسا کہ نماز

پڑھنے کے بعد غلطی کا علم ہوا ہے۔

او تحول علیہ الخ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رائے سے مراد وہ غالب رائے ہے ضعیف اور متردد رائے جیسی کہ وہ ناقابل اعتبار ہوتی ہے۔

اذا صلی قوم بالتحری باجماعت یعنی لوگ تاریکی رات میں نماز ادا کریں اور تاریکی کی وجہ سے امام کی جہت کا علم نہ ہو البتہ آواز سے اس کی شناخت ہو کہ امام ان لوگوں سے پیچھے نہیں چلا گیا ہے۔

وكذا اذا علم ان الامام خلفه فقوله وهو خلفه فيه تساهل لان كلامنا فيما اذا لم يعلم ان الامام الى اى جهة توجه فكيف يعلم انه خلف الامام فالمراد انه يعلم ان الامام امامه وبعض العصر من ان يكون هو خلف الامام اولا لانه اذا كان الامام قدامه يحتمل ان يكون وجهه الى وجه الامام او الى جنبه او الى ظهره وانما يكون هو خلف الامام اذا كان وجهه الى ظهر الامام وحينئذ يكون توجه الامام معلومة وكلامنا ليس فى هذا وعبارة المختصر ولم يضره جهله جهة امامه او علم انه ليس خلفه بل علم مخالفته اى اذا علم ان الامام ليس خلفه ويصلى قصد قلبه صلوته بتعيينها هذا تفسير النية والقصد مع لفظه افضل ويكفى للنفل والتراويح وسائر السنن نية مطلق الصلوة وللفرض شرط تعيينه لا نية عدد ركعات وللمقتدى نية صلوته واقتدائه

ترجمہ اور اسی طرح جب یہ معلوم ہو کہ امام اس کے پیچھے ہے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی مصنف علیہ الرحمہ کے قول، وھو خلفہ، میں تسامح ہے اس لئے کہ ہمیں اس بارے میں کلام ہے کہ جب ان میں سے کسی کو امام کی جہت کا علم نہ ہوگا تو اسے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ وہ امام کے پیچھے ہے پس مراد اس سے یہ ہے کہ اسے اس کا علم ہو کہ امام اس سے آگے ہے اور اس میں عمومیت ہے کہ وہ امام کے پیچھے ہو یا نہ ہو اس لئے کہ امام جس سے آگے ہوگا تو اس کا احتمال ہے کہ مقتدی کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہو یا امام کے پہلو یا پشت کی طرف ہو اور امام کے پیچھے وہ اس وقت ہوگا جب کہ اس کا چہرہ امام کی پیٹھ کی جانب ہو اور اس وقت امام کی جہت معلوم ہوگی اور مختصر الوقایہ کی عبارت ہے کہ امام کی جہت سے مقتدی کی ناواقفیت اس کی صحت نماز پر اثر انداز نہ ہوگی بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ امام اس کے پیچھے نہیں چلا گیا ہے اور امام کی جہت سے مقتدی کی جہت کا مخالف ہونا اس صورت میں نماز کے لئے نقصان دہ ہوگا جب کہ اسے معلوم ہو کہ وہ امام کے پیچھے نہیں ہے اور نماز فرض میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ متعین نماز کی نیت فرض ہے یہ نیت اس ارادہ دلی کی تفسیر ہے نیت قلبی کے ساتھ زبان سے کہنا افضل ہے اور نفل و تراویح اور ساری سنتوں کے لئے مطلق نماز کی نیت

کافی ہے۔ فرض نماز میں فرض کی تعیین شرط ہے رکعات کے عدد کی تعیین شرط نہیں، اور مقتدی کے لئے اپنی نماز اور امام کی اقتداء کی نیت شرط ہے۔

تشریح و توضیح

بشرط مقارنتھا الخ یہ مستحب وقت کا بیان ہے اس لئے نیت کا تکبیر تحریمہ کے ساتھ اتصال مستحب ہے، اور نیت کا تحریمہ سے مقدم کرنا بھی درست ہے بشرطیکہ درمیان میں ایسے کام میں مشغول نہ ہو جو نماز کی جنس سے نہ ہو لیکن نیت تکبیر تحریمہ سے مؤخر کرنا زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ جائز نہیں۔

النیۃ الخ یعنی نیت کا یہ طریقہ نماز میں معتبر ہے۔

افضل الخ یہاں تین درجے ہیں ایک تو یہ کہ نیت قلب پر اکتفاء کیا جائے یہ بالاتفاق کافی اور طریقہ مشروع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور ابن القیم نے زاد المعاد میں اس کی صراحت کی ہے دوسرے یہ کہ نیت قلب کو چھوڑ کر فقط الفاظ پر اکتفاء کیا جائے یہ ناکافی ہے تیسرے یہ کہ نیت قلب بھی ہو اور الفاظ کے ذریعہ اس کا اظہار بھی کیا جائے یہ طریقہ مستحب ہے۔

سائر السنن الخ اس کے اطلاق میں سنت فجر بھی داخل ہیں حتی کہ اگر کوئی شخص تہجد کی دو رکعات پڑھے پھر معلوم ہوا کہ اس نے دو رکعات طلوع صبح صادق کے بعد پڑھی ہیں تو یہ دو رکعت سنت فجر میں شمار کرلی جائیں گی اور الگ سے مزید دو رکعات پڑھنے کی ضرورت نہیں بحر الرائق میں اسی طرح ہے۔

نیۃ مطلق الصلوٰۃ الخ نوافل میں بالاتفاق مطلق نماز کی نیت کافی ہے۔

تعیینہ الخ اس لئے کہ فرضیت یہ مطلق نماز پر وصف زائد ہے پس اگر نماز پڑھے اور اس کی تعیین نہیں کریگا تو تعیین نہ ہوگی لا نیۃ الخ یعنی تعداد رکعات کی تعیین شرط نہیں تو جب نماز متعین ہوگی تو رکعات کی بھی تعیین ہوگی۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

فرضها التحريمة وهي قوله الله اكبر وما يقوم مقامه وهو شرط عندنا لقوله تعالى وذكر اسم ربه فصلى وعند الشافعي رح انه ركن فاما رفع اليدين فسنة والقيام والقراءة والركوع والسجود بالجبهة والانف وبه اخذ يجوز عند ابي حنيفة رح الاكتفاء بالانف عند عدم العذر خلافا لهما والفتوى على قولهما والقعدة الاخيرة قدر التشهد والخروج بصنعه۔

ترجمہ نماز میں فرض تحریمہ (اللہ اکبر کہنا) ہے اور وہ کلمہ جو اس کے قائم مقام ہو وہ ہمارے احناف کے نزدیک شرط ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے: وذکر اسم ربہ فصلی اور امام شافعی کے

نزدیک رکن ہے لیکن ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے اور قیام اور قرات اور رکوع اور سجدہ پیشانی اور ناک سے فرض ہے مشائخ فقہا کا متفق علیہ یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بلا عذر بھی صرف ناک پر سجدہ جائز ہے مگر بلا عذر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک درست نہیں اور فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمدؒ کے قول پر ہے۔ اور بقدر تشہد (التحیات کی مقدار) اخیر میں بیٹھنا اور قصداً نماز سے نکلنا فرض ہے۔

تشریح و توضیح

فرضہا۔ مصنفؒ نے "فرضہا" کہا ہے "ارکانہا" نہیں کہا یہ اس طرف اشارہ ہے کہ احنافؒ کے نزدیک "تحریمہ" شرط ہے۔ "رکن" "شرط" اور فرض دونوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ شرط شئے کی حقیقت سے خارج ہوتی ہے اور رکن داخل شئی ہوتا ہے۔ اور فرض سے مراد یہ ہے کہ جس کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہے جس کا منکر کافر اور اس کا ترک کرنے والا مستحق عذاب ہوگا۔

والتحریمۃ الخ۔ نماز پڑھنے والے پر وہ فعل جو جنس نماز سے نہ ہو حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کی کنجی پاکی ہے اور اس کی تحریمہ (نماز کے علاوہ چیزوں کو حرام کرنے والی) تکبیر اور اس کی تحلیل (حلال کرنے والی چیز) سلام ہے۔ (یہ روایت ترمذی وغیرہ میں موجود ہے) اور تحریمہ کی فرضیت ارشاد ربانی وربك فكبر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت سے ثابت ہے۔

وھی قولہ اللہ اکبر الخ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً اور تعلیماً اور فعلاً منقول ہے معجم الطبرانی صحیح ابن خزیمہ اور سنن ابن حبان وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اسی بناء پر تصریح کی ہے کہ تکبیر میں اور پھر اس لفظ کا اختیار کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ اگر کوئی شخص بجائے عربی کے فارسی میں کہے یا "سبحان اللہ" اور "الحمد للہ" کہے تو مکروہ ہے۔ ذخیرہ اور ظہیریہ میں اس کی صراحت ہے۔

وواجبها قراءة الفاتحة وضم سورة ورعاية الترتيب فيما تكرر في الصلاة اية ومراعاة الترتيب فيما شرع مكررا من الافعال وذكر في حواشي الهداية نقلا عن المبسوط كالسجدة فانه لو قام الى الثانية بعد ما سجد سجدة واحدة قبل ان يسجد الاخرى يقضيها ويكون القيام معتبرا لانه لم يترك الا الواجب اقول قوله فيما تكرر ليس قيدا يوجب نفي الحكم عما عداه فان مراعاة الترتيب في الاركان التي لا تتكرر في ركعة واحدة كالركوع ونحوه واجبة ايضا لما سيأتي في باب سجود السهو ان سجود السهو يجب بتقديم ركن على اخره واوردوا نظيره تقديم الركوع قبل القراءة وسجدة السهو لا تجب الا بترك الواجب فعلم ان الترتيب بين الركوع والقراءة واجب مع انهما غير مكرر في ركعة واحدة وقد قال في الذخيرة اما تقديم الركن نحو ان يركع قبل ان يقرأ فلان مراعاة الترتيب واجبة عند اصحابنا الثلثة خلافا لزفر فانها فرض عنده فعلم ان رعاية الترتيب واجبة مطلقا فلا

ما جاء الی قولہ فیما تکرر فلعل الساقط ذکرہ فی المختصر یخطئ بل ان المراد بما تکرر ما تکرر فی الصدر احترازا عما لا یتکرر فی الصلوٰۃ علی سبیل الفرضیۃ وھو تکبیرۃ الافتتاح و القعدۃ الاخیرۃ فان مراعاۃ الترتیب فی ذلک فرض

ترجمہ اور نماز کے واجبات یہ ہیں (۱) سورۂ فاتحہ کا پڑھنا (۲) اور سورۃ کا ملانا (۳) اور ان میں ترتیب کی رعایت جو نماز میں مکرر آتے ہیں (جو اور) اور ترتیب کی رعایت ان افعال میں جو مکرر ہیں مختصر درج ہیں جو شیخ ہدایہ میں مسطور ہے سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے جیسے "سجدہ" جیسے اگر نماز پڑھنے والا دوسری رکعت کے لئے ایک سجدہ کرکے دوسرا سجدہ کرنے سے قبل کھڑا ہو جائے تو اس کی قضا کرے اور اس کا قیام (کھڑا ہونا) معتبر ہوگا کیونکہ صرف واجب کا ترک ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ مصنف کا قول "فیما تکرر" یہ ایسی قید نہیں ہے جو اس کے علاوہ سے حکم کی نفی کرتی ہو کیونکہ ترتیب کی رعایت ان ارکان میں بھی واجب ہے جو ایک رکعت میں مکرر نہیں آتے مثلاً رکوع وغیرہ جیسا کہ عنقریب باب سجود السہو میں آئے گا کہ سجدے اس صورت میں بھی واجب ہیں کہ ایک رکن دوسرے سے مقدم ہو جائے اور شراح اور محشین نے اس کی نظیر پیش کی ہے کہ رکوع کا رکن قرأت سے قبل ادا کیا جائے۔ اور سجدہ سہو ترک واجب ہی کی صورت میں لازم ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ترتیب رکوع اور قرأت کے درمیان واجب ہے حالانکہ وہ دونوں ایک رکعت میں مکرر نہیں آتے۔ اور ذخیرہ میں (باب سجود السہو میں) ہے کہ رکن کو مقدم کرنا مثلاً قرأت سے قبل رکوع تو ہمارے تینوں اصحاب (امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ) کے نزدیک ترتیب کی رعایت واجب ہے امام زفرؒ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک ترتیب کی رعایت فرض ہے پس معلوم ہوا کہ ترتیب کی رعایت مطلق (بلا قید) واجب ہے پس مصنفؒ کے قول "فیما تکرر" کی احتیاج نہیں اسی بنا پر یہ قید "مختصر" میں بیان نہیں کی اور میرا قلبی میلان یہ ہے "ما تکرر فی الصلوٰۃ" کی قید سے نکالا گیا ان امور کو احتراز ہے جو نماز میں علی سبیل الفرض مکرر نہیں آتے اور وہ تکبیر افتتاح (تکبیر تحریمہ) اور قعدۂ اخیرہ ہیں کہ ان میں ترتیب کی رعایت فرض ہے۔

تشریح و توضیح وواجبھا الخ یعنی جس کا لزوم دلیل ظنی سے ثابت ہوا اور وہ عمل فرض کے مساوی ہے البتہ اس کا منکر کافر قرار نہیں دیا جاتا اور اس کے بھول کر ترک پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے

قراءۃ الفاتحۃ الخ حدیث میں ہے کہ ہر وہ نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔ اس کے علاوہ اور روایات صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) میں موجود ہیں۔

وضم سورۃ الخ حدیث شریف میں ہے کہ اس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی جس نے سورۂ فاتحہ کے ساتھ اور سورۃ نہیں پڑھی (ترمذی، ابن ماجہ) اگر کسی نے تین چھوٹی آیات یا تین چھوٹی آیتوں کے بقدر

ایک آیت کی تلاوت کی تو ترک واجب کا مرتکب ہوا۔ تحریمہ سے نماز پڑھنے والا نکل گیا۔

فعلم الخ یعنی وہ افعال جو نماز میں علی سبیل الفرضیت مکرر نہیں آتے ان میں بھی رعایت ترتیب واجب ہے مثلاً تکبیر افتتاح اور قعدہ جو دو رکعات والی نماز میں مکرر نہیں آتا ان میں بھی رعایت ترتیب لازم ہے حتی کہ اگر کوئی تکبیر افتتاح کو قعدہ سے مؤخر کر دے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

والقعدة الاولى والتشهد ان ذكر في الذخيرة ان القعدة الاولى سنة والثانية فريضة وفي الهداية ان قراءة التشهد في القعدة الاولى سنة وفي الثانية واجبة لكن المصنف لم يأخذ بهذا لان قوله عليه السلام لابن مسعود قل التحيات لله الخ يوجب الفرق في قراءة التشهد في الاولى والثانية بل يوجب الوجوب في كليهما ولما كانت القراءة في القعدة الاولى واجبة كانت القعدة الاولى ايضاً واجبة لا سنة ولفظ السلام خلافا للشافعي فانه فرض عنده وقنوت الوتر وتكبيرات العيدين وتعيين الاوليين للقرأة وتعديل الاركان خلافا للشافعي وابي يوسف فانه فرض عندهما وهو الاطمينان في الركوع وكذا في السجود وقدر بمقدار تسبيحة وكذا الاطمينان بين الركوع والسجود وبين السجدتين

ترجمہ اور قعدۂ اولیٰ اور دونوں قعدوں میں تشہد واجب ہے۔ ذخیرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں سنت اور دوسرے میں واجب ہے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ تشہد پہلے قعدہ میں پڑھنا سنت اور دوسرے میں واجب ہے۔ مگر مصنف رحمۃ اللہ نے اس قول کو اختیار نہیں کیا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "التحیات پڑھو" اس سے قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ کے تشہد میں فرق لازم نہیں آتا بلکہ دونوں میں وجوب ثابت ہوتا ہے اور جب قعدۂ اولیٰ میں پڑھنا واجب ہوگا تو قعدۂ اولیٰ بھی سنت نہیں واجب ہوگا۔ اور لفظ سلام کہنا واجب ہے امام شافعی کا اختلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک فرض ہے۔ اور وتر میں دعائے قنوت اور عیدین کی زائد تکبیریں اور پہلی دو رکعات میں قرأت کی تعیین اور تعدیل ارکان کی ادائیگی واجب ہے۔ امام شافعی اور امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ ان دونوں کے نزدیک فرض ہے۔ اور تعدیل ارکان رکوع اور سجدوں میں اطمینان ہے۔ اور اس کی مقدار ایک تسبیح بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح رکوع اور سجدوں اور دو سجدوں کے درمیان ٹھہرنا ہے۔

تشریح و توضیح القعدة الاولى یہاں "اولیٰ" سے مراد وہ قعدہ ہے جو آخری نہ ہو کیونکہ بعض وقت قعدہ

واجب ہوتے ہیں مثلاً مسبوق چار رکعات والی نماز میں جب قعدہ کرتا ہے جن میں اول کے دو قعدے واجب ہوتے ہیں اور آخری قعدہ فرض ہوتا ہے (بحر الرائق میں اسی طرح ہے) اور قعدۂ اولیٰ کے فرض نہ ہونے بلکہ واجب ہونے کی دلیل وہ روایت ابو داؤد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بھول کر قعدۂ اولیٰ ترک فرمایا اور سہو کی بنا پر سجدۂ سہو کیا لہٰذا اگر قعدۂ اولیٰ فرض ہوتا تو سجدۂ سہو کافی نہ ہوتا اور نماز ہی باطل ہو جاتی۔

سنۃ الخ قعدۂ اولیٰ کے سنت ہونے کا قول امام کرخیؒ اور امام طحاویؒ کا ہے اور صحیح قول وجوب ہے جیسا کہ ظہیریہ اور فتح القدیر میں صراحت ہے۔ بدائع میں ہے کہ اکثر مشائخ (فقہاء) اس وجہ سے اس کو سنت سے موسوم کرتے ہیں کہ اس کا وجوب فقط سنت سے ثابت ہے۔

لان الخ یہ حدیث بخاری شریف میں اس طرح ہے کہ "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے "التحیات للہ والصلوات الخ" کہنا چاہیے"۔ اور "ابن ماجہ" کی روایت میں ہے کہ جب تم بیٹھو تو "التحیات للہ" پڑھو اور نسائی وطحاوی کی روایت میں ہے کہ جب تم ہر دو رکعات میں بیٹھو تو "التحیات للہ" پڑھو۔

بل یوجب الوجوب الخ سنن وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعات پڑھ کر کھڑے ہو گئے اور (درمیان میں) نہیں بیٹھے اور پھر سجدۂ سہو کیا اس سے تشہد کا فرض نہ ہونا ثابت ہو گیا۔

وفرض عندہ الخ امام شافعیؒ اس حدیث سے فرضیت ثابت کرتے ہیں کہ "نماز کی کنجی پاکی ہے اور اس کی تحریم تکبیر اور اس کی تحلیل (مباح کرنے والی چیز) سلام ہے۔" اور احناف اس حدیث سے وجوب ثابت کرتے ہیں کہ جب امام قعدۂ اخیرہ میں ہو اور تکلم (سلام وغیرہ) سے قبل حدث پیش آ جائے تو اس کی اور مقتدیوں کی نماز پوری ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خروج بصنعہ (اما دنا تکلم) فرض ہے اگر سلام فرض ہوتا تو اس کے بغیر نماز کے اتمام کا حکم نہ کیا جاتا۔

وتعیین الاولیین الخ یعنی چار رکعات اور تین رکعات والی فرض نماز میں پہلی دو رکعات کی قراءت کے لئے تعیین یہی دو رکعات والی فرض قرآن دونوں رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ اسی طرح نوافل اور وتر کی تمام رکعات میں قراءت فرض ہے۔ پس اگر پہلی دو رکعات میں قراءت ترک کرکے اخیری دو رکعتوں میں قراءت کی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

والجهر والاخفاء فيما يجهر ويخفى وشئ غيرهما او نُدب اى ما عدا الفرائض والواجبات اما سنة او مندوب وعند الشافعى لا فرق بين الفرض والواجب على ما عُرف فى اصول الفقه فعندنا افعال الصلاة اما فرائض او سنن او مستحبات فاذا اراد الشروع كبّر ماذا فاجعل رفع يديه المراد بالحذف ان لا يأتى بالمد فى همزة الله ولا فى

کہہ لے تب بھی جائز ہے۔ ذخیرہ میں اسی طرح ہے۔

کبر الخ یعنی اللہ اکبر کہے۔ اگر صرف اللہ کہے گا تو نماز شروع کرنے والا شمار ہو گا

بعد رفع یدیہ الخ یعنی اول ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے، اور مبسوط میں اسے ہمارے اکثر مشائخ و فقہائے احناف کا قول قرار دیا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ ثابت ہے۔ یہ روایت بخاری شریف اور سنن اربعہ میں موجود ہے۔ یہ قول تینوں اقوال میں سے ایک ہے۔ دوسرا قول وہ ہے جس کی طرف قدوری نے اشارہ کیا اور قاضی خاں نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانے اور تکبیر دونوں ساتھ ساتھ ہوں۔ اس قول کی موافقت میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر کے ساتھ دست مبارک اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ یہ روایت مسند احمد، ابوداؤد اور بیہقی میں ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اول تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے۔ اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر تک اٹھاتے پھر اسی حال میں تکبیر کہتے کہ دونوں ہاتھ اسی طرح ہوتے تھے۔ حاصل یہ کہ تینوں صورتیں درست ہیں مگر اولیٰ پہلا ہی قول ہے

غیر مفرج الخ یعنی ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیوں کے کشادہ کرنے یا ملانے کے تکلف میں نہ پڑے بلکہ جس طرح ہوں انھیں ان کے حال پر چھوڑ دے۔

ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ انگلیاں کشادہ کرنا صرف ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی صورت میں مستحب ہے، اور صرف بحالت سجدہ انگلیاں ملائے اور ان دونوں کے علاوہ میں انگلیوں کو اپنے حال پر رکھے اور تکلف میں مبتلا نہ ہو۔

حذو ثدییہا الخ یعنی عورت صرف مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے کیونکہ اس میں زیادہ ستر ہے اور یہ شرعاً محمود و پسندیدہ ہے۔

ويضع يمينه على شماله تحت سرته كالقنوت وصلوة الجنازة ويرسل في قومة الركوع وبين تكبيرات العيدين فالحاصل ان كل قيام فيه ذكر مسنون ففيه الوضع وكل قيام ليس كذلك ففيه الارسال ثم يثني ولا يوجه اراد بالثناء سبحانك اللهم الى آخره والتوجيه قوله اني وجهت وجهي بعد التحريمة ويتعوذ للقراءة لا للثناء اي ان التعوذ تبع للقراءة لا تبع للثناء فيقوله المسبوق لا المؤتم تفريع على ان المسبوق يقرأ ولا يثني فيتعوذ والمؤتم يثني ولا يقرأ فلا يتعوذ واما من جعله تبعا للثناء فالحكم عنده على عكس ما ذكر ويؤخر عن تكبيرات العيدين لان التكبيرات بعد الثناء وينبغي ان يكون التعوذ متصلا بالقراءة لا بالثناء

ترجمہ اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف سے نیچے رکھے۔ قنوت اور نماز جنازہ میں بھی ہاتھ باندھے اور رکوع کے بعد کھڑے ہو تو ہاتھ چھوڑ دے اور عیدین کی تکبیر اولیٰ (یعنی تحریمہ) اور زائد تکبیرات میں ہاتھ چھوڑ دے۔ حاصل یہ ہے کہ ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون (طویل) ہو تو اس میں ہاتھ رکھے اور ہر وہ قیام جس میں ایسا نہ ہو اس میں ہاتھ چھوڑے رکھے پھر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھ کے ثناء پڑھے اور انی وجہت وجہی الخ نہ پڑھے۔ ثناء سے مراد سبحانک اللھم الخ ہے اور توجیہ سے مراد انی وجہت وجہی الخ (الآیۃ) کا تحریمہ کے بعد پڑھنا ہے۔ اور ثناء کے بعد ثناء کے لئے نہیں بلکہ قراءت کے لئے تعوذ (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم) پڑھے۔ راجح قول کے مطابق تعوذ قراءت کے تابع ہے ثناء کے تابع نہیں پس مقتدی تعوذ نہ پڑھے (اور) مسبوق تعوذ پڑھے یہ اس بنا پر ہے کہ مسبوق قراءت کرے گا اور ثناء نہیں پڑھے گا لہٰذا قراءت کے وقت تعوذ پڑھے گا اور مقتدی (جو اول سے امام کا شریک نماز ہو) ثناء پڑھے گا اور قراءت نہیں کرے گا پس تعوذ نہیں پڑھے گا۔ اور جن کے نزدیک تعوذ ثناء کے تابع ہے ان کے نزدیک حکم ذکر کردہ حکم کے برعکس ہوگا (یعنی مسبوق تعوذ نہیں پڑھے گا اور مقتدی پڑھے گا) اور تکبیرات عیدین کے بعد تعوذ پڑھے کیونکہ تکبیرات ثناء کے بعد ہیں لہٰذا مناسب ہے کہ تعوذ ثناء کے تابع نہیں بلکہ قراءت سے متصل رہے۔

تشریح و توضیح ویضع یمینہ علی شمالہ الخ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دایاں دست مبارک بائیں دست مبارک پر رکھا (یہ روایت ابوداؤد، ابن خزیمہ اور ابن حبان میں موجود ہے) اور بعض روایات میں ہے کہ دائیں دست مبارک سے بایاں دست مبارک پکڑا (یہ روایت نسائی میں ہے) اور بعض روایات میں ہے کہ بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ میں لیا (یہ روایت ابوداؤد اور ابن حبان میں موجود ہے)

بعض فقہاء نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے اوپر رکھی جائے اور پہونچے پر خنصر اور شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنایا جائے تاکہ پکڑنا اور رکھنا دونوں کا عملاً تحقق ہو جائے۔ بنایہ میں ہے کہ یہ قول زیادہ صحیح ہے اور اس کی تائید حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ اور پہونچے اور کلائی پر رکھا۔

تحت سرتہ الخ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دایاں دست مبارک بائیں دست مبارک پر ناف کے نیچے رکھا۔ یہ روایت عمدہ ہے اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

ولا یوجہ الخ یعنی یہ نہ پڑھے انی وجہت وجہی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا

"اول المسلمین" صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی وغیرہ میں اسی طرح وارد موجود ہے۔ المختار الخ یہ امام محمدؒ کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثنا کے تابع ہے۔

ویسمی لا بین الفاتحة والسورة ویسرهن ای الثناء والتعوذ والتسمیة خلافاً للشافعی فی التسمیة بناءً علی انه آیة من الفاتحة عنده لا عندنا وکثیر من الاحادیث الصحاح وارد فی انه علیه السلام والخلفاء الراشدین یفتتحون بالحمد لله رب العلمین ثم یقرء ویؤمن بعد ولا الضالین سراً کالمؤتم ثم یکبر للرکوع خافضاً

ترجمہ اور اس کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم کہے اور فاتحہ اور سورۃ کے درمیان میں نہ پڑھے اور ثنا اور تعوذ اور تسمیہ (بسم اللہ) آہستہ کہے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک تسمیہ جہراً پڑھے، اس بنا پر کہ ان کے نزدیک یہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔ احنافؒ کے نزدیک یہ قرآن کا جزو نہیں اور بہت سی صحیح احادیث اس بارے میں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین قراءت کا آغاز "الحمد للہ رب العلمین" سے کرتے تھے (اس سے تسمیہ اور تعوذ کا سراً پڑھنا معلوم ہوا) پھر پڑھے سورۂ فاتحہ اور "ولا الضالین" کے بعد آمین آہستہ سے کہے اور مقتدی بھی جہری نماز میں آہستہ سے آمین کہے پھر تکبیر کہے اور جھک کر رکوع کرے۔

تشریح و توضیح ویسمی الخ یعنی قراءت کے آغاز میں تعوذ کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے یہ پہلی رکعت میں بالاتفاق سنت ہے اور باقی رکعات میں سنت ہے یا نہیں اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بروایت حسنؒ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ یہ صرف پہلی رکعت میں مسنون ہے اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ بسم اللہ پڑھنا ہر رکعت میں اور تعوذ پہلی رکعت میں سنت ہے۔

لا بین الفاتحة والسورة۔ یعنی بسم اللہ سورۃ کے شروع میں نہیں بلکہ سورۂ فاتحہ کے آغاز میں پڑھنی چاہیے۔ امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کا مشہور مسلک یہی ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک سورۃ کے شروع میں بھی پڑھے۔ یہ فقہاء کا اختلاف اس کے مسنون ہونے میں ہے۔

"ذخیرہ" اور "مجتبیٰ" میں تصریح ہے کہ سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اچھا ہے خواہ سورۃ جہراً پڑھی جائے یا سراً۔ ابن ہمامؒ نے اسے راجح قرار دیا ہے۔ بحر الرائق اور منح الغفار میں اسی طرح ہے۔

ای الثناء الخ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور استعاذہ اور ربنا لک الحمد آہستہ پڑھتے تھے۔ احکام القرآن میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرض نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھتے تھے اور نہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما

لا عندنا الخ ہمارے نزدیک آمین کی طرح یہ بھی مطلقاً قرآن میں داخل نہیں۔

فی انہ الخ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی یہ قراءت کا آغاز الحمد للہ رب العلمین سے کرتے تھے اور نسائی، مسند احمد، ابن حبان کی روایت میں ہے کہ وہ "الحمد للہ رب العلمین" میں جہر کرتے تھے طبرانی، ابن خزیمہ اور ابن نعیم کی روایت میں ہے کہ وہ بسم اللہ میں سر کرتے تھے

یخفون الخ امام ترمذی جامع ترمذی میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین کرام اور ان کے بعد کے اہل علم قراءت کا آغاز "الحمد للہ رب العلمین" سے کرتے تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ قراءت کا آغاز سورۂ فاتحہ سے کرتے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے اور امام شافعی کے نزدیک جہری قراءت میں بسم اللہ بھی جہراً پڑھنی چاہیے

ثم یقرأ الخ یعنی واجب مقدار پڑھے خواہ امام ہو یا منفرد۔

ویؤمن الخ نماز پڑھنے والا امام ہو یا منفرد وہ آمین کہے۔

سرا الخ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دونوں بسم اللہ اور آمین میں جہر نہیں فرماتے تھے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آمین دعا ہے اور اصل دعا میں اخفاء ہے ارشاد ربانی ہے ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ "مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، طبرانی، دارقطنی اور حاکم وغیرہ میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پر پہنچتے تو آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہراً آمین کہنا بھی متعدد روایات سے ثابت ہے یہ روایات سنن ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن حبان اور کتاب الام للشافعی وغیرہ میں موجود ہیں۔

ثم یکبر الخ اس میں اشارہ ہے کہ رکوع کے وقت قراءت سے فراغت کے بعد تکبیر کہے۔

ویعتمد بیدیہ علی رکبتیہ مفرجاً اصابعہ باسطاً ظہرہ غیر رافع ولا منکس راسہ ویسبح ثلثاً وھو ادناہ ثم یسمع ای یقول سمع اللہ لمن حمدہ رافعاً راسہ ویکتفی بہ الامام وبالتحمید المؤتم والمنفرد یجمع بینہما ویقوم مستویاً ثم یکبر ویسجد فیضع رکبتیہ علی الارض ثم یدیہ ثم وجہہ بین کفیہ ویدیہ حذاء اذنیہ ضاماً اصابعہ مبدیاً ضبعیہ مجافیاً بطنہ عن فخذیہ موجہاً اصابع رجلیہ نحو القبلۃ ویسبح فیہ ثلثاً

ترجمہ اور رکوع میں دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھے اور انگلیاں کشادہ رکھے، اور پیٹھ برابر

رہے اور سر نہ اٹھائے اور نہ جھکائے (بلکہ برابر رکھے) اور تین بار تسبیح پڑھے (سبحان ربی العظیم کہے) اور یہ ادنیٰ مقدار ہے۔ اس کے بعد "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے ہوئے سر کو اٹھائے اور امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے اور تنہا نماز پڑھنے والا دونوں کہے۔ اور سیدھا کھڑا ہو کر پھر تکبیر کہے اور سجدے میں چلا جائے (اس طرح کہ) اول اپنے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے ہاتھ دونوں کانوں کے بالمقابل رکھے۔ اور انگلیاں ملی ہوئی رکھے اور دونوں بازو پیٹ سے اور پیٹ رانوں سے الگ رکھے (اور پیروں کی انگلیاں قبلہ رخ رہیں) اور سجدہ میں کم از کم تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے۔

تشریح و توضیح

باسطاً ظہرہ الخ یعنی رکوع میں پیٹھ اس قدر برابر رہے کہ اگر پانی سے بھرا ہوا پیالہ پیٹھ پر رکھ دیا جائے تو وہ ٹھہر جائے۔ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک بحالت رکوع برابر رہتی تھی۔

ولا ینکس الخ یعنی دوران رکوع سر کو زیادہ نہ جھکائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع فرماتے تو نہ سر مبارک کو زیادہ بلند کرتے اور نہ زیادہ جھکاتے تھے۔

وهو ادناه الخ یعنی کم از کم تین بار پڑھنا یہ تسبیح کی ادنیٰ مقدار ہے اور افضل یہ ہے کہ تین سے زیادہ پانچ یا سات یا نو مرتبہ پڑھیں۔ تین سے کم ہونے کی صورت میں سنت کا ترک لازم آئے گا۔ سجدہ کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو تین بار "سبحان ربی العظیم" کہے اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے۔ اور جب سجدہ کرے تو سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ کہے اور یہ اس کی ادنیٰ مقدار ہے (یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی میں موجود ہے) یہ امر استحبابی ہے فرض کے طور پر نہیں۔

فیضع الخ اس بارے میں حضرت کلیب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سجدہ کرتے ہوئے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور اٹھتے وقت گھٹنوں سے قبل اٹھاتے تھے (یہ روایت سنن اربعہ، مسند احمد، دارمی وغیرہ میں بسند قوی مروی ہے)

حذاء اذنیہ الخ چہرے کے قریب کے ساتھ یعنی ہاتھ کانوں کے مقابل رہیں۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے (یہ روایت مسلم، نسائی، طحاوی میں ہے) اور ہاتھوں کا کندھوں کے مقابل ہونا بھی حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے۔ یہ روایت ابوداؤد و ترمذی میں ہے۔

ضاماً اصابعہ الخ یعنی بحالت سجدہ ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رہنی چاہئیں۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رہتی تھیں۔ (ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں یہ روایت نقل کی ہے)

مجافیاً الخ یعنی رانوں سے پیٹ الگ رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے

(یہ روایت مسلم، مستدرک حاکم اور مسند ابویعلیٰ میں اسی طرح ہے)
موجھا الخ یعنی ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں سجدہ میں قبلہ رخ رہنی چاہئیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے
جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات چیزیں سجدہ کرتی ہیں

فان سجد علی کور عمامته او فاضل ثوبه او شئ یجد حجمه ویستقر جبهته جاز وان لم یستقر لا وکذا لو سجد للزحام علی ظهر من یصلی صلوته لا من لا یصلیها ای لا علی ظهر من لا یصلی صلوته وهو اما ان لا یصلی اصلا او یصلی ولکن لا یصلی صلوته والمرأة تخفض فی السجود وتلزق بطنها بفخذیها ویرفع راسه مکبرا ویجلس مطمئنا ویکبر ویرفع راسه اولا ثم یدیه ثم رکبتیه ویقوم مستویا بلا اعتماد علی الارض ولا قعود وفیه خلاف الشافعی رحمه الله ویسمی جلسة الاستراحة والرکعة الثانیة کالاولی لکن لا ثناء ولا تعوذ ولا رفع یدیه فیها واذا اتمها افترش رجله الیسری وجلس علیها ناصبا یمناه موجها اصابعه نحو القبلة واضعا یدیه علی فخذیه موجها اصابعه نحو القبلة مبسوطة وفیه خلاف الشافعی رحمه الله فان عنده یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطی والابهام ویشیر بالسبابة عند التلفظ بالشهادتین ومثل هذا جاء عن علمائنا ایضا

ترجمہ پس اگر پگڑی کے پیچ پر یا فاضل کپڑے پر یا جِرم والی چیز پر سجدہ کیا اور پیشانی اس پر ٹھہرتی ہے تو سجدہ جائز ہے ورنہ جائز نہیں اور اسی طرح اگر لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے ایک نماز پڑھنے والا نماز نہ پڑھنے والے کی پیٹھ پر نہیں بلکہ وہی نماز پڑھنے والے ہی کی پیٹھ پر سجدہ کرے تو جائز ہے (یعنی دونوں کی نماز ایک ہو) یعنی اس شخص کی پشت پر سجدہ نہ کرے جو وہی نماز نہ پڑھ رہا ہو جو وہ پڑھ رہا ہے۔ اور وہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو سرے سے نماز میں مشغول ہی نہ ہوگا یا یہ کہ نماز میں مشغول ہوگا مگر وہ نماز نہیں پڑھ رہا ہوگا جو سجدہ کرنے والا پڑھ رہا ہے۔ اور عورت اعضاء کو سکیڑے اور پیٹ رانوں سے ملائے۔ اور بعد سجدہ کے پھر سر اٹھا کر تکبیر کہے اور اطمینان سے بیٹھے اور پھر تکبیر کہے اور اطمینان سے سجدہ کرے اور پھر تکبیر کہتے ہوئے اول اپنا سر اٹھائے پھر دونوں گھٹنے، زمین پر ہاتھ ٹکائے اور بیٹھے بغیر سیدھا کھڑا ہو جائے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بیٹھے۔ اسے جلسۂ استراحت کہتے ہیں۔ اور دوسری رکعت بھی پہلی کی طرح ہے مگر نہ اس میں ثناء اور تعوذ پڑھے اور نہ ہاتھ اٹھائے۔ اور جب دوسری رکعت پوری ہو جائے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پیر اس طرح کھڑا رکھے کہ اس کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں اور دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھے (اس طرح کہ) انگلیاں قبلہ رخ پھیلی ہوئی ہوں۔ امام شافعیؒ

شافعی رحمہ اللہ کو اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک سب سے چھوٹی انگلی اور اس کے پاس کی انگلی کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بناتے ہوئے شہادتین کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ ہمارے علماء احناف سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

تشریح و توضیح

او ما صلی ثوبہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت گرمی میں نماز پڑھتے تھے۔ پس جب ہم میں سے کسی کے لئے گرمی کی شدت کے سبب چہرہ رکھنا ممکن نہ ہوتا تو اس پر کپڑا پھیلا کر سجدہ کرتے۔

وکفہ: الخ یعنی مصلی کی پیٹھ پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب بھیڑ زیادہ ہو اور زمین پر سجدہ نہ کر سکے تو اپنے بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کرے۔ بیہقی میں یہ ارشاد موجود ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم کی تلاوت فرما کر سجدہ کیا پھر سجدوں میں طوالت کی اور لوگوں کی کثرت ہوئی تو بعض نے بعض کی پیٹھ پر سجدے کئے۔

بلا عذر الخ یعنی بوقت قیام دونوں قدم زمین پر نہ لگائے تو ان اور مجبور شخص کی طرح ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا عذر ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ یہ روایت ابو داؤد میں ہے۔

ویسن جلسۃ الاستراحۃ الخ امام شافعی جلسۂ استراحت کے قائل ہیں۔ ان کا مستدل حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دکھاتا ہوں پھر انہوں نے نماز پڑھی اور دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھے۔ یہ روایت بخاری شریف میں ہے اور یہ بنا بر عذر تھا۔ احناف کا مستدل یہ روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پنجوں کے بل سجدہ سے اٹھتے تھے۔ اس روایت کو تقویت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے پہنچتی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، حضرت ابو سعید خدری وغیرہ رضی اللہ عنہم جلسۂ استراحت نہیں کرتے تھے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی میں ہے۔ رہی حضرت مالک کی روایت تو وہ بیان جواز اور حالت عذر پر محمول ہے۔

لا ثناء الخ یعنی دوسری رکعت میں سبحانک اللھم وبحمدک الخ قراءت سے قبل نہیں پڑھتے تھے۔ اس لئے کہ یہ صرف پہلی رکعت کے ساتھ مخصوص ہے۔

ولا تعوذ الخ مسند احمد، مستدرک حاکم و ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت سے قبل تعوذ پڑھتے تھے۔

افترش رجلہ الخ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پیر بچھاتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے۔ یہ روایت مسلم اور نسائی میں ہے۔ حضرت ابن عمر سے منقول ہے

کر نماز کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھے

ويتشهد كابن مسعود رضي الله عنه ولا يزيد عليه في القعدة الأولى ويقرأ فيما بعد الأوليين
الفاتحة فقط وهي أفضل وإن سبح أو سكت جاز ويقعد كالأولى خلافاً للشافعي رحمه الله فإن السنة
عنده في التشهد الثاني التورك وهو جلوس المرأة في الصلاة وهي هذه والمرأة
تجلس على أليتها اليسرى مخرجة رجليها من الجانب الأيمن فيهما أي في التشهدين
ويتشهد ويصلي على النبي عليه السلام ويدعو بما يشبه القرآن والمأثور من الدعاء لا
كلام الناس فلا يسأل شيئا مما يسأل من الناس ثم يسلم عن يمينه ينوي من ثمة من
البشر والملك ثم عن يساره كذلك والمؤتم ينوي امامه في جانبه وفيهما إن حاذاه
والامام بهما اي ينوي الامام بالتسليمتين وعند البعض الامام لا ينوي لانه يشير
الى القوم والاشارة فوق النية وعند البعض الامام ينوي بالتسليمة الاولى و
المنفرد الملك فقط

ترجمہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد پڑھے اور قعدۂ اولیٰ میں اس سے زیادہ نہ پڑھے اور پہلی دو رکعات کے بعد دوسری رکعات یا ایک رکعت میں فقط سورۂ فاتحہ پڑھے اور یہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ افضل ہے اور اگر تسبیح کہے یا خاموش کھڑا رہے تو درست ہے اور پہلی دو رکعتوں کی طرح اب بھی بیٹھے امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک دوسرے تشہد میں تورک ہے یعنی بائیں سرین پر بیٹھ کر دونوں پاؤں داہنی جانب نکالنا اور وہ نماز میں عورت کے بیٹھنے کی ہیئت ہے اور عورت اپنے بائیں سرین پر دونوں پاؤں داہنی جانب نکال کر بیٹھے عورت دونوں قعدوں میں اسی طرح بیٹھے اور تشہد پڑھے اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور وہ دعا مانگے جو قرآن کے مشابہ ہو یا اس دعا کے جو حدیث سے منقول ہو لوگوں کے کلام سے مشابہ دعا نہ مانگے یعنی ایسا سوال نہ کرے جیسا کہ لوگوں سے سوال کیا جاتا ہے پھر دائیں جانب دائیں طرف کے لوگوں اور فرشتوں کی نیت کرتے ہوئے سلام پھیرے پھر اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرے اور مقتدی امام کی جس کی جانب میں ہو نیت کرے اور امام سامنے ہو تو دونوں جانبوں میں امام کی نیت کرے اور امام دونوں سلاموں میں ان کی نیت کرے۔ اور بعض کے نزدیک کسی سلام میں امام نیت نہ کرے کیونکہ سلام خود قوم کی طرف اشارہ ہے اور اشارہ نیت سے بڑھ کر ہے اور بعض کے نزدیک فقط پہلے سلام میں نیت کرے۔ اور اکیلا نماز پڑھنے والا دونوں سلاموں میں فقط فرشتوں کی نیت کرے

تشریح و توضیح

ویتشھد الخ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا کہ وہ جلسہ میں یعنی بیٹھ کر پڑھیں التحیات للہ والصلوٰت والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ صحاح ستہ میں یہ روایت ہے اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ تشہد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایات میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے اور اکثر اہل علم یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے ائمہ عظام کا اسی پر عمل رہا ہے۔

ولا یزید الخ یعنی قعدۂ اولیٰ میں اس سے زیادہ نہ پڑھے اور قعدۂ اولیٰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھے۔ البتہ اس میں اور کوئی دعا نہ کرے اس کی تائید میں مسند احمد کی یہ روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی اول صلوٰۃ اور آخر صلوٰۃ میں تعلیم دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وسط صلوٰۃ میں تشہد پڑھ کر اٹھ جاتے تھے اور آخر صلوٰۃ میں تشہد کے علاوہ دعا فرماتے تھے جس قدر چاہتے تھے۔

فقط الخ یعنی اخیری دو رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کی پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور اخیری دو رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے مسنون یہی ہے مؤطا میں اس کی صراحت ہے۔ لیکن اگر کوئی سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۃ بھی ملالے تو زیادہ صحیح قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔

جاز الخ مؤطا میں امام محمدؒ سے منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اخیری دو رکعات میں کچھ نہ پڑھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اخیری دو رکعات میں قرارت اور عدم قرارت میں اختیار منقول ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت موجود ہے ان روایات کا مطلب اظہار جواز ہے ورنہ مسنون اخیری دو رکعات میں قرارت ہی ہے۔

ویصلی علی النبی الخ احناف سے یہ درود پڑھنا منقول ہے اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

فصل فی القراءۃ!

یجھر الامام فی الجمعۃ والعیدین والفجر واولی العشائین اداءً و قضاءً والمخیر والمنفرد خیر ان ادی وخافت حتما ان قضی وادنی الجھر اسماع غیرہ وادنی المخافتۃ

اسماع غيره هو الصحيح احترز عما قيل ان ادنى الجهر اسماع نفسه وادنى المخافتة تصحيح الحروف وكذا اى كل ما يتعلق بالنطق كالطلاق والعتاق والاستثناء وغيرها اى ادنى المخافتة فى هذه الاشياء اسماع نفسه حتى لو طلق او اعتق بحيث صحح الحروف لكن لم يسمع نفسه لا يقع ولو طلق جهرا ووصل به ان شاء الله بحيث لم يسمع نفسه يقع الطلاق ولم يصح الاستثناء۔

ترجمہ امام نماز جمعہ، عیدین، فجر اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعات میں خواہ ادا ہوں یا قضاء، جہر کرے (پکار کر پڑھے) ان نمازوں کے علاوہ نمازوں میں جہر نہ کرے۔ اور تنہا نماز پڑھنے والے کو اداء نماز ہو تو جہر اور سر دونوں کا اختیار ہے، اور منفرد قضاء نماز آہستہ ہی پڑھے۔ جہر کی ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ دوسرا سن لے اور آہستہ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود سن لے۔ یہ قول صحیح ہے مصنفؒ نے یہ کہہ کر اس قول سے احتراز کیا ہے کہ جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود سن لے اور آہستہ (سر) کا ادنیٰ درجہ حروف کی تصحیح ہے اسی طرح ہر وہ بات جس کا تعلق نطق (بولنے) سے ہو مثلاً طلاق اور عتاق (آزادی) اور استثناء وغیرہ اگر اس طرح ہے کہ خود کو بھی سنائی نہ دے تو ان کا وقوع نہ ہوگا یعنی ان چیزوں میں آہستہ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود سن لے یہاں تک کہ اگر طلاق دے یا آزاد کرے اس طرح کہ حروف کی تصحیح ہو جائے مگر خود نہ سنے تو واقع نہ ہوگی۔ اور اگر جہراً طلاق دے اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ اس طرح ملائے کہ خود نہ سنے تو استثناء صحیح نہ ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

تشریح و توضیح فی الجمعة والعیدین الخ نماز جمعہ اور نماز عیدین میں جہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے نماز عیدین میں جہر ہے۔ (بیہقی) یہاں روایت موجود ہے، مصنف عبد الرزاق میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے نماز جمعہ کی دو رکعتیں پڑھائیں اور دونوں میں جہر کیا۔

والفجر الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ فجر کی دونوں رکعات اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعات میں جہر فرماتے تھے اور باقی رکعات میں سر فرماتے تھے۔ اور نماز ظہر و عصر میں سر فرماتے تھے

وخافت الخ یعنی نماز اگر قضا ہے تو اس میں سرا اور آہستہ پڑھنے کا حکم وجوبی ہے۔

لا یقع الخ کیونکہ تکلم و تحریک طلاق اور عتاق (آزادی) میں نطق کی شرط ہے اور صرف تصحیح حروف پر نطق کا اطلاق نہیں ہوتا لہٰذا محض تصحیح حروف کی صورت میں دونوں کو صحیح قرار نہ دیں گے۔

15
―
2

فان ترك سورة اولى العشاء قرأها بعد فاتحة اخريَيه وجهر بهما ان امّ ولو ترك فاتحتهما لم يعد لانه يقرأ الفاتحة في الاخريين ثم تقع فيهما فاتحة الاوليين يلزم تكرار الفاتحة في ركعة واحدة وهذا غير مشروع وفرض القراءة آية والمكتفي به مسيء لترك الواجب وسنتها في السفر عجلة الفاتحة واي سورة شاء وامنة نحو البروج وانشقت وفي الحضر استحسنوا طوال المفصل في الفجر والظهر واوساطه في العصر والعشاء وقصاره في المغرب ومن الحجرات طوال المفصل الى البروج ومنها اوساطه الى لم يكن ومنها قصاره الى الآخر وفي الضرورة بقدر الحال وكره توقيت سورة للصلوٰة اي تعيين سورة للصلوٰة بحيث لا يقرأ فيها الا تلك السورة ولا يقرأ المؤتم بل يستمع وينصت قال الله تعالى واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا وقال عليه الصلوٰة والسلام اذا كبر الامام فكبروا واذا قرأ فانصتوا وقال عليه الصلوٰة والسلام من كان له امام فقراءة الامام قراءة له وقال عليه الصلوٰة والسلام مالي انازع في القرآن وسكوت الامام ليقرأ المؤتم قلب الموضوع وان قرأ امامه آية ترغيب او ترهيب او خطب او صلى على النبي عليه الصلوٰة والسلام الا اذا قرأ قوله تعالى

صلوا عليه فيصلي سرًّا

ترجمہ پس اگر عشاء کی پہلی دو رکعات میں سورۃ نہ پڑھے تو اخیر کی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھے اور دونوں میں جہر کرے اگر امام ہو۔ اور اگر عشاء کی پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ چھوڑ دی ہو تو اخیر کی دو رکعات میں نہ پڑھے کیونکہ اخیر کی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے لہٰذا اگر رکعات میں پہلی دو رکعات کی فاتحہ کی قضا کرے گا تو ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ دو مرتبہ پڑھنی لازم آئے گی اور یہ تکرار فاتحہ خلاف شرع ہے۔ اور فرض قراءت ایک آیت (بڑی آیت) ہے اور صرف ایک آیت پر اکتفا کرنے والا ترک واجب کے سبب گنہگار ہوگا اور سفر میں مسنون یہ ہے کہ اگر جلدی کا وقت ہو تو سورۂ فاتحہ اور جو سورۃ چاہے پڑھے۔ اور اگر سکون و اطمینان کے وقت ہو تو سورۂ بروج اور انشقت وغیرہ کے اور حضر میں فجر اور ظہر میں طوال مفصل اور عصر و عشاء میں اوساط اور مغرب میں قصار پڑھنا مستحسن ہے الحجرات سے البروج تک طوال مفصل اور البروج سے لم یکن تک اوساط اور لم یکن سے آخر تک قصار (چھوٹی سورتیں) ہیں اور بوقت ضرورت حال کے مطابق پڑھے اور نماز کے لئے کوئی سورت متعین کر لینا مکروہ ہے یعنی اس طرح نماز کے لئے سورۃ متعین کر لینا کہ نماز میں صرف یہی سورۃ پڑھے باعث کراہت ہے اور مقتدی کچھ نہ پڑھے بلکہ سنے اور خاموش رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور

خاموش رہو اور نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ امام جب اللہ اکبر کہے تو اللہ اکبر کہو اور جب قرارت کرے تو خاموش رہو۔ اور نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس کے لئے امام ہو تو امام کی قرارت اس کی قرارت ہے۔ اور نبی علیہ السلام کا فرمان ہے۔ میرے لئے قرآن میں جھگڑا کیا جاتا ہے اگر میرے پیچھے لوگ قرآن پڑھتے ہیں، اور امام ہو کا مقتدی کی قرارت کی وجہ سے سکوت طلب موضوع ہے اور اگرچہ کسی کا امام کوئی ترغیب کی آیت یا ڈرانے والی آیت یا خطبہ دے (خطبۂ جمعہ وغیرہ) یا نبی علیہ السلام پر درود پڑھے تب بھی مقتدی کو خاموش رہے۔ البتہ جب وہ یہ آیت تلاوت کرے "صلوا علیہ" تو سراً درود پڑھ لے۔

تشریح و توضیح

آیۃ الخ ایک آیت اس کی کم سے کم مقدار چھ حروف ہیں۔ مفتی بہ قول کے مطابق کم از کم ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات کی تلاوت فرض ہے۔

معجلۃ الخ یعنی اگر عجلت و جلدی کا وقت ہو تو بربنائے ضرورت چھوٹی سورتیں پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بربنائے ضرورت چھوٹی سورتوں کی بڑی سورتوں کے بجائے تلاوت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کے موقعہ پر نماز فجر میں سورۃ البروج اور سورۃ انشقت کی تلاوت فرمائی الا یہ دونوں سورتیں اوساط مفصل میں سے ہیں۔ نسائی اور ابو داؤد وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز فجر میں دوران سفر الم ترکیف اور لایلاف کی تلاوت فرمائی۔ اور ایک بار قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد کی تلاوت کی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت موجود ہے)

نحو البروج الخ یعنی نماز فجر میں سورۂ بروج اور سورۃ انشقت وغیرہ اوساط مفصل میں سے تلاوت کرنی چاہئیں۔ بحیث الخ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مطلق تعیین مکروہ نہیں بلکہ اس طرح کی تعیین کہ دوسری سورتوں کی تلاوت ہی نہ کرے اور اسی سورۃ کی تلاوت کا التزام کرے مکروہ ہے۔

ولا یقرأ الخ یعنی مقتدی قرآن کریم کا کوئی حصہ تلاوت نہ کرے بلکہ مکمل سکوت اختیار کرے۔ تمام مشائخ احناف مقتدی کے پڑھنے کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں۔

واذا قرئ القرآن الخ یہ آیت صحابہؓ کی قرارت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آواز میں بلند کرنے کی مخالفت سے متعلق ہے۔ جیسا کہ دار قطنی، بیہقی اور ابن جریر وغیرہ میں روایت موجود ہے۔ اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مقتدی کو خاموش رہ کر قرآن سننا فرض ہے۔

وقال علیہ السلام۔ یہ حدیث ابن ماجہ، ابو داؤد، بزار، نسائی اور طحاوی وغیرہ میں موجود ہے۔

وقال الخ موطا امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نماز میں جس میں آپ کے ساتھ قرارت میں جہر کیا گیا تھا۔ فارغ ہو کر فرمایا۔ کیا تم میں سے کسی شخص نے میرے ساتھ تلاوت کی۔ تو ایک شخص نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ میں نے تلاوت کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ میرے ساتھ قرآن میں تنازع نہ کیا کرو یعنی کوئی اور میرے ساتھ تلاوت نہ کرے

تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے پیچھے تلاوت سے رک گئے۔

آیۃ ترغیب الخ یعنی کوئی ایسی آیت ہو جو مومنوں کو جنت کی خوشخبری سنانے والی ہو۔

او ترھیب الخ یعنی ایسی آیت جس میں انذار اور عذاب وغیرہ سے ڈرانے والا مضمون ہو۔

الا اذا قرئ الخ یعنی سننے والا کچھ نہ پڑھے اگرچہ خطیب درود ہی کیوں نہ پڑھے البتہ صلوا علیہ یہ آیت خطیب پڑھے تو آہستہ اور دل ہی دل میں درود شریف پڑھ لینا چاہئے۔ زبان سے نہ پڑھے تاکہ خلاف ممانعت بھی نہ ہو اور فضیلت جواب بھی حاصل ہو جائے۔

فصل فی الجماعة

الجماعة سنة مؤكدة وهو قريب من الواجب والاولى بالامامة الاعلم بالسنة ثم الاقرأ ثم الاورع ثم الاسن فان ام عبد او اعرابي او فاسق او اعمى او مبتدع او ولد الزنا كره كجماعة النساء وحدهن ويقف الامام وسطهن لو فعلن لفظ الامام يستوي فيه المذكر والمؤنث فلهذا لم يدخل تاء التانيث فيه وكحضور الشابة كل جماعة والعجوز الظهر والعصر لا الباقية اي لا باس للعجزات بالخروج في المغرب والعشاء والفجر ويقتدي المتوضئ بالمتيمم لان التيمم طهارة مطلقة عند عدم الماء والغلبة في التراب عندنا

ترجمہ: جماعت سنت مؤکدہ اور واجب کے قریب ہے۔ اور امامت کے لئے زیادہ بہتر وہ ہے جو مسائل بتانے سے خوب واقف ہو پھر وہ جو زیادہ قاری (اور مجود) ہو پھر وہ جو زیادہ پرہیزگار ہو پھر وہ جو عمر کے لحاظ سے بڑا ہو پس غلام گنوار، فاسق (بد دین)، نابینا، بدعتی یا حرامی کی امامت مکروہ ہے جیسے تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ ہے اور اگر وہ جماعت کریں تو ان کا امام ان کے بیچ میں کھڑا ہو۔ لفظ امام مرد امام اور عورت امام دونوں کے لئے مستعمل ہے لہٰذا مؤنث کی تا اس کے ساتھ نہیں لائی گئی جوان عورتوں کا ہر نماز میں جماعت کے لئے اور بوڑھی عورتوں کا ظہر اور عصر میں حاضر ہونا مکروہ ہے مگر مغرب اور عشاء میں بوڑھی عورتوں کا آنا مکروہ نہیں یعنی بوڑھی عورتوں کے لئے نماز مغرب وعشاء اور فجر کی جماعت کی خاطر نکلنے اور مسجد میں حاضر ہونے میں مضائقہ نہیں (مگر اب مفتی بہ عام حکم منع ہے) وضو کرنے والے کو تیمم کرنے والے کی اقتداء درست ہے کیونکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم مطلق اور کامل طہارت ہے اور ہمارے احناف کے نزدیک مٹی پانی کے قائم مقام ہوتی ہے۔

تشریح و توضیح

سنۃ الخ یعنی جماعت سنت مؤکدہ ہے، اس پر عامل مستحق اجر و ثواب اور بلا عذر ترک کرنے والا قابل ملامت ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سے مسرور ہو کہ بروز قیامت بحالت اسلام ملاقات کرے تو اسے چاہیے کہ ان نمازوں کی حفاظت کرے جب کہ انھیں پکارا جائے اور اگر تم گھروں میں نماز پڑھو گے تو تم اپنے نبی کی سنت کے تارک ہو گے اور اپنے نبی کی سنت ترک کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

باجماعت نماز کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں۔

مسلم شریف اور بخاری شریف وغیرہ میں روایت ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ارادہ کرتا ہوں کہ نماز قائم کرنے کا حکم کروں پھر ایک شخص کو لوگوں کی امامت کا حکم کرکے لکڑیاں لے کر ایسے لوگوں کے گھروں پر جاؤں جو جماعت سے نماز بلا عذر نہیں پڑھتے اور ان کے گھروں میں آگ لگا دوں (یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے

الاعلم بالسنۃ الخ یعنی مسائل نماز اور نماز سے متعلق احکام شرعیہ سے وہ زیادہ واقف ہو اور مسائل وہی کتنا جانتا ہو۔

ثم الاقرأ الخ یعنی اگر علم میں برابر ہوں تو باعتبار تجوید و ترتیل زیادہ اچھی طرح تلاوت کرنے والے کی امامت زیادہ بہتر ہے۔

ثم الاسن الخ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اگر مذکورہ بالا چاروں اوصاف میں مساوی ہوں تو ان میں سے جو زیادہ عمر ہو اس کی امامت اولیٰ ہے۔

کحضور الشابۃ الخ یعنی جوان عورت کا مردوں کی جماعت میں شریک ہونے کے لئے جانا خصوصیت سے مکروہ ہے کیونکہ اس کے آنے میں فساد و خرابی کا احتمال ہے بہت احادیث سے عورتوں کے اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

مسند احمد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے لئے بہترین مسجدان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔

ویقتدی الخ یعنی وضو کرنے والے کو تیمم کرنے والے کی اقتدا درست ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے تیمم کرکے وضو کرنے والے لوگوں کی امامت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر انکار نہیں فرمایا (ابوداؤد و غیرہ میں روایت موجود ہے)

والغاسل بالماسح لان الخف مانع من سرایۃ الحدث الی الرجل وما علی الخف يطهر

نماز فاسد ہو جائے تو مقتدی بھی نماز دوبارہ پڑھیں کیونکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کی ضامن ہوتی ہے پس امام کی نماز فاسد ہوتی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

تشریح و توضیح

بالقاعد الخ یعنی بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کرتا ہو اس کی اقتدا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کو درست ہے۔

والمتنفل الخ کیونکہ امام مقتدی سے قوی حال میں ہے اور وہ فرض پڑھ رہا ہے لہذا نفل پڑھنے والے کے لئے بلا شبہ اس کی اقتدا صحیح ہے۔ عہد رسالت میں بعض صحابہ سے اس طرح اقتدا کرنا ثابت ہے۔ سنن ابوداؤد میں اس کی صراحت ہے۔

ولا یطول الامام الخ یعنی امام قراءت اور نماز اس قدر طویل نہ کرے کہ لوگوں کو اذیت ہونے لگے اور نماز میں خلل واقع ہونے لگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص قوم کا امام ہے تو ان کے کمزور ترین کا لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بیمار اور ضرورت مند سب طرح کے ہوتے ہیں (بخاری ومسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی لوگوں کے ساتھ نماز پڑھے یعنی امامت کرے تو آسان نماز پڑھائے کیونکہ نمازیوں میں کمزور اور بیمار اور معمر لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اور جب خود تنہا پڑھے تو جس قدر چاہے طویل پڑھے کہ اس طول میں کسی اور کو دقت کا سامنا نہیں ہوتا۔

الا فی الفجر الخ کیونکہ غفلت اور نیند کا وقت ہوتا ہے اور اس میں تاخیر کا کافی امکان ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر پہلی رکعت کی قراءت طویل کر دی جائے تو لوگ آسانی سے رکعت پالیں گے یہ شرعاً مستحسن ہے اسی طرح اور نمازوں میں بھی حسب ضرورت مقتدیوں کی رعایت مستحسن ہے۔
مسلم وغیرہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں تیس آیت کے بقدر تلاوت فرماتے تھے الخ۔

یامین الامام الخ یعنی امام مقتدی تنہا ہو تو اسے دائیں جانب کھڑے ہونے کا حکم کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ آپ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دائیں جانب کھڑا کر لیا۔ یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔

وظهر حدثه الخ خواہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر مقتدی پر بھی اعادۂ نماز واجب ہے حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے بحالت جنابت قوم کی امامت کی تھی کہ وہ نماز لوٹائے اور مقتدی بھی نماز کا اعادہ کریں۔

ويصف الرجال ثم الصبيان ثم الخناثى ثم النساء والخناثى بالفتح جمع الخنثى كالحبالى

اور انھوں نے وضو کر کے بنا کی اور امام نماز سے فارغ ہو گیا اور عورت مرد کے برابر میں آ گئی تو مرد کی نماز فاسد ہو گئی پس لاحق اگرچہ اس کے لئے حقیقتاً امام نہیں رہ گیا تھا، اس کے واسطے امام ہے پس اس کے لئے لازم ہے کہ اپنی ساری نماز امام کے پیچھے ادا کرے یہ جب اسے حدث پیش آیا اور اس نے وضو کر کے بنا کر لی تو وہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے مانند ہو گیا حتیٰ کہ اس کے لئے مقتدین کے احکام مثلاً قرأت کا حرام ہونا وغیرہ ثابت ہو گئے۔ اس کے برعکس مسبوق۔ اور مسبوق وہ ہے کہ جس نے امام کے ساتھ آخری نماز مثلاً ایک دو رکعات پائی تو اس نے پوری نماز امام کے پیچھے ادا کرنے کا التزام نہیں کیا تو وہ ان رکعات میں جو امام کے ساتھ نہیں پڑھیں منفرد ہو گیا حتیٰ کہ اس پر قرأت واجب ہو گئی پس دونوں مسبوق اگرچہ دونوں تحریمہ میں مشترک ہوں جب انھوں نے امام کی تحریمہ پر بنا کی تو وہ دونوں ادا کے اعتبار سے مشترک نہیں رہے لہٰذا اگر کسی شخص کے برابر میں عورت چھوٹی ہوئی رکعات ادا کرتے ہوئے آ گئی تو ادا میں عدم شرکت کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد نہ ہو گی۔ میں کہتا ہوں کہ تحریمہ میں اور ادا میں کی تفسیر میں تسامح ہے اور موزوں یہ ہے کہ اس طرح کیا جائے کہ تحریمہ میں شرکت یہ ہے کہ دونوں نماز پڑھنے والوں میں سے ایک دوسرے کی تحریمہ کی بنا کرے یا دونوں تیسرے کی تحریمہ پر بنا کریں۔ اور ادا میں شرکت کا مطلب یہ ہے کہ ادا کی جانے والی نماز میں دونوں میں سے ایک دوسرے کا امام ہو یا اس ادا کی جانے والی نماز میں ان دونوں کا کوئی امام ہو حتیٰ کہ امام اور مقتدی کے درمیان شرکت ہو جائے۔

تشریح و توضیح ثم الصبیان الخ کیونکہ مردوں کو امام سے قریب ہونے کا زیادہ حق ہے۔ اس لئے اول مردوں کی صف ہونی چاہئے پھر دوسرے نمبر پر بچوں کی۔ مسند احمد میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ دکھاؤں پھر انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھوائی اور اول مردوں کی پھر بچوں کی اور پھر عورتوں کی صف قائم کی۔ فسبقهما: یعنی دوران نماز حدث پیش آ گیا اور وہ وضو کرنے گئے تو امام نماز سے فارغ ہو گیا اور انہیں سے ہر ایک نے باقی ماندہ نماز علیحدہ پڑھی۔

فان محاذاة المرأة الامام مفسدة صلوته اذا صح انه لا اشتراك بينهما تحريمة واداء بالتفسير الذي ذكروا وايضا لا حاجة فائدة في ذكر الشركة في التحريمة بل يكفي ذكر الشركة في الاداء فان الامام اذا سبقه الحدث فاستخلف آخر فاقتدى احد بالخليفة فالشركة في الاداء ثابتة بين الذي اقتدى بالخليفة وبين الامام الاول وكل من اقتدى به باعتبار لهما اماما فيما يؤديه وهو الخليفة ولا شركة بينهم في التحريمة لان المقتدي بالخليفة بنى تحريمته على تحريمة الخليفة والامام الاول ومن اقتدى به لم يبنوا تحريمتهم على

تحريمة الخليفة فلم توجد بينهم الشركة في التحريمة ومع ذلك لو كانت المرأة من احدى الطائفتين اما من المقتدين بالامام الاول او من المقتدين بالخليفة فحاذت الطائفة الاخرى تفسد الصلوة باعتبار الشركة في الاداء لا التحريمة ولو قيل الشركة في التحريمة ثابتة تقديرا فاقول الشركة في الاداء لا توجد بدون الشركة في التحريمة والشركة في التحريمة قد توجد بدون الشركة في الاداء كما في المسبوق فلا حاجة الى ذكر الشركة في التحريمة هذا اذا نوى الامام امامة المرأة اما اذا لم ينوها لم يصح اقتداء المرأة فتفسد صلاتها لا انه المقتدى بناء على ان قراءة الامام قراءة له وان لم يكن كذلك فبقيت بلا قراءة وعلم من هذه المسألة ان المرأة اذا اقتدت بالامام محاذية لرجل لا يصح اقتداؤها الا ان ينوي الامام امامتها اما اذا لم تقتد محاذية هل يشترط نية الامام ففيه روايتان

ترجمہ: اس لئے کہ عورت کے امام کے برابر کھڑے ہو جانے سے امام کی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ دونوں کے درمیان تحریمہ اور ادا میں شرکت نہ ہو۔ یہ حکم اس تقدیر کے مطابق ہے جو ہم نے بیان کی پھر شرکت فی التحریمہ کے بیان کرنے میں کوئی فائدہ نہیں پایا جاتا بلکہ شرکت فی الاداء کا بیان کافی ہے کیونکہ امام کو جب حدث پیش آ جائے اور دوسرا اس کا قائم مقام بن جائے پھر کوئی اس قائم مقام کی اقتداء کرے تو ادا میں شرکت اس کے درمیان جس نے قائم مقام کی اقتداء کی اور جس نے پہلے امام کی اقتداء کی ثابت ہے اور وہ شخص جس نے پہلے امام کی اقتدی کی کہ ان یعنی امام اول اور اس کے مقتدی اور قائم مقام کے پیچھے پڑھنے والے کے لئے امام ہے جس کے پیچھے وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ قائم مقام ہے جو ساتھ تھا لیکن ان کی امام اول اور ان کے مقتدیوں کی شرکت قائم مقام کے ساتھ تحریمہ میں نہیں ہے اس لئے کہ قائم مقام کے مقتدی نے تحریمہ کی بنا قائم مقام کی تحریمہ کی اور امام اول اور اس کے مقتدیوں نے اپنی تحریمہ کی بنا قائم مقام کی تحریمہ پر نہیں کی تو ان کے درمیان تحریمہ میں شرکت نہیں ہوئی۔ اور اس کے باوجود اگر ان دونوں لوگوں کی جماعتوں میں اگر کوئی عورت ہو خواہ امام اول کے مقتدیوں میں سے یا اس کے قائم مقام کے مقتدیوں میں سے۔ پس عورت دوسری جماعت کے برابر کھڑی ہو جائے تو تحریمہ میں شرکت کے اعتبار سے نہیں بلکہ ادا میں شرکت کے لحاظ سے نماز کو فاسد کر دے گی۔ اور اگر کہا جائے کہ تحریمہ میں تقدیراً اور پوشیدہ طور پر شرکت ثابت ہے تو میں کہوں گا کہ ادا میں شرکت تحریمہ میں شرکت کے بغیر نہیں پائی جاتی۔ اور تحریمہ میں شرکت کبھی ادا میں شرکت کے بغیر پائی جاتی ہے جیسا کہ مسبوق میں لہٰذا تحریمہ میں شرکت کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ امام عورت کی امامت کی نیت کرے لیکن اگر امام اس کی نیت نہ کرے تو عورت کی اقتداء صحیح نہیں ہوئی پس اس کی نماز فاسد ہو جائے گی

نہیں ہے کہ اس کا فریضہ ادا اس وجہ سے نہیں ہوا کہ امام کی قراءت اس کی قراءت ہے اور ایسا نہیں کر سکتے تھے لہٰذا وہ بلا قراءت کے رہ گئی۔ اور اس عبارت سے مفہوم ہوا کہ عورت جب امام کی اقتدا کرے اور کسی شخص کے برابر میں کھڑی ہو جائے تو اس کی اقتدا درست ہوگی البتہ اگر امام اس کی امامت کی نیت کرے، تو وہ بات ہوگی اگر عورت نے مرد کے برابر کھڑے ہو کر اقتدا نہیں کی تو کیا امام کا نیت کرنا شرط ہے اس بارے میں دو قسم کی روایتیں ہیں۔

تشریح و توضیح مفسدۃ الخ یعنی اگر عورت امام کے برابر جا کر کھڑی ہو جائے تو امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام کی نماز فاسد ہوگی تو اس کی اقتدا کرنے والے لوگوں کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ مقتدین صرف مرد ہوں یا عورتیں اور بچے بھی ہوں۔

وحق الخلیفۃ الخ وہ لوگ جو پہلے امام کے مقتدی ہوں اور خود پہلا امام یہ سب اب اس خلیفہ اور قائم مقام کے مقتدی ہو جائیں گے اور یہ سب اس کے قائم مقام کے وارث شریک ہونے تحریمہ کا شریک نہیں ہو سکے۔

ولو حکماً الخ اس کی طرف اشارہ ہے کہ حدث حرکت سے عام ہے خواہ حقیقتاً ہو اور خواہ حکماً

صلى أمي بقارئ وأمي أو استخلف في الأخريين أميا فسدت صلوة الكل أي إن أم أمي قارئا وأميا فسدت صلوة الكل أما صلوة القارئ فإنه ترك القراءة مع القدرة عليها وأما صلوة الأميين فلأنهما لما رغبا في الجماعة وجب أن يقتديا بالقارئ ليكون قراءته قراءة لهما فتركا القراءة التقديرية مع القدرة عليها ولو استخلف القارئ في الأخريين أميا فسدت صلوة الكل خلافا لزفر وأبي يوسف فإن فرض القراءة قد أدي في الأوليين قلنا يجب القراءة في جميع الصلوة تحقيقا أو تقديرا ولم توجد

ترجمہ اگر امامت کی ان پڑھ نے قاری اور ان پڑھ کی یا قاری نے آخری دو رکعات میں ان پڑھ کو قائم مقام بنا دیا تو سب کی نماز فاسد ہوگی یعنی اگر ان پڑھ شخص نے قاری اور ان پڑھ کی امامت کی تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ قاری کی نماز تو اس وجہ سے کہ اس نے قدرت کے باوجود قراءت ترک کی اور ان پڑھوں کی نماز اس بنا پر کہ جب یہ جماعت نماز کی رغبت کی صورت میں قاری کو امام بنانا اور اس کی اقتدا ضروری تھی تاکہ اس کی قراءت ان دونوں کی قراءت ہو جاتی انہوں نے تقدیری قراءت پر قدرت کے باوجود قراءت ترک کردی۔ اور اگر قاری آخری دو رکعات میں ان پڑھ کو قائم مقام بنا دے تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ امام زفر کا اس بارے میں اختلاف ہے کیونکہ فرض قراءت پہلی دو رکعات میں ادا ہو چکی لہٰذا نماز فاسد نہ ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ قراءت ساری نماز میں واجب ہے خواہ حقیقتاً ہو خواہ تقدیراً اور وہ نہیں

پانی کی بنا پر نماز فاسد ہو گئی ۔

تشریح و توضیح فسدت الخ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں کہ سب کی نماز فاسد ہو جائے گی امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ان پڑھ امام اور دوسرے ان پڑھ مقتدی کی نماز درست ہو جائے گی کیونکہ یہاں معذور نے معذورین اور غیر معذورین کی امامت کی تو یہ ایسا ہو گیا جیسے برہنہ برہنہ لوگوں اور کپڑے پہنے ہوؤں کی امامت کرے ۔

فان فرض الخ امام زفرؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل جواز یہ ہے کہ قرات پہلی دو رکعات میں فرض ہے اور اس کی تکمیل ہو گئی لہذا نماز درست ہو گئی ۔ اسی بنا پر یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اخیر کی دو رکعات میں صرف سبحان اللہ کہے یا خاموش رہے تو اس کی نماز درست ہو جائے گی ۔

بَابُ الحَدَثِ فِی الصَّلٰوۃ

مصل سبقه الحدث توضأ واتم خلافا للشافعيؒ ولو بعد التشهد خلافا لهما فانه اذا قعد قدر التشهد تمت صلوته وعند ابي حنيفةؒ لم يتم لان الخروج بصنعه فرض عنده والاستيناف افضل لما ذكر حكما اجماليا شاملا لجميع المصلين فصل حكم كل واحد من الامام والمنفرد والمقتدي فقال والامام يجر اخر الى مكانه هذا تفسير الاستخلاف ثم يتوضأ ويتم ثمه او يعود اي ان شاء يتم حيث توضأ وان شاء عاد الى المكان الاول وانما خير لان في الاول قلة المشي وفي الثاني اداء الصلوة في مكان واحد فيميل الى ايضا شاء كالمنفرد اي ان شاء يتم حيث توضأ وان شاء عاد ان فرغ امامه متصل بقوله ويتم ثمه او يعود والضمير في امامه يرجع الى الامام الاول وامامه هو الذي استخلفه فان الخليفة امام للامام الاول والقوم والاعاد اي وان لم يفرغ امامه وهو الخليفة يعود الامام ويتم خلف خليفته ۔

ترجمہ نماز پڑھنے والا جسے حدث پیش آئے وہ وضو کرے اور نماز باقی پوری کرے ۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک از سر نو پڑھے اگرچہ حدث تشہد کے بعد لاحق ہو امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک جب نماز پڑھنے والا تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو اس کی نماز پوری ہو گئی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پوری نہیں ہوئی اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعہ ارادتاً نماز سے باہر نکلنا فرض ہے ۔ اور حدث لاحق ہونے پر از سر نو نماز پڑھنا افضل ہے مصنفؒ نے اجمالی حکم بیان کرکے

بعد جو تمام نمازوں کو شامل ہے امام اور منفرد اور مقتدی میں سے ہر ایک کے حکم کی تفصیل بیان کی پس فرمایا کہ امام کو حدث پیش آنے پر کسی دوسرے کو کھینچ کر اپنی جگہ کھڑا کر دے۔ یہ قائم مقام بنانے کی تفسیر ہے پھر وضو کرے اس جگہ (مقام وضو میں) نماز پوری کرے یا لوٹ جائے یعنی اگر چاہے تو جہاں وضو کیا ہو وہیں نماز پوری کرے اور اگر چاہے پہلی جگہ لوٹ جائے۔ اور اس بارے میں اختیار دیا گیا کیونکہ پہلی صورت میں کم چلنا پڑتا ہے اور دوسری صورت میں ایک ہی جگہ میں نماز کی ادائیگی ہے تو جو صورت چاہے اختیار کرے۔ اور اسی طرح منفرد (تنہا نماز پڑھنے والا) اگر چاہے تو وہیں وضو کرے جہاں نماز پڑھی ہے اور اگر چاہے پہلی جگہ لوٹ جائے اگرچہ اس کا امام (نائب) نماز سے فارغ ہو گیا ہو (اس کا اتصال ہے "مقتدی" سے یعنی مقتدی وضو کے بعد اسی جگہ نماز پڑھے یا لوٹ جائے) اور ضمیر (اس کا امام) میں پہلے امام کی طرف لوٹتی ہے اور اس کی طرف بھی جسے قائم مقام بنایا ہے کیونکہ قائم مقام ہونا امام اول اور قوم کا امام ہے (دونوں لوٹ جائے یعنی اگر اس کا امام نماز سے فارغ نہ ہوا ہو دونوں قائم مقام ہے تو امام لوٹے اور اپنی نماز اپنے قائم مقام کے پیچھے پوری کرے۔

تشریح و توضیح

سبقہ الخ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قائم مقام بنانے اور بنا کو جائز کرنے والا وہ حدث ہے جو دوران نماز بلا اختیار (بلا قصد) لاحق ہو کیونکہ حدث اگر عمداً اور ارادتاً ہو تو بنا کرنا جائز نہیں اسی طرح اگر کسی نماز پڑھنے والے کے زخم ہو اور دوران نماز اس کے کھجانے اور زخم کے چھل جانے کی وجہ سے خون بہنے لگے تو بناء درست نہ ہوگی اس لئے کہ یہاں بھی قصداً حدث واقع ہوا۔

توضأ الخ یعنی اس پر واجب ہے کہ لوٹ کر وضو کرے پھر اگر چاہے تو پڑھی ہوئی نماز کے علاوہ باقی ماندہ نماز پوری کرے اور اگر چاہے تو بجائے باقی ماندہ کے شروع سے نماز پڑھے۔ ہمارے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ حدث لاحق ہونے کے بعد اتنی دیر نہ ٹھہرے کہ ایک رکن ادا کیا جا سکے اگر اتنی دیر ٹھہر گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اس صورت میں نماز از سر نو پڑھنی واجب ہوگی نیز وضو کے لئے آمد و رفت کے دوران کوئی فعل منافی صلوٰۃ نہ کرے پس اگر گفتگو کرلی یا کشف ستر ہو گیا یا عمداً حدث کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور بناء درست نہ ہوگی۔

خلافاً للشافعی الخ امام شافعی کے نزدیک بہر صورت استیناف اور از سر نو پڑھنا ضروری ہے اور نقض طہارت کے بعد دوبارہ وضو کرکے باقی ماندہ نماز پڑھنے اور پہلی پڑھی ہوئی نماز پر بنا کرنا درست نہیں ان کا مستدل یہ حدیث ہے کہ "جب تم میں سے کوئی نماز میں بھول جائے (حدث یا اترے) تو چاہیے کہ لوٹ کر وضو کرے اور نماز کا اعادہ کرے" یہ حدیث مسند احمد اور دارقطنی میں موجود ہے عند الاحناف یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ جب بناء کے جواز کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے یا یہ کہ امر استحباب پر محمول کیا جائے کیونکہ بناء کا جواز متعدد روایات سے ثابت ہے۔

یعنی الخ یعنی امام کو حدث لاحق ہو تو وہ اپنی جگہ دوسرے کو امام بنائے اور امام اس طرح بنائے کہ اس کا کپڑا کھینچے یا اشارہ کرے اور باقی ماندہ نماز پوری کرنے کا اشارہ کر دے زبان سے کچھ نہ کہے کیونکہ زبان سے

پھر کر قائم مقام بنا سکتا تو خواہ قائم مقام بنائے یا نہ بنائے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

عاد الخ ضرورتا اس آمدورفت کو شرعاً معاف کر دیا گیا اس لئے اسے اختیار ہے کہ اپنی پہلی جگہ پر لوٹ کر نماز پوری کرلے۔

وكذا المقتدي أي إن فرغ إمامه يتم ثمة أو يعود وإن لم يفرغ يعود ولو جُنّ أي المصلي أو احتلم أي نام في صلاته نوماً لا ينقض به وضوؤه فاحتلم أو قهقه أو أحدث عمداً أو أصابه بول كثير أو شج فسال الدم أو ظن أنه أحدث فخرج من المسجد أو جاوز الصفوف خارجه ثم ظهر طهره بطلت ولو لم يخرج أو لم يجاوز بنى علم أن هذه الأمور نادرة الوجود فلم تكن في معنى ما ورد به النص وهو قوله عليه السلام من قاء أو رعف في صلاته فلينصرف وليتوضأ وليبن على صلاته ما لم يتكلم ولو أحدث بعد التشهد أو عمل عملاً ينافيها تمت لوجود الخروج بصنعه

ترجمہ اور مقتدی بھی اسی طرح کرے یعنی اگر اس کا امام فارغ ہو جائے تو اسی جگہ نماز پوری کرے یا اپنی پہلی جگہ پر لوٹ جائے۔ اور اگر امام فارغ نہ ہوا ہو تو امام اپنی پہلی جگہ پر لوٹ جائے اور اگر کوئی شخص نماز میں پاگل یا بے ہوش ہو جائے یا اسے احتلام ہو جائے یعنی اپنی نماز میں اس طرح سو یا ہو کہ اس سونے سے اس کا وضو نہ ٹوٹتا ہو اور اسے احتلام ہو جائے یا قہقہہ لگائے یا عمداً حدث لاحق ہوا ہو یا اس کے جسم سے پیشاب اور نجاست اس پر پڑ گئی یا اس کے زخم لگ کے خون جاری ہوا ہو یا نماز پڑھنے والے کو گمان ہو کہ میں نے حدث کیا اور مسجد سے نکل جائے یا صفوں سے آگے بڑھ جائے یا مسجد سے باہر نکل گیا پھر اسے معلوم ہوا کہ حدث لاحق نہیں ہوا تھا تو ان سب صورتوں میں نماز باطل ہو گی اور اگر مسجد سے باہر نہیں نکلا یا صفوں سے آگے نہیں بڑھا تو بنا کرنا درست ہے واضح رہے کہ یہ حوادث نادر الوجود ہیں پس نص کا حکم ان کو شامل نہ ہوگا اور نص نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ جسے دوران نماز قے ہو یا نکسیر آجائے تو اسے چاہئے کہ لوٹ کر وضو کرے اور بنا کرے جب تک کہ گفتگو نہ کی ہو اور اگر تشہد کے بعد بالارادہ حدث کرے یا کوئی عمل منافی صلوٰۃ کرے تو خروج بصنعہ کی بنا پر اس کی نماز پوری ہو گی۔

تشریح وتوضیح ولو جُنّ الخ یعنی درمیان نماز پاگل پن طاری ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی یا بے ہوشی طاری ہو گئی تو دونوں صورتوں میں نماز کے فساد کا حکم ہوگا۔

وھو الخ یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن ماجہ میں مروی ہے۔ نیز اس کا قول حضرت ابوبکر وحضرت علی حضرت سلمان وحضرت ابن عمر وحضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ "موطا امام مالک"

ہیں یعنی اسی طرح کے آثار صحابہ منقول ہیں۔

وبطلها بعده اي بعد التشهد رؤية المتيمم الماء ونزع الماسح خفه بعمل يسير انما قال بعمل يسير لانه لو عمل عملاً كثيراً تمت صلوته ومضي مدة مسحه وتعلم الامي سورة ونيل العاري ثوباً وقدرة المومي على الاركان وتذكر فائتة اي لصاحب الترتيب وتقديم القاري امياً وطلوع الشمس في الفجر ودخول وقت العصر في الجمعة وزوال عذر المعذور وسقوط الجبيرة عن برء الخلاف في هذه المسائل الاثني عشرية بين ابي حنيفة رح وصاحبيه مبني على ان الخروج بصنعه فرض لا عندهما وكذا قهقهة الامام وحدثه عمداً صلوة المسبوق اي يبطل بعد التشهد صلوة المسبوق لوقوعه في خلال صلوته لا كلامه وخروجه من المسجد اي ان تكلم الامام بعد التشهد لا يبطل صلوة المسبوق لان الكلام كالسلام منه للصلوة

ترجمہ اور تشہد کے بعد اگر تیمم کرنے والے کو پانی پر قدرت حاصل ہو جائے یا وہ موزہ والا اپنے اور اپنے قلیل عمل سے اتار دے جو منافی صلوۃ ہو عمل یسیر (قلیل عمل) کی قید اس وجہ سے لگائی کہ اگر عمل کثیر سے اتارے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی یا مسح کرنے والے کی مدت مسح پوری ہو گئی یا ان پڑھ کو سورۃ یاد آ گئی اور یا ننگے کو کپڑا مل گیا اور یا اشارہ کرنے والے کو ارکان پر قدرت حاصل ہو گئی اور یا صاحب ترتیب کو فوت شدہ نماز یاد آ گئی اور یا امام پڑھے ہوئے نے ان پڑھ کو قائم مقام بنا دیا اور یا نماز فجر میں سورج نکل آیا اور یا نماز جمعہ میں عصر کا وقت (تاخیر کی وجہ سے) آ گیا اور یا معذور کا عذر جاتا رہا اور یا زخم سے پٹی زخم اچھا ہونے کے باعث گر گئی ان بارہ صورتوں میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد اور صاحبین کے نزدیک پوری ہو گی ان بارہ مسائل میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اختلاف اس پر مبنی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعہ فرض ہے اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک فرض نہیں۔ اور اسی طرح بعد تشہد کے اگر امام قہقہہ لگائے اور یا بالارادہ حدث کرے وضو توڑ دے تو مسبوق کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس کا وقوع اس کی نماز کے دوران ہوا لیکن اگر امام نے گفتگو کی اور یا مسجد سے نکل گیا تو باطل نہ ہو گی یعنی اگر امام نے تشہد کے بعد گفتگو کی تو مسبوق کی نماز باطل نہیں ہو گی کیونکہ کلام سلام کی طرح نماز کو بعد تشہد پورا کرنے والا ہے۔

تشریح و توضیح ورؤیۃ الخ تیمم کرنے والا اگر بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو پھر اسے پانی نظر آئے اور وہ اس کے استعمال پر سلام پھیرنے سے قبل قادر بھی ہو تو تیمم ٹوٹ جانے کے باعث اس کی نماز باطل

اتر جائے گی۔

ونزع الخ یعنی نماز پڑھتے ہوئے اگر اپنا موزہ مسافر سے قبل اتار دے تو اس کا مسح باطل ہو جائے گا اور اس پر پاؤں کا دھونا واجب ہوگا لہذا اس کی نماز بھی باطل ہو جائے گی۔

ومضی مدۃ مسحہ الخ یعنی موزوں پر مسح کرنے والا بقدر تشہد بیٹھا اور ابھی سلام نہیں پھیرا تھا کہ مسح کی مدت پوری ہو گئی مقیم ہو تو ایک دن اور ایک رات اور مسافر ہو تو تین دن اور تین رات تو اس کا مسح باطل ہو کر اس پر پاؤں دھونے واجب ہوں گے پس اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

وتعلم الامی الخ یعنی ان پڑھ شخص بلا قراءت نماز پڑھ رہا تھا مگر ابھی بقدر تشہد بیٹھا تھا کہ ما یجوز بہ الصلوٰۃ ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات یاد کر لیں تو شیخ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اب وہ فرض قراءت پر قادر ہو گیا۔

صلوٰۃ المسبوق الخ بعد تشہد امام کے قہقہہ یا حدث سے مسبوق کی نماز تو باطل ہوگی مگر مدرک کی جس نے کہ امام کے ساتھ کل رکعات پائی ہوں باطل نہیں ہوگی کیونکہ امام کی نماز کے اتمام کے ساتھ اس کی نماز بھی پوری ہو گئی اور مسبوق تو اس کی نماز کے بیچ میں یہ امر پیش آیا لہذا اس کی نماز باطل ہونے کا حکم کیا گیا۔

امام حصر عن القرءۃ فاستخلف صح عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ خلافا لہما وھذا اذا لم یقرأ قدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ اما اذا قرأ تفسد صلوٰتہ لان الاستخلاف عمل کثیر فیجوز حالۃ الضرورۃ لا تقدیمہ مسبوقا ای کتقدیم الامام مسبوقا سواء احدث الامام او حصر فانہ ینبغی ان یقدم مدرکا لا مسبوقا ومع ذلک ان قدم مسبوقا یتم صلوٰۃ الامام والی یقدم مدرکا لیسلم بہم وحین اتمہا یضرہ المنافی ویلزمہ ای الامام الاول عند فراغہ لا القوم ای حین اتم المسبوق صلوٰۃ الامام لو وجد منہ مناف للصلوٰۃ کالقہقہۃ والکلام والخروج من المسجد تفسد صلوٰتہ وصلوٰۃ الامام الاول لانہ وجد فی خلال صلوٰتہما لا بعد فراغ الامام بان توضأ وادرک خلیفتہ بحیث لم یبق شئ ولم صلوٰتہ خلف خلیفتہ ولا تفسد صلوٰۃ القوم لانہ قد تمت صلوٰتہم من رکع او سجد فاحدث او ذکر سجدۃ فسجدھا یعید ما احدث فیہ ان بنی حتما وما ذکرھا فیہ ندبا ای من احدث فی رکعۃ او سجودہ وتوضأ وبنی فانہ یجب لہ ان یعید الرکوع والسجود الذی احدث فیہ وان تذکر فی رکوعہ او سجودہ انہ ترک سجدۃ فی الرکعۃ الاولیٰ فقضاھا لا یجب علیہ اعادۃ الرکوع او السجود الذی تذکر فیہ لکن ان اعادہ یکون مندوبا

ترجمہ | امام قراءت سے رک گیا اور اس نے قائم مقام بنا دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور

وقراءته من مصحف وسجوده على نجس والدعاء بما يسأل عن الناس نحو اللهم زوجني فلانة او اعطني الف دينار ونحو ذلك واكله وشربه وكل عمل كثير اختلف مشائخنا في تفسير العمل الكثير فقيل هو ما يحتاج فيه الى اليدين وقيل ما يعلم ناظره انه عامله غير مصل وعامة المشائخ على هذا وقيل ما يستكثره المصلي قال الامام السرخسي هذا اقرب الى مذهب ابي حنيفة رح فان دأبه التفويض الى رأي المبتلى به ومن صلى ركعة من صلوة ثم شرع صح الا ان شرع في اخرى والا اتم الاولى اي من صلى ركعة من صلوة ثم شرع اي نوى وجدد التحريمة من غير رفع اليدين فان شرع في صلوة اخرى يتم هذه الاخرى ولا يحتسب منها الركعة التي صلاها وان شرع في الصلوة الاولى فالركعة التي صلاها محسوبة فيتم الاولى ولا يفسدها بكاؤه من ذكر الجنة او النار والعمل القليل وهو ضد الكثير على اختلاف الاقوال

ترجمہ اور قرآن شریف میں سے دیکھ کر پڑھنا اور ناپاک جگہ پر سجدہ کرنا اور ایسا سوال جو لوگوں سے کیا جاتا ہے کرنا مفسد صلوٰۃ ہے، مثلاً کہنا کہ اے اللہ میرا نکاح فلاں عورت سے کر دے یا مجھے ہزار دینار عطا کر دے وغیرہ اور کھانا اور پینا اور ہر عمل کثیر مفسد نماز ہے۔ عمل کثیر کی تفسیر میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک عمل کثیر وہ ہے جس میں دونوں ہاتھ لگانے کی احتیاج ہو اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ دیکھنے والا عمل کرنے والے کو نماز پڑھنے والا خیال نہ کرے اور عام مشائخ اسی کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک عمل کثیر وہ ہے کہ جس کو نماز پڑھنے والا خود کثیر سمجھے۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول امام ابو حنیفہؒ کے مسلک سے قریب ہے اس لئے کہ ان کی عادت ہے کہ جو شخص مبتلی ہو اس کی رائے پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جو شخص ایک رکعت پڑھ کر پھر نئے سرے سے نیت کرے تکبیر تحریمہ کہے بغیر ہاتھ اٹھائے اگر وہ دوسری نماز پڑھنا چاہتا ہو تو پہلی رکعت اس میں محسوب نہ ہوگی اور اگر دوسری تکبیر سے شروع کرنا چاہتا ہو تو یہ رکعت اسی میں محسوب ہوگی اور پہلی پوری کرے گا یعنی کسی نماز کی ایک رکعت پڑھنے کے بعد پھر از سر نو نیت کرے اور تکبیر تحریمہ کی جگہ پر بنا ہاتھ اٹھائے پس اگر اس نیت و تکبیر تحریمہ کے ساتھ دوسری نماز شروع کی ہو تو دوسری پوری کرے اور یہ پڑھی ہوئی رکعت اس میں شمار نہ ہوگی اور اگر پہلی نماز کے علاوہ دوسری نماز کی نیت نہ ہو تو پڑھی ہوئی رکعت پہلی ہی میں شمار ہوگی اور پہلی نماز ہی پوری کرے گا۔ اور اگر نماز پڑھنے والا جنت یا دوزخ کے ذکر سے رو دے یا عمل قلیل کرے اور وہ علی اختلاف الاقوال کثیر کی ضد ہے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

تشریح و توضیح وقراءته الخ یعنی اگر نماز پڑھنے والا قرآن شریف میں سے دیکھ کر پڑھے تو خواہ وہ دیکھ کر پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور فساد کی وجہ یہ ہے کہ قرآن

سے دیکھ کر پڑھنا فاسد نماز ہے تعلیم اور استفادہ ہے تو بغیر نقصِ صلوٰۃ یہی چاہیے قرآن شریف رکھا ہوا ہو یا لٹکا ہوا ہو اور خواہ نماز پڑھنے والا اوراق خود الٹتا ہو یا کوئی اور سب کا حکم یکساں ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ "کافی" میں اس کی صراحت ہے۔

مسجودہ الخ یعنی جس نے ناپاک جگہ پر سجدہ کر لیا ہے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی خواہ ناپاک جگہ پر کئے ہوئے سجدہ کا اعادہ پاک جگہ پر کیوں نہ کرے معلوم ہوا کہ صحت صلوٰۃ کے لئے سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے امام اعظم کے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

گھٹنے اور ہاتھوں کے رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا بھی شرط صحت صلوٰۃ ہے یا نہیں اس بارے میں فقہاء کا اگرچہ اختلاف ہے مگر راجح یہ ہے کہ شرط ہے "منیہ" اور "نور الایضاح" اور "شرح منیہ" میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ وانکلہ و شربہ الخ فتاویٰ میں لکھا ہے کہ عمداً یا بھول کر ایسا کرنا ہر صورت میں مفسد صلوٰۃ ہے۔

ومرور احد وان أثم مار في مسجده على الأرض بلا حائل المسجد من الالفاظ التي جاءت على المفعل بالكسر ويجوز فيها الفتح على القياس فالفقهاء اذا قالوا بالفتح ارادوا موضع السجود وان قالوا بالكسر ارادوا المعنى المشهور فانه لم يجئ بالكسر وهو خلاف القياس الا في المعنى المشهور بقي المعنى الاول مستمرا على القياس والمراد من المسجد ههنا موضع السجود فان المرور في موضع السجود يوجب الاثم وفي تفسير موضع السجود تفصيل فاعلم ان الصلوٰة ان كانت في المسجد الصغير فالمرور امام المصلي حيث كان يوجب الاثم لان المسجد الصغير مكان واحد فامام المصلي حيث كان في حكم موضع سجوده وان كانت في المسجد الكبير او في الصحراء فعند بعض المشائخ ان مر في موضع السجود يأثم والا فلا وعند البعض الموضع الذي يقع عليه النظر اذا كان المصلي ناظرا الى موضع سجوده له حكم موضع السجود فيأثم بالمرور في ذلك الموضع واذا عرفت هذا فان كان المصلي على دكان ويمر الآخر امامه تحت الدكان فلا شك انه لم يمر في موضع سجوده حقيقة فلا يأثم على الرواية الاولى واما على الرواية الثانية فالمار تحت الدكان ان مر في موضع النظر اذا نظر الى موضع السجود فان حاذى بعض اعضائه بعض اعضاء المصلي يأثم والا فلا

ترجمہ اور نماز پڑھنے والے کے سامنے سے کوئی گزر جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور گزرنے والا گنہگار ہوگا بشرطیکہ زمین پر سجدہ کی جگہ سے بلا حائل اس کے آگے گزرے۔ مسجد ان الفاظ کے

ساتھ جو منقول ہیں بالکسر (جیم کے زیر کے ساتھ) مفعل کے وزن پر ہے۔ اور جیم کے زبر کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے پس فقہاء جب جیم کے زبر کے ساتھ بولتے ہیں تو ان کی مراد ہوتی ہے "سجدہ کی جگہ" اور اگر زیر کے ساتھ بولتے ہیں تو ان کی مراد مشہور معنی سے ہوتی ہے یعنی وہ گھر جو نماز و جماعت ہی کے لئے وقف اور تیار کیا گیا ہو۔ اور فقہاء کے نزدیک اس مشہور معنی کے علاوہ جو خلاف قیاس ہے کسی اور معنی میں بالکسر پڑھنا لفظ مسجد کو ثابت نہیں پس معنی اول (سجدہ کی جگہ) مراد لینا قیاس کے مطابق ہے اور متن میں مسجد سے مراد سجدہ کی جگہ ہی ہے کیونکہ مسجد کی جگہ سے گذرنا باعث گناہ ہے اور سجدہ کی جگہ کی تفسیر میں تفصیل ہے۔ واضح رہے کہ نماز اگر چھوٹی مسجد میں پڑھ رہا ہو تو نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گذرنا باعث گناہ ہوگا کیونکہ چھوٹی مسجد کا حکم ایک ہی جگہ کا ہے پس نمازی کے سامنے سے گذرنا ایسا ہی ہے جیسے سجدہ کی جگہ سے گذرے تو گناہ ہوگا اور اگر بڑی مسجد ہو یا جنگل میں نماز پڑھ رہا ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک اگر سجدہ کی جگہ سے گذرے گا تو گنہگار ہوگا ورنہ نہیں ہوگا اور بعض کے نزدیک جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہو اس کا حکم سجدہ کی جگہ کا ہے پس اس حد میں گذرنے والا گنہگار ہوگا جب اس تفصیل کا علم ہو گیا تو اگر نماز پڑھنے والا دوکان پر نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی شخص اس کے سامنے سے دوکان کے نیچے سے گذرے تو بلاشبہ وہ سجدہ کی جگہ سے نہیں گذرا لہذا روایت اولیٰ (موضع سجود) کے مطابق گنہگار نہیں ہوگا اور روایت ثانی کے مطابق دوکان کے نیچے سے گذرنے والا اگر حد نگاہ سے گذرے جب وہ سجدہ کی جگہ سے گذرے تو اگر گذرنے والے اور نمازی کے بعض اعضاء مقابل ہوں تو گنہگار ہوگا ورنہ گنہگار نہ ہوگا

تشریح و توضیح ومرورہ الخ یعنی نمازی کے آگے سے گذرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت یا کوئی جانور۔ نماز پڑھنے والے کی نماز بہر صورت فاسد نہ ہوگی حدیث شریف میں ہے کہ نماز کو کوئی چیز گذرنا منقطع نہیں کرتی اور جہاں تک ممکن ہو گذرنے والے کو گذرنے سے روکو (یہ روایت ابوداؤد میں موجود ہے) "دارقطنی" اور طبرانی وغیرہ میں بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

ویأثم الخ نمازی کے آگے سے گذرنے والا یقیناً گنہگار ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو اس گذرنے کے گناہ کا علم ہو جائے تو اسے گذرنے کے مقابلہ میں چالیس سال تک ٹھہرے رہنا بہتر معلوم ہو (یہ روایت بخاری مسلم اور مؤطا امام مالک وغیرہ میں موجود ہے)

بلا حائل الخ یعنی یہ گناہ اس صورت میں ہے کہ نمازی اور گذرنے والے کے درمیان دیوار و ستون وغیرہ کوئی چیز حائل نہ ہو

الصغیر الخ ایک قول کے مطابق مسجد صغیر کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو ساٹھ ہاتھ سے کم ہو اور ایک قول کے مطابق جو چالیس ہاتھ سے کم ہو۔ راجح قول دوسرا ہے "جامع الرموز" میں اسی طرح ہے۔

وعند البعض الخ اس قول کو قرتاشی نے صحیح قرار دیا ہے اور صاحب نہایہ اور فتح القدیر نے ترجیح دی ہے۔

فلهذا قال يحاذي الأعضاء الأعضاء لو كان على الدكان أخذا بالرواية الثانية ويغرز أمامه في الصحراء سترة بقدر ذراع وغلظ أصبع بقربه على أحد حاجبيه ولا توضع ولا يخط ويدرؤه بالتسبيح أو بالإشارة لا بهما إن عدم سترة أو مر بينه وبينها وكفى سترة الإمام وجاز تركها عند عدم المرور والطريق وكره سدل الثوب في المغرب هو أن يرسله من غير أن يضم جانبيه وقيل هو أن يلقيه على رأسه ويرخيه على منكبيه أقول هذا في الطيلسان أما في القباء ونحوه فهو أن يلقيه على كتفيه من غير أن يدخل يديه في كميه ويضطر فيه وكفه وهو أن يضم أطرافه اتقاء التراب ونحوه وعبثه به وبجسده وعقص شعره في المغرب هو جمع الشعر على الرأس وقيل لفه وإدخال أطرافه في أصوله.

ترجمہ پس مصنفؒ فرماتے ہیں اور نماز پڑھنے والے اور گذرنے والے کے اعضاء کے مقابل ہونے کی صورت میں اگر نماز پڑھنے والا دوکان پر ہو تو روایت ثانی (موضع سجدہ) لے جائے گی اور جنگل میں نماز پڑھنے والا بقدر ایک ہاتھ کے اپنے آگے سترہ کرلے جس کی موٹائی ایک انگلی کے بقدر ہو یہ سترہ ابروؤں میں سے کسی ابرو کے برابر ہو اور سترہ زمین پر نہ رکھے اور نہ خط کھینچے اور سترہ نہ ہو تو گذرنے والے کو سبحان اللہ وغیرہ یا اشارہ سے روک دے، تسبیح اور اشارہ کو جمع نہ کرے، اور امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ دوسرے کوئی سامنے سے گذرنے والا نہ ہو تو سترہ ترک کر دینا بھی جائز ہے اور کپڑا لٹکانا مکروہ ہے لغت کی معروف کتاب "مغرب" میں ہے کہ سدل لٹکانا یعنی کپڑا جانبین (اطراف) یا کناروں کو ملائے بغیر چھوڑ دیا جائے اور بعض کے نزدیک سدل یہ ہے کہ کپڑا (مثلاً چادر) سر پر ڈال کر اس کے کناروں کو کاندھوں پر لٹکا دے میں کہتا ہوں کہ یہ صورت چادر میں ہے لیکن قبا وغیرہ (مثلاً قمیص) میں سدل یہ ہے کہ دونوں ہاتھ آستین میں داخل کئے اور اطراف کو ملائے بغیر کندھوں پر ڈال لے اور کپڑے سمیٹنا مکروہ ہے اور وہ یہ کہ کوئی مٹی وغیرہ سے اجتناب کی خاطر کپڑے سمیٹے اور دوران نماز کپڑے اور بدن سے کھیلنا اور بالوں کو لپیٹنا مکروہ ہے مغرب میں ہے عقص شعرہ یہ ہے کہ بال سر پر اکٹھا کرے اور جوڑا بنالے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ بالوں کے سرے بالوں کی جڑوں میں داخل کرے۔

تشریح وتوضیح سدل الثوب الخ دوران نماز سدل ثوب مکروہ تحریمی ہے درمختار میں اسی طرح ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل سے منع فرمایا اور اس سے منع فرمایا کہ دوران نماز آدمی اپنا منہ کپڑے سے ڈھانپ لے، یہ روایت ابوداؤد حاکم میں موجود ہے اور ابن حبان وترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

فی المغرب الخ لغت کی مشہور کتاب ہے ناصر ابو المکارم ابن عبد السید المطرزی الحنفی الخوارزمی کی تالیف ہے۔

اور اس کے اطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کراہت عام ہے خواہ نماز فرض ہو یا نفل۔

والوطی الخ مسجد کی چھت پر ہمبستری مکروہ تحریمی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کو پاک صاف رکھنے کا حکم فرمایا، اس قسم کی روایت ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے۔

وصلوته الی ظهر قاعد يتحدث الخ نماز پڑھنے والے کا بیٹھے ہوئے شخص کے پیچھے جو گفتگو میں مشغول ہو نماز پڑھنا جائز ہے بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے سامنے اس طرح لیٹی رہتیں جیسے جنازہ سامنے ہوتا ہے

باب صلوٰۃ الوتر والنفل

الوتر ثلث ركعات وجبت هذا عند ابي حنيفة رح واما عندهما وعند الشافعي رح فهو سنة بسلام اي بسلام واحد خلافا للشافعي رح ويقنت قبل ركوع الثالثة خلافا للشافعي رح فان القنوت عنده بعد الركوع ويكبر رافعا يديه ثم يقنت فيه ابدا خلافا للشافعي رح فان قنوت الوتر عنده في النصف الاخير من رمضان فقط دون غيره خلافا للشافعي رح في الفجر ويقرأ في كل ركعة منه الفاتحة وسورة ويتبع القانت بعد ركوع الوتر لا القانت في الفجر بل يسكت اي ان قرأ الامام قنوت الوتر بعد الركوع يتبعه المقتدي وان قنت الامام في الفجر لا يتبعه المقتدي بل يسكت والاصح انه يسكت قائماً

ترجمہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات واجب ہیں اور امام ابو یوسف و امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہیں اور وتر کی تین رکعات ہیں ایک سلام سے امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک دو سلام سے تین رکعتیں ہیں اور تیسری رکعت سے پہلے قنوت پڑھے امام شافعی کے نزدیک تیسری رکعت کے رکوع کے بعد قنوت پڑھے اور ہمیشہ تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہاتھ اٹھا کر قنوت پڑھے امام شافعی کے نزدیک صرف رمضان کی پندرہ کو وتر میں قنوت پڑھے (باقی اور ایام میں نہ پڑھے) وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں دعائے قنوت درست نہیں امام شافعی کے نزدیک فجر کی دوسری رکعت میں بعد رکوع کے قنوت پڑھے اور وتر کی ہر رکعت میں فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے اور مقتدی (حنفی مقتدی) وتر کے رکوع کے بعد قنوت پڑھنے والے (شافعی امام) کی اقتدا کرے (خود بھی پڑھے) فجر میں قنوت پڑھنے والے کی اقتدا نہ کرے بلکہ خاموش رہے، یعنی اگر امام قنوت وتر رکوع کے بعد پڑھے تو مقتدی اس کی اتباع کرے اور اگر امام فجر میں قنوت پڑھے تو مقتدی اس کے ساتھ نہ پڑھے بلکہ خاموش رہے اور زیادہ صحیح یہ ہے

کرنا سو قبل مکروہ ہے۔

تشریح و توضیح

ثلث رکعات الخ مغرب کی طرح وتر کی تین رکعات ہیں۔ مسند حاکم "اعلیٰ" میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعات پڑھتے تھے اور آخر میں سلام پھیرتے تھے اور صحیح بخاری وغیرہ میں اور روایات ہیں جن سے تین رکعات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

وجبت الخ وتر واجب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نماز کا حکم فرمایا ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے پس تم اسے نماز عشاء و فجر کے درمیان پڑھو۔ ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ روایت ہے۔

قبل الرکوع الثالثہ الخ دعائے قنوت تیسری رکعت کے رکوع سے پہلے پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے۔ سنن نسائی اور ابن ماجہ میں اس کی صراحت ہے۔

فقط الخ سنن ابوداؤد وغیرہ میں وہ احادیث منقول ہیں جن سے دعاء قنوت کا پورے سال پڑھا جانا معلوم ہوتا ہے۔

فی الفجر الخ نماز فجر میں مستقل نہیں بلکہ عارضی طور پر کچھ دنوں کے لئے دعائے قنوت پڑھی جاتی۔ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتی ہے۔ مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک قبائل کفار کے لئے بددعا فرمائی پھر ترک کر دی۔

وسورۃ الخ سورۃ کی تخصیص نہیں بلکہ جو سورۃ چاہے نماز وتر میں پڑھ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات نماز وتر کی پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور دوسری میں "قل یایہا الکافرون" اور تیسری میں قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

اور ایک روایت میں ہے کہ پہلی رکعت میں الھاکم التکاثر، انا انزلناہ اور اذا زلزلت اور دوسری رکعت میں والعصر، اذا جاء نصر اللہ، انا اعطینا اور تیسری رکعت میں قل یایہا الکافرون، تبت یدا اور قل ھو اللہ پڑھتے تھے (مسند احمد)

الامام الخ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر میں رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔

مسلم شریف میں حضرت عاصم الاحول سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت فی الصلوٰۃ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا ہاں ثابت ہے میں نے عرض کیا رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد فرمایا رکوع سے پہلے میں نے عرض کیا کہ فلاں نے آپ کے متعلق بتایا کہ آپ رکوع کے بعد پڑھنے کے لئے فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے جھوٹ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ بعد

رکوع کر کے قنوت پڑھی:

وسُنّ قبل الفجر وبعد الظهر والمغرب والعشاء ركعتان وقبل الظهر والجمعة وبعدها اربع بتسليمة وندب الاربع قبل العصر والعشاء وبعده وكره الزيادة على اربع بتسليمة نهارا وعلى ثمان ليلا والاربع افضل في الملوين وفرض القراءة في ركعتي الفرض وكل الوتر والنفل ولزم اتمام نفل شرع فيه قصدا احترازا عن الشروع ظنا كما اذا ظن انه لم يصل فرض الظهر فشرع فيه فتذكر انه قد صلاه صار ما شرع فيه نفلا لا يجب اتمامه حتى لو نقضه لا يجب القضاء ولو عند الطلوع والغروب وقضى ركعتين لو نقض في الشفع الاول او الثاني يعني شرع في اربع ركعات من النفل وافسدها في الشفع الاول يقضي الشفع الاول لا الثاني خلافا لابي يوسف رحمه الله لانه لم يشرع في الشفع الثاني وان قعد على الركعتين وقام الى الثالثة وافسدها يقضي الشفع الاخير فقط لان الاول قد تم وهذا بناء على ان كل شفع من النفل صلوة على حدة

ترجمہ اور نماز فجر سے قبل اور نماز ظہر کے بعد اور مغرب و عشاء کے بعد دو رکعات اور نماز ظہر سے قبل اور نماز جمعہ سے قبل اور نماز جمعہ کے بعد چار رکعت ایک سلام سے مسنون ہیں اور چار عصر سے اور عشاء سے قبل اور عشاء کے بعد پڑھنا مستحب ہے اور دن میں چار رکعت سے زیادہ نفل ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے اور رات کی نماز میں آٹھ سے زیادہ ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے اور افضل یہ ہے کہ دن ہو یا رات چار رکعات ایک سلام سے پڑھی جائیں فرض کی دو رکعتوں اور وتر و نفل کی تمام رکعات میں قراءت فرض ہے اور جو نفل قصداً شروع کی جائے اس کا پورا کرنا لازم ہے قصداً کی قید سے احتراز مقصود ہے کہ نفل گمان کی بنا پر شروع کی جائے جیسے یہ گمان ہو کہ اس نے ظہر کے فرض نہیں پڑھے اور شروع کر دے پھر یاد آئے کہ وہ پڑھ چکا ہے تو شروع کردہ نماز نفل ہوگی اور اس کا اتمام واجب نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر وہ توڑ دے تو قضاء واجب نہ ہوگی اور اگر چہ یہ نفل نماز طلوع اور غروب کے وقت شروع کی گئی ہو تب بھی لازم ہو جائے گی اور دو رکعتوں کی قضاء لازم ہوگی اگر پہلے شفعہ یا دوسرے شفعہ میں توڑ دی ہو یعنی اگر چار رکعت نفل شروع کی اور پہلے شفعہ کو فاسد کر دیا تو صرف پہلے شفعہ کی قضاء کرے گا دوسرے شفعہ کی قضاء نہیں کرے گا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار کی قضاء کرے گا کیونکہ اس نے دوسرے شفعہ کو ابھی شروع نہیں کیا لہذا چار کی قضاء لازم ہوگی اور اگر دو رکعات پر بیٹھ کر تیسری کے لئے کھڑا ہوا اور تیسری فاسد کر دی تو صرف آخری شفعہ (ثانی) کی قضاء کرے گا اس لئے کہ پہلا شفعہ پورا ہو گیا اس حکم کی بنیاد اس پر ہے کہ نفل کا ہر شفعہ علیحدہ نماز ہے۔

تشریح و توضیح

رکعتان الخ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دن اور رات میں فرض نمازوں کے علاوہ بارہ رکعت پڑھے اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے۔ چار رکعت ظہر سے قبل اور دو رکعت اس کے بعد اور دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر سے پہلے (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز ظہر سے قبل چار رکعات پڑھتے تھے پھر باہر تشریف لاکر ظہر پڑھاتے تھے پھر گھر میں تشریف لاکر دو رکعات پڑھتے تھے پھر باہر تشریف لاکر لوگوں کو نماز عصر پڑھاتے اور پھر مغرب کی نماز پڑھاتے اس کے بعد گھر تشریف لاکر دو رکعات پڑھتے پھر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر گھر تشریف لاتے اور دو رکعت ادا فرماتے اور جب طلوع فجر ہوتی تو دو رکعات پڑھتے (مسلم، ابوداؤد وغیرہ)

اربع الخ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھتے تھے (ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور جمعہ کے بعد چھ رکعات پڑھتے تھے کبھی اول دو رکعات پھر چار اور کبھی اول چار رکعات اور پھر دو رکعات۔

وندب الاربع قبل العصر عصر سے قبل چار رکعات پڑھنا مستحب ہے حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے چار رکعات عصر سے قبل پڑھ لیں (ترمذی)

نیز حدیث شریف میں ہے کہ جس نے ظہر سے قبل چار رکعات کی حفاظت کی اور مداومت کی، اور اسی طرح ظہر کے بعد چار رکعت کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کردی۔ یہ روایت ترمذی وغیرہ میں ہے۔

وکرہ الخ یعنی دن کی نفلوں میں چار سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ اور رات کی نفلوں میں آٹھ سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے اور اگر کہیں ان سے زیادہ رکعات ایک سلام سے پڑھنا منقول ہے جیسے مسلم کی ایک روایت میں ہے تو وہ صرف بیان جواز کے لئے ہے۔

ولزم الخ یعنی نفل شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا واجب ہے ارشاد ربانی ہے "لا تبطلوا اعمالکم" جب لزوم اتمام ثابت ہوگیا تو فاسد کرنے پر قضا بھی لازم ہوگی نفلی روزہ کے بارے میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسد کرنے والے کو اس کی قضا کا امر فرمایا۔ یہ روایت ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، طبرانی اور بزار وغیرہ میں متعدد طرق سے مروی ہے۔

ولو تعمد الخ یعنی قعدہ اولیٰ اس لئے لگائی کہ اگر دو رکعات کے بعد بیٹھے بغیر اخیر کی دو رکعات فاسد کردیں تو اس پر بالاجماع چار رکعات کی قضا لازم ہوگی۔

كما لو ترك قراءة شفعيه او الاول او الثاني او احدى الثاني واحدى الاول او الاول مع احدى الثاني لا غير اي قضاء الركعتين ليس في غير هذه الصور وان ترك القراءة في احدى كل شفع او في الثاني واحدى الاول فاعلم ان الاصل عند ابي حنيفة ان ترك القراءة في ركعتي الشفع الاول لا يبطل التحريمة حتى لا يصح بناء الشفع الثاني على الشفع الاول وفي ركعة واحدة لا يبطل بل يفسد الاداء فيصح بناء الشفع الثاني وعند محمد رح الترك في ركعة واحدة يبطل التحريمة ايضا حتى لا يصح بناء الشفع الثاني وعند ابي يوسف رح الترك لا يبطل التحريمة اصلا بل يوجب فساد الاداء فقط فيصح بناء الشفع الثاني سواء ترك القراءة في ركعة من الشفع الاول او في ركعتيه اذا عرفت هذا فاعلم ان المسألة ثمانية لان ترك القراءة اما مقتصر على شفع واحد وهذا في اربع صور وهي ما قال في المتن او الاول او الثاني او احدى الثاني او احدى الاول وفي هذه الاربع قضاء الركعتين بالاجماع

ترجمہ جیسے اگر چار رکعت نفل کی نیت کرے اور دونوں شفعوں یا پہلے شفعہ یا دوسرے شفعہ یا پہلے شفعہ یا دوسرے شفعہ کی پہلی رکعت یا پہلے شفعہ اور دوسرے شفعہ کی پہلی رکعت میں قرأت ترک کر دے تو دو رکعات ہی کی قضاء لازم آئے گی یعنی دونوں رکعتوں کی قضا انھیں مذکورہ صورتوں میں ہوگی اور چار رکعات میں سے اگر ہر شفعہ کی رکعت یا دوسرے شفعہ اور پہلے شفعہ کی پہلی رکعت میں قرأت ترک کر دے تو چار رکعات کی قضاء لازم ہوگی واضح رہے کہ اصل امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پہلے شفعہ کی دونوں رکعات میں قرأت ترک کر دینے پر تحریمہ باطل ہو جاتی ہے حتی کہ شفعہ ثانی کی بنا پہلے شفعہ پر صحیح نہ ہوگی اور قرأت ایک رکعت میں ترک کرنے سے تحریمہ باطل نہیں ہوگی بلکہ ادا باطل ہوگی چنانچہ دوسرے شفعہ کی بنا صحیح ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک رکعت میں بھی ترک قرأت سے تحریمہ باطل ہو جائے گی حتی کہ دوسرے شفعہ کی بنا اس پر صحیح نہ ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ترک قرأت سے تحریمہ بالکل باطل نہیں ہوگی بلکہ صرف ادا میں فساد لازم آئے گا لہذا شفعہ ثانی کی بنا درست ہوگی خواہ پہلے شفعہ کی ایک رکعت میں قرأت ترک کی ہو یا دونوں رکعات میں جب یہ معلوم ہو گیا تو واضح رہے کہ ان مسائل کی آٹھ صورتیں ہیں کیونکہ قرأت کا ترک یا تو صرف ایک شفعہ میں ہوگا اور اس کی چار صورتیں ہیں اور وہ وہی ہیں جن کا ذکر متن میں ہو گیا یا تو ترک قرأت پہلے شفعہ میں ہو یا دوسرے میں یا دوسرے شفعہ کی پہلی رکعت میں یا پہلے شفعہ کی پہلی رکعت میں اور ان چاروں شکلوں میں بالاجماع دو رکعات کی قضاء لازم ہوگی۔

تشریح و توضیح لا غیر یعنی صرف ان مذکورہ صورتوں میں دو کی قضاء لازم آئے گی اور دوسری صورتیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے چار رکعت کی قضاء لازم ہوگی۔

فائدہ: یعنی بعض صورتوں میں دو رکعات اور بعض شکلوں میں چار کی قضاء واجب ہوگی۔
بالاجماع: یعنی اس پر ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا اتفاق ہے کہ مذکورہ
تینوں صورتوں میں صرف دو رکعتوں کی قضاء واجب ہوگی۔

وإن لم يقتصر بل وجد في الشفعين وهذا المضاف إليه أربع مسائل لأنه إما أن يكون الترك
في كل الأول مع كل الثاني وهو ما قال في المتن كما لو ترك قراءة شفعيه أو مع بعض الثاني وهو
ما قال في المتن أو الأول مع إحدى الثاني ففي هاتين الصورتين قضاء الركعتين عند أبي
حنيفة رحمه الله لأن التحريمة عنده قد فسدت بالترك في الشفع الأول فلم يصح الشروع في الشفع الثاني فعليه
قضاء الشفع الأول فقط وعند أبي يوسف رحمه الله قضاء الأربع لأن التحريمة باقية عنده فصح الشروع في الشفع الثاني
وقد أفسد الشفعين بترك القراءة فيقضي أربعاً وإما أن يكون الترك في ركعة من الشفع
الأول مع كل الثاني أو مع ركعة منه وهذا ما قال في المتن وأربع لو ترك في إحدى كل شفع أو
في الثاني وإحدى الأول وإنما يقضي الأربع عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله لبقاء التحريمة
عندهما أما عند أبي حنيفة رحمه الله فلأنه ترك القراءة في ركعة من الشفع الأول والتحريمة لا تبطل
به وأما عند أبي يوسف رحمه الله فلأن التحريمة لا تبطل بالترك أصلاً وقد أفسد الشفعين
بترك القراءة فيقضي أربعاً۔

ترجمہ: اور اگر قراءت کا ترک ایک شفعہ میں نہیں بلکہ دونوں شفعوں میں ہو تو اس میں چار صورتیں ہیں یا
تو اس نے پورے پہلے اور دوسرے شفعہ میں قراءت ترک کی ہوگی اور وہ وہی ہے
جو متن میں بیان کیا جیسے اگر دونوں شفعوں یا پہلے شفعہ اور دوسرے شفعہ کے بعض میں قراءت ترک کردے
اور وہ متن میں بیان ہو یا جیسے شفعہ پہلے اور دوسرے شفعہ کی پہلی رکعت سے قراءت ترک کردے ان دونوں
صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بطلان تحریمہ کی وجہ سے دو رکعات کی قضاء لازم آئے گی
شفعہ ثانی کا شروع کرنا صحیح نہ ہوگا لہذا اس پر صرف پہلے شفعہ کی قضاء واجب ہوگی اور امام ابویوسفؒ کے
نزدیک چار کی قضاء لازم ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک شفعہ ثانی کو شروع کرنا صحیح ہے اور دونوں شفعوں میں
ترک قراءت کی وجہ سے دونوں کو فاسد کردیئے لہذا چار رکعات کی قضاء واجب ہوگی اور یا تو شفعہ اول
کی ایک رکعت اور دوسرے پورے شفعہ میں یا دوسرے کی ایک رکعت میں قراءت ترک کی ہو وہ ان دونوں کو
متن میں بیان کردیا اور چوتھے یہ کہ ہر شفعہ کی پہلی رکعت یا دوسرا شفعہ اور پہلے شفعہ کی پہلی رکعت میں
قراءت ترک کردے ان دونوں صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک بقائے تحریمہ

17/2

سے باعث چار رکعات کی قضاء لازم ہوگی بہرحال امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک بھی اگر اس نے پہلے شفع کی پہلی رکعت میں قراءت ترک کی۔ اور تحریمہ ایک رکعت میں قراءت ترک کرنے سے باطل نہیں ہوتا اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک قراءت ترک کرنے سے تحریمہ باطل ہی نہیں ہوتی خواہ ایک رکعت میں ہو اور خواہ دو میں۔ اور دونوں شفعے ترک قراءت سے فاسد ہو گئے لہذا چار رکعات کی قضاء کرے گا۔

تشریح و توضیح وفی ھاتین المسئلتین الخ یہ دونوں مسئلے یعنی ایک تو یہ کہ ساری رکعات میں قراءت ترک کر دے اور دوسرے یہ کہ پہلی دو رکعات اور دوسرے شفع کی پہلی یا دوسری رکعت میں قراءت ترک کر دے دونوں صورتوں میں امام ابوحنیفہ رح و امام محمد رح کے نزدیک دو ہی رکعتوں کی قضاء واجب ہوگی۔

لبطلان التحریمۃ الخ کیونکہ اس صورت میں تحریمہ باطل ہو جائے گی لہذا شفع ثانی کا اس تحریمہ سے شروع کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور شروع کرنا بوجہ بطلان کے چونکہ صحیح نہیں اس لئے گویا شروع کیا ہی نہیں تو اس کی قضاء بھی لازم نہ ہوگی۔

وعند محمد رح في جميع الصور ليس الا قضاء الركعتين فظهر ما قال في المختصر فيقضي اربعا عند ابي حنيفة رح فيما ترك في احدى الاول مع الثاني او بعضه اي في ركعة من الشفع الاول مع كل الشفع الثاني او ركعة منه وعند ابي يوسف رح في اربع مسائل يوجد الترك في الشفعين وفي الباقي ركعتين وهو ست مسائل عند ابي حنيفة واربع عند ابي يوسف رح وعند محمد رح ركعتين في الكل ولا قضاء لو تشهد اولا ثم نقض اي نوى اربع ركعات من النفل وقعد على الركعتين بقدر التشهد ثم نقض لا قضاء عليه لانه لم يشرع في الشفع الثاني فلم يجب عليه او شرع فانا انه عليه هذه المسئلة وان علمت مما سبق وهو قوله ولزم تمام نفل شرع فيه قصدا فقصدا صرح بها ولو لم يقعد في وسطه اي اذا صلى اربع ركعات من النفل ولم يقعد في وسطه كان ينبغي ان يفسد الشفع الاول ويجب قضاؤه لان كل شفع من النفل صلوة على حدة ومع ذلك لا يفسد الشفع الاول قياسا على الفرض۔

ترجمہ اور امام محمد رح کے نزدیک (ان) ساری صورتوں میں صرف دو رکعات کی قضاء لازم ہوگی پس ظاہر ہو گیا تفصیل سامنے آگئی جو کچھ مختصر میں بیان ہوا۔ لہذا امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک چار رکعت کی قضاء کرے گا اس بنا پر کہ اس نے شفع اول کی پہلی رکعت اور شفع ثانی کی قراءت ترک کر دی یا شفع اول

اول کی کوئی سی رکعت پورے شفعہ ثانی یا اس کی ایک رکعت میں قراءت ترک کر دی اور امام ابو یوسف کے نزدیک چار صورتوں میں دونوں شفعوں میں کلاً یا بعضاً ترک قراءت پایا جائے گا اور باقی میں دو رکعات میں ترک قراءت لازم آئے گا اور وہ پچھلے ہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور چار امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد کے نزدیک سب صورتوں میں دو رکعات کی ہی قضاء لازم ہوگی اور اگر اولیٰ تشہد پڑھ کر نماز فاسد کر دی تو شفعہ اولیٰ صحیح ہو گئی، قضاء لازم نہ ہوگی یعنی اگر چار رکعت نفل کی نیت کی اور دو رکعات کے بقدر تشہد بیٹھ کر نماز فاسد کر دی تو اس پر قضاء لازم نہ ہوگی کیونکہ اس نے شفعہ ثانی شروع ہی نہیں کیا پس اس پر اس کا وجوب نہ ہوگا یا یہ گمان کرتے ہوئے شروع کیا کہ اس پر واجب ہے یہ مسئلہ اس سے قبل بھی گزر چکا اور وہ مصنف کا یہ قول ہے: نفل قصداً شروع کرنے کے بعد اس کا اتمام لازم ہوتا ہے پس اس جگہ مصنف نے اس کا صراحتاً ذکر کر دیا یا دو رکعات کے بعد تشہد بیٹھ گیا یعنی نفل کی چار رکعت پڑھ رہا اور درمیان میں دو رکعات پر بیٹھا تو مناسب ہے اور قیاس کا تقاضا ہے کہ شفعہ اولیٰ فاسد ہو جائے اور اس کی قضاء واجب ہو اس لئے کہ نفل کا ہر شفعہ علیحدہ نماز ہے اور اس کے باوجود فرض پر قیاس کرتے ہوئے شفعہ اولیٰ فاسد نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح الا قضاء الرکعتین الخ کیونکہ شفعہ اولیٰ میں مطلقاً قراءت ترک ہوئی ہے اگرچہ ایک ہی رکعت میں ہوئی ہو اور امام محمد کے نزدیک تحریمہ باطل ہو گئی لہذا شفعہ ثانی کی بناء صحیح نہ ہوگی اور صرف اسی کی قضاء واجب ہوگی۔

وفی الباقی رکعتین الخ اس کا تعلق امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے قول سے ہے یعنی آٹھ مسائل میں چار باقی میں امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک دو رکعات کی قضاء واجب ہوگی۔

ولا قضاء ان الخ یعنی اگر دو رکعات کے بعد تشہد پڑھ کر نماز فاسد کی ہو تو اس پر شفعہ ثانی کی قضاء واجب نہ ہوگی

او شرع الخ اس صورت میں قضاء واجب نہ ہوگی مثلاً نماز ظہر کے گمان میں نماز شروع کی پھر پتہ چلا کہ وہ پڑھ چکا تھا تو یہ نماز نفل سے بدل گئی پس اگر وہ اسے فاسد کر دے تو اس پر قضاء واجب نہ ہوگی۔
اسی طرح اس پر بھی قضاء واجب نہ ہوگی جو نفل نماز گمان کرتے ہوئے اس کی اقتداء کرے۔

ويتنفل قاعدا مع قدرته على القيام ابتداءً وكذا بناءً الا بعذر اي ان قدر على القيام يجوز ان يشرع في النفل قاعدا وان شرع في النفل قائما كره ان يقعد فيه مع القدرة على القيام فاراد بحال الابتداء حال الشروع وبحال البناء حال وجوده الذي بعد الشروع وراكبا موميا خارج المصر الى غير القبلة انما قال خارج المصر لقول ابن عمر رض رأيت رسول الله عليه الصلوة والسلام يصلي على حمار وهو متوجه الى خيبر يومي ايماءً ولما كان هذا الفعل ثابتا

للقيام، الاشارة في مرود به فلو افتتحه راكبا ثم نزل بنى ولو عكسه فسد لانه في الاول يؤديه اكمل مما وجب عليه وفي الثاني انعقد التحريمة موجبة للركوع والسجود فلا يجوز اداؤه بالايماء سن التراويح عشرون ركعة بعد العشاء قبل الوتر وبعده بخمس ترويحات كل ترويحة بتسليمتين وجلسة بعدهما قدر ترويحة والسنة فيها الختم مرة ولا يترك لكسل القوم ولا يوتر بجماعة خارج رمضان وانما كانت التراويح سنة لانه واظب عليه الخلفاء الراشدون والنبي عليه الصلاة والسلام بين العذر في ترك المواظبة وهو مخافة ان تكتب علينا

ترجمہ اور قیام پر قدرت کے باوجود شروع نماز سے ہی بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے اور کھڑے ہو کر پڑھتے ہوئے خاص بیٹھ جانا مکروہ ہے یعنی اگرچہ قیام پر قادر ہو بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے اور اگر نفل کھڑے ہو کر شروع کی ہو تو قیام پر قادر ہوتے ہوئے بلا عذر بیٹھ جانا مکروہ ہے بعض مصنفین نے شروع کرتے وقت کے حال اور شروع کرنے کے بعد باقی رہنے کے حال کا ارادہ کیا اور سوار کے لیے شہر سے باہر اشارہ سے نفل درست ہے اگرچہ قبلہ رخ نہ ہو شہر سے باہر کی قید اس لیے لگائی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دراز گوش پر اشارہ سے خیبر کے رخ پر بغیر قبلہ کے علاوہ نماز پڑھتے دیکھا اور یہ خلاف قیاس ہونے کی بنا پر اپنے مورد پر منحصر ہوگا پس اگر سواری پر نفل شروع کرے پھر اتر کر باقی ماندہ پوری کرے تو درست ہے اور اس کا عکس ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ پہلی صورت میں جس طرح واجب تھی (یعنی اشارہ سے) اس سے زیادہ مکمل طریقہ پر ادا کی اور دوسری صورت میں ایسی تحریمہ منعقد ہوئی جو رکوع اور سجدہ کو واجب کرنے والی تھی لہٰذا اشارہ سے اس کا ادا کرنا جائز نہ ہوگا تراویح کی بیس رکعات عشاء کے بعد وتر سے پہلے اور وتر کے بعد مسنون ہیں اس میں پانچ ترویحے ہیں ہر ترویحہ میں دو سلام ہیں اور ہر چار رکعت کے بعد بقدر ترویحہ جلسہ ہے تراویح میں ایک بار ختم کرنا مسنون ہے اور قوم کی سستی کی وجہ سے یہ ختم ترک نہ کرنا چاہئے اور رمضان کے علاوہ میں وتر باجماعت نہ پڑھیں تراویح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اس پر مواظبت کی بنا پر مسنون ہے اور نبی علیہ السلام نے ترک مواظبت و ہمیشگی کا یہ عذر بیان فرمایا کہ آپ کو اندیشہ تھا کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائے۔

تشریح و توضیح ویتنفل قاعدا الخ بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے لیکن بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے پر ثواب کم ملتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا اجر کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ہے۔ (بخاری)

تب بھی رضی اللہ عنہم علیہ رسالت میں اسی طرح بلا ناغہ ثابت ہے "مسلم شریف" میں اس کی صراحت ہے
رکوع واحد الخ دوسری نمازوں کی طرح اس میں بھی ایک رکعت میں ایک رکوع ہے ایک ہی رکوع
ہونا حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہے بخاری شریف میں اس کا ذکر ہے
اور حضرت ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے
ابوداؤد و ابن ماجہ نسائی اور ترمذی وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔

ویطول الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کسوف میں طویل قرأت ثابت ہے "صحاح ستہ" میں ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل قرأت کی اور سورہ بقرہ وغیرہ کی تلاوت فرمائی اسی طرح رکوع اور سجدہ
وغیرہ میں تطویل اذکار منقول ہے۔

یدعو الخ حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں سورج گہن ہوا تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات پڑھ کر دعا میں مشغول رہے حتی کہ سورج روشن ہو گیا یہ روایت
نسائی وغیرہ میں ہے۔

ولا یخطب الخ نماز کسوف کے بعد خطبہ مسنون نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ارشاد اس موقع پر منقول
ہے کہ چاند و سورج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں دو نشانیاں ہیں اور یہ کسی کی موت و حیات پر گہن نہیں ہوتے
یہ ان لوگوں کے رد کی بنا پر تھا جنہوں نے صاحبزادۂ رسول حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر
کہا تھا کہ ان کے انتقال کی وجہ سے سورج گہن ہو گیا۔

ولا یحضره الذمی الخ طلب باران کی دعا اور استغفار کے وقت ذمی کی وہاں موجودگی نہ ہونی چاہیئے کیونکہ
یہاں نزول رحمت کی دعا کی جائے گی اور یہ اس کا محل نہیں۔

باب ادراك الفريضة

من شرع في فرض فأقيمت فإن لم يسجد للركعة الأولى أو سجد وهو في غير الرباعي

أو فيه وضم إليها أخرى قطع واقتدى أي من شرع في فرض منفردا فأقيمت لذلك الفرض
والضمير في أقيمت يرجع إلى الإقامة كما يقال ضرب ضربٌ فإن لم يسجد للركعة الأولى
قطع واقتدى وإن سجد فإن كان في غير الرباعي فكذا إلى آخره أي لم يقطع وصلى ركعة أخرى
يتم صلاته في الثنائي لوجود الأكثر في الثلاثي وللأكثر حكم الكل فتفوته الجماعة ولأنه يصير
متنفلا بركعتين بعد الغروب في المغرب والتطوع وإن كان إبطالا للعمل وهو منهي لقوله
تعالى ولا تبطلوا أعمالكم فالإبطال لقصد الإكمال لا يكون إبطالا وإن كان في الرباعي يضم

منتظم ہے اسے اذان کے بعد بھی نکلنا مکروہ نہیں یعنی وہ شخص جس کے سپرد دوسری جماعت کا انتظام ہو مثلاً دوسری مسجد کا موذن یا امام ہو یا وہ شخص جس کے امر سے منتشر لوگ اکٹھے ہوتے ہوں یا اس کی عدم موجودگی سے کم ہو جاتے ہوں پھر اس کا عطف ہوا مصنف کے قول لا لمقیم جماعۃ پہ اور جو شخص ظہر یا عشاء کی نماز پڑھ چکا ہو اس کو اذان کے بعد مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں البتہ اقامت کے وقت۔ جمہور اقامت کے وقت نکلنا قبل نماز مکروہ ہے یعنی اس کے لئے صرف اقامت کے وقت نکلنا مکروہ ہے پس استثناء مصنف کے قول ومن صلی الظہر او العشاء وحدہ سے متعلق ہے مصنف کے قول لا لمقیم جماعۃ اخری سے متعلق نہیں کیونکہ دوسری جماعت کے قائم کرنے والے (مثلاً امام) کے لئے اقامت شروع ہونے پر بھی مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں اور فرق دوسری جماعت کے قائم کرنے والے اور ایک بار ظہر و عشاء کی نماز پڑھنے والے کے درمیان یہ ہے کہ ایک بار نماز پڑھنے والا اگر اقامت کے وقت مسجد سے نکلے گا تو اسے لوگ باجماعت نماز نہ پڑھنے کا الزام دیں گے اور اگر نہیں نکلے گا اور نماز پڑھے گا تو موافقت کی فضیلت اور نفل نماز کا ثواب حاصل ہوگا پس موجب الزام یعنی اور فضیلت و ثواب سے احتراز بے حد برا ہے۔ اور رہا دوسری جماعت کا قائم کرنے والا تو اگرچہ وہ بھی اقامت کے وقت نکلنے سے تہمت زدہ ہوگا کیونکہ اس کا مقصد اکمال ہے اور وہ اس جماعت کا اکمال ہے جو اس کی عدم موجودگی سے منتشر ہو جائے گی اور اگر وہ نہیں نکلے گا تو وہ فضیلت و ثواب حاصل نہ کر سکے گا جو پہلے بیان کیا بلکہ دوسری جماعت میں خلل واقع ہوگا اور اس کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

تشریح و توضیح

ویکرہ الخ یعنی مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے پھر وہ بلا احتیاج (و عذر) مسجد سے نکل جائے اور اس کا ارادہ واپس لوٹنے کا نہ ہو تو وہ منافق ہے (ابن ماجہ)

سنن اربعہ اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اذان کے بعد (بلا عذر شرعی) مسجد سے نکلا تو اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور اس طرح گویا اللہ کی نافرمانی کی کیونکہ قرآن کریم میں ہے (من یطع الرسول فقد اطاع اللہ)

خروج الخ جس طرح نکلنا مکروہ ہے اسی طرح مسجد میں نماز میں شریک ہوئے بغیر ٹھہرنا بھی مکروہ ہے۔ بحر الرائق میں اس کی صراحت ہے

اذن فیہ الخ یہ حکم مطلقاً ہے خواہ اس کے مسجد میں داخل ہونے کے بعد اذان ہوئی ہو یا اس کے مسجد میں داخل ہونے سے قبل اذان ہو چکی ہو۔

ومن صلی الفجر او العصر او المغرب یخرج وان اقیمت لانہ ان صلی یکون نافلۃ والنافلۃ بعد الفجر والعصر مکروہۃ واما فی المغرب فان النافلۃ لا تشرع ثلث رکعات وبترک سنۃ

الفجر يقتدي من لا يصليها أي الفجر والمراد فرضه بجماعة إن أداها ومن أدرك ركعة منه صلاها ولا يقضيها إلا تبعاً للفرض أي إن فاتت سنة الفجر فإن فاتت بدون الفرض لا يقضي قبل طلوع الشمس ولكن لا بعد الطلوع عند أبي حنيفة رح وأبي يوسف رح وأما عند محمد رح يقضيها إلى الزوال لا بعده وإن فاتت مع الفرض فإن قضى قبل الزوال يقضيهما جميعا وكذا بعد الزوال عند بعض المشائخ رح وعند البعض لا بل يقضي الفرض وحده ورسول الله صلى الله عليه وسلم لما فاته الفجر ليلة التعريس قضاه مع السنة قبل الزوال بالأذان والإقامة جماعة وجهر بالقراءة فعلم من فعله عليه الصلوة والسلام شرعية القضاء بالجماعة والجهر فيه والأذان والإقامة للقضاء وأن السنة تقضى مع الفريضة فمن هذه الأحكام علم عدم اختصاصه بمورد النص فتعدى عنه إلى غيره من الصلوات وهي ما عدا قضاء السنة فتعدى عن مورد النص وهو قضاء الفجر إلى قضاء سائر الصلوات وأما قضاء السنة فقد علم أن سنة الفجر آكد من سائر السنن فلا يلزم من شرعية قضائها شرعية قضاء سائر السنن ولا من قضائها بتبعية الفرض قضاؤها بدون الفرض لكن يلزم من قضائها بتبعية الفرض قبل الزوال قضاؤها بتبعية الفرض بعد الزوال كما هو مذهب المشائخ رح لأن اختصاصه بتبعية الفرض بكونه قبل الزوال لا معنى له

ترجمہ اور جو شخص نماز ظہر یا عصر یا مغرب پڑھ چکا ہو اس کے لئے مسجد سے نکلنا جائز ہے اگرچہ اقامت شروع ہو چکی ہو کیونکہ اگر اس نے نماز پڑھی تو وہ نفل ہوگی اور نفل نماز فجر اور عصر کے بعد مکروہ ہے اور مغرب میں وہ اس لئے کہ تین رکعت نفل نماز مشروع نہیں اور جسے سنت فجر پڑھنے میں اگر فرض فوت ہونے کا اندیشہ ہو وہ سنت چھوڑ کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور مراد یہ ہے کہ فرض نماز باجماعت فوت ہو جائیگی اور جسے ایک رکعت امام کے ساتھ مل جانے کی توقع ہو وہ سنتیں پڑھ لے اور صرف سنتوں کی قضاء نہ کرے البتہ فرض فوت ہو جائیں تو تبعاً سنتوں کی بھی قضا کرے یعنی اگر فجر کی سنتیں فوت ہو گئیں اور فرض کے بغیر صرف سنتیں فوت ہوئی ہوں تو طلوع آفتاب سے قبل قضاء نہیں کرے گا امام ابو حنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد بھی قضا نہ کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے قضاء کرے زوال کے بعد قضاء نہ کرے۔ اور اگر سنتیں فرضوں کے ساتھ فوت ہوں تو قبل الزوال دونوں کی قضاء کرے گا اور بعض مشائخؒ کے نزدیک اسی طرح زوال کے بعد بھی دونوں کی قضاء کرے اور بعض فرماتے ہیں کہ صرف فرضوں کی قضاء کرے گا اور لیلۃ التعریس میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر فوت ہو گئی تو آپ نے زوال سے پہلے سنتوں سمیت اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت اس کی قضا فرمائی

اور قراءت سے بیان جہر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے اس کی باجماعت قضاء کی مشروعیت اور اس میں جہر اور قضاء کے لئے اذان و اقامت کا علم ہوا اور یہ کہ فرض کے ساتھ سنت کی قضا بھی ہوگی چونکہ ان احکام سے کو وہ نص کی مخصوصیت اور علاوہ ازیں نفس عمل سے سنتوں کی قضاء کے علاوہ دوسری نمازوں کی قضاء کی مشروعیت کا علم ہوا اور وہ فجر کی ہے اور دوسری نمازوں کی (مثلاً عشاء، ظہر، مغرب) کی قضاء سے اور ان ہی سنتوں کی قضا تو معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں کی ساری سنتوں سے زیادہ تاکید ہے تو فجر کی سنتوں کی قضاء کی مشروعیت سے ساری سنتوں کی قضاء کی مشروعیت لازم نہیں آتی اور نیز یہ کہ دو نمازوں کی سنتوں کی قضاء فرض کی تبعیت کے بغیر تنہا کی جائے لیکن فجر کی سنتوں کی فرض کی تبعیت میں زوال سے قبل قضاء کے قضاء کے بعد زوال بھی فرض کی تبعیت میں ان کی قضاء لازم آتی ہے جیسا کہ بعض مشائخ فقہاء کا مسلک و مذہب ہے اس لئے کہ فرض کی تبعیت میں قبل زوال ان کی قضاء کی تخصیص بے معنی ہے۔

تشریح و توضیح

بخروج الخ ذکر کیجیے احادیث سے بعد نماز فجر اور بعد عصر نوافل پڑھنا مکروہ ہے اس کی جماعت میں شریک نہ ہو سکے اور بوقت اقامت نکل جانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ویترک الخ یعنی اگر ابھی اس نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں کہ امام نے نماز شروع کر دی اور اسے قوی اندیشہ ہے کہ اگر سنتیں پڑھے تو باجماعت فرض رہ جائیں گے تو اہتمام و حصول جماعت کی خاطر سنتیں ترک کر دے لیکن اگر ایک رکعت ملنے کا بلکہ تشہد بھی پا لینے کا یقین ہو تو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہونا چاہیے فتح القدیر میں اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

یقضیہ الخ امام محمدؒ کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد سنت فجر کی قضاء کرے گا ان کا مستدل یہ حدیث ہے کہ جس نے فجر کی دو رکعتیں سنتیں نہیں پڑھیں تو وہ طلوع آفتاب کے بعد ان کی قضاء کرے (ترمذی شریف میں یہ روایت موجود ہے)

لیلة التعریس الخ اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرامؓ کے ساتھ دوران سفر رات کے اخیر شب کسی جگہ قیام فرمایا اور بعض اصحاب بشمول حضرت بلالؓ کو اس پر مامور فرمایا کہ وہ آپ کو طلوع صبح کی اطلاع کر دیں اور پھر آپ اور سبھی صحابہ کرامؓ سو گئے ان صحابہ پر بھی نیند کا غلبہ ہوا اور سب سو گئے اور آفتاب کی کرنوں سے آنکھ کھلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو شیطان آ جانے کی جگہ قرار دے کر کہ یہ صورت پیش آئی تھی کوچ کیا اور دوسرے قریبی مقام پر قیام فرما کر موذن کو اذان کا حکم دیا اور آپ نے سب کے ساتھ باجماعت نماز فجر کی مع جہر قراءت کے ساتھ قضاء کی۔ یہ واقعہ مسلم شریف، ابو داؤد، مسند حاکم، نسائی، بزار، طبرانی اور بیہقی وغیرہ میں تقریباً ایک سے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

وما قضاہ السنۃ الخ حاصل یہ ہے کہ وہ احکام جو لیلۃ التعریس کے قصہ میں منقول ہیں وہ عام تھا

امام محمدؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ نہ پڑھے۔ کیونکہ سنتیں اسی وقت کے لئے مقرر ہیں۔ پڑھی جاتی ہیں جبکہ فرض باجماعت ادا ہوں اور فرض باجماعت نہ ہوں تو سنتیں نہ پڑھی جائیں گی اور حسن ابن زیادؒ فرماتے ہیں کہ جس کی جماعت فوت ہو جائے پھر وہ اپنے گھر میں نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو فرض نماز سے شروع کرے گا لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ سنتیں بھی پڑھے گا اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے ان پر مواظبت (ہمیشگی) فرمائی اگرچہ اس کی جماعت فوت کیوں نہ ہو جائے لیکن جب وقت تنگ ہو تو فرض فوت ہونے کے خوف سے سنتیں ترک کرکے صرف فرض پڑھے گا۔ جس شخص نے امام کی رکوع میں اقتداء کی پھر ٹھہرا حتی کہ امام نے سر اٹھا لیا اور یہ رکوع نہ کر سکا تو اسے یہ رکعت نہیں ملی امام زفرؒ کے نزدیک مل گئی۔ جو شخص امام سے قبل رکوع کرے پھر امام اس سے رکوع میں مل جائے یا اس کے بعد امام رکوع کرے تو اس کا رکوع صحیح ہو گیا امام زفرؒ کے نزدیک درست نہیں ہوگا کیونکہ امام کے رکوع سے قبل کیا ہوا رکوع غیر معتبر ہے جس طرح جس پر اس کی بنا کی اس کا حکم ہے ہم کہتے ہیں کہ مشارکت ایک جزء میں پائی گئی (اور رکعت کے لئے یہی مقدار مشارکت کافی ہوا ہے۔)

تشریح و توضیح

فی الجماعۃ الخ یعنی ظہر او عصر کی جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو بہ صورت جماعت میں شامل ہو جائے کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے (اقامت شروع ہو جائے) تو فرض کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں (یہ روایت صحاح ستہ میں ہے)۔

قبل شفعہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اول چار رکعت ترک شدہ پڑھے اور پھر دو رکعات پڑھے اور امام محمدؒ کے نزدیک یعنی نماز ظہر کے بعد کی دو رکعات اور پھر چار رکعت پڑھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل کی چار رکعات چھوٹ جاتیں تو ظہر کے بعد کی دو رکعات پڑھ کر پھر چار رکعات پڑھتے تھے۔

دون غیرهما یعنی فجر کی سنتوں اور ظہر کے فرض سے قبل کی سنتوں کے علاوہ۔

لم یدرک الخ یعنی ایک رکعت ملنے پر ہی جماعت کا ثواب ضرور ملے گا حدیث شریف میں ہے جسے نماز کی ایک رکعت مل گئی تو اس نے گویا نماز پالی۔ (یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے۔)

واظب علیها نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکہ ان سنتوں پر مواظبت فرمائی ہے لہٰذا بلا ضرورت و مجبوری ان کا ترک باعث ملامت ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تم نے نبی کی سنت (طریقہ) چھوڑ دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے (مسلم)

صح رکوعہ یعنی مقتدی اگر امام سے قبل رکوع کر دے اور امام اس کے بعد رکوع میں جائے تو مشارکت فی الرکوع پائی جانے پر رکوع تو صحیح ہو گیا لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ پر تم رکوع میں سبقت نہ کرو اور نہ سجدہ میں اور نہ قیام میں اور نہ لوٹنے میں۔ مسلم شریف

باب قضاء الفوائت

فرض الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر فائتة كلها او بعضها اي ان كانت الكل فائتة فلا بد من رعاية الترتيب بين الفروض الخمسة وكذا بينها وبين الوتر وكذا ان كان البعض فائتة والبعض وقتية لا بد من رعاية الترتيب فيقضي الفائتة قبل اداء الوقتية فلم يجز فرض فجر من ذكر انه لم يوتر هذا التفريع لقوله والوتر وهذا عند ابي حنيفة رحمه الله خلافا لهما بناء على وجوب الوتر عنده وعندهما سنة لا الوتر من علم انه صلى العشاء بلا وضوء والآخرين به يعني تذكر انه صلى العشاء بلا وضوء والسنة والوتر بوضوء يعيد العشاء والسنة لانه لم يصح اداء السنة مع انها اديت بالوضوء لانها تبع للفرض اما الوتر فصلوة مستقلة عنده فصح اداؤه لان الترتيب وان كان فرضا بينه وبين العشاء لكنه ادى الوتر وزعم انه صلى العشاء بالوضوء فكان ناسيا ان العشاء كان في ذمته فسقط الترتيب وعندهما يقضي الوتر ايضا لانه سنة عندهما۔

ترجمہ ترتیب پانچوں فرض نمازوں اور وتر کے درمیان فرض کی گئی ہے (خواہ) سب نمازیں فوت ہوئی ہوں یا ان میں سے بعض یعنی اگر سب فوت ہوں تو ان میں ترتیب کی رعایت ضروری ہے پانچوں نمازوں اور اسی طرح ان کے اور وتر کے درمیان اور ایسے ہی اگر بعض فوت شدہ اور بعض وقتیہ ہوں تو ان میں ترتیب کی رعایت ضروری ہے پس فوت شدہ نمازیں وقتیہ سے پہلے قضاء کی جائیں گی پس جسے وتر نہ پڑھنا یاد ہو اسے فرض نماز پڑھنا جائز نہیں یہ متفرع ہے مصنفؒ کے قول ”والوتر“ پر یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نماز فجر جائز ہوگی اس کی بنیاد اس پر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز وتر واجب ہے (اور) امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک سنت ہے جس شخص کو معلوم ہو کہ اس نے عشاء کی نماز بلا وضو اور سنتیں و وتر باوضو پڑھے تو وہ عشاء و سنتوں کا اعادہ کرے گا وتر کا اعادہ نہیں کرے گا یعنی اسے یاد آئے کہ اس نے نماز عشاء بلا وضو پڑھی اور سنت و وتر باوضو پڑھے تو فرض نماز عشاء اور سنتیں لوٹائے کیونکہ سنتیں فرض کے تابع ہیں اس لئے وہ باوجود باوضو پڑھنے کے صحیح ادا نہیں ہوئیں رہے وتر تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ مستقل نماز ہے (تابع فرض نہیں) اس کی ادائیگی صحیح ہوئی کیونکہ ترتیب اگرچہ وتر اور عشاء کے درمیان فرض ہے لیکن جب اس نے یہ سمجھ کر وتر ادا کئے کہ وہ عشاء کی نماز فرض باوضو پڑھ چکا ہے پس وہ بھول گیا کہ عشاء اس کے ذمہ باقی ہے لہذا ترتیب ساقط ہوگئی اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک وتر کی بھی قضاء کرے گا کیونکہ وہ ان کے نزدیک سنت ہے۔

تشریح و توضیح بین الفروض الخمسۃ. پانچوں نمازوں کے درمیان ترتیب فرض ہے اصل اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ جو شخص اپنی کوئی نماز بھول جائے اور اسے اس وقت یاد آئے جب کہ وہ امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ اول بھولی ہوئی نماز پڑھے اس کے بعد دوسری نماز پڑھے (یہ روایت موطا امام مالک، دارقطنی اور بیہقی میں موجود ہے) ترمذی میں ہے کہ غزوہ خندق میں مشغولیت اور کافروں کے مہلت نہ دینے کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نمازیں ظہر و عصر و مغرب قضا ہو گئیں تو آنحضورؐ نے عشاء کے وقت اول بالترتیب یہ نمازیں پڑھیں پھر نماز عشاء پڑھی۔

فلم یجز یعنی اگر یاد ہوتے ہوئے نماز فجر پڑھی گر اس نے وتر ادا نہیں کئے تو اس پر لازم ہے کہ اولا وتر پڑھے اور پھر فجر پڑھے۔

الا اذا ضاق الوقت الاستثناء متصل بقوله فرض الترتيب والمعنى انه ضاق الوقت عن القضاء والاداء وان كان الباقي من الوقت بحيث يسع فيه بعض الفوائت مع الوقتية فانه يقضي ما يسعه الوقت مع الوقتية كما اذا فاتت العشاء والوتر ولم يبق من وقت الفجر الا ان يسع فيه خمس ركعات يقضي الوتر ويؤدي الفجر عند ابي حنيفة رح ولو فاتت الظهر والعصر ولم يبق من وقت المغرب الا ما يصلي فيه سبع ركعات يصلي الظهر والمغرب او نُسيت او فاتت ستةٌ حديثةٌ كانت او قديمة قيل الستة وما دونها حديثة وما فوقها قديمة كذا في فوائد الجامع الصغير للحسامي قلّت بعد الكثرة اولا فيه ردٌّ من ترك صلوة شهر فندم واخذ يؤدي الوقتيات ثم ترك فرضا على التقرير لقوله قديمة كانت او حديثة فانه اذا اخذ يؤدي الوقتيات صارت فوائتُ الشهر قديمة وهي مسقطة للترتيب فاذا ترك فرضا يجوز مع ذكره اداءُ وقتيٍّ بعده او قضى صلوة الشهر الا فرضا او فرضين على التقرير لقوله قلّت بعد الكثرة اولا فانه لما قضى صلوات الشهر الا فرضا او فرضين قلّت الفوائت بعد الكثرة فلا يعود الترتيب الا ان يقضي الكل وعند بعض المشائخ رح ان قلّت بعد الكثرة يعود الترتيب واختار الامام السرخسي الاول وقال صاحب المحيط وعليه الفتوى

ترجمہ لیکن اگر وقت تنگ ہو تو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، یہ استثناء متصل ہے مصنفؒ کے قول فرض الترتیب سے اور معنی اس کے یہ ہیں کہ اگر ادا اور قضا دونوں ادا کرنے کا وقت

فی فوائد الخ یہ جامع صغیر کی شرح ہے۔ اس کے مؤلف حسام الدین صدر الشہید عمر بن عبد العزیز ہیں۔

تشریحیہ

السرخسی: سرخس خراسان کے شہروں میں سے ایک شہر ہے اسی کی طرف منسوب ہو کر سرخسی کہلاتے ہیں۔ اصل نام شمس الائمہ محمد بن احمد ہے اونچے درجے کے عالم اور شمس الائمہ عبد العزیز الحلوانی کے شاگرد ہیں۔ ۴۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

صاحب المحیط: مشہور مستند و معتبر کتاب ذخیرہ کے مؤلف ہیں۔ اصل نام محمود بن الصدر الشہید احمد بن حسام الدین الصدر الشہید شارح الجامع الصغیر کے بھتیجے ہیں۔

من صلى خمسا ذاكرا فائتة فسدت الخمس موقوفا فان ادى سادسا صح الكل وان قضى الفائتة بطل فرضية الخمس لا اصلها رجل فاتته صلاة فادى مع ذكرها خمسا بعدها فسدت هذه الخمس لوجوب الترتيب لكن عند ابي يوسف رح ومحمد رح فسادا غير موقوف وهو القياس وعند ابي حنيفة رح فسادا موقوفا فان ادى سادسا صح الكل وان قضى الفائتة فالخمس التي اداها بطل وصف فرضيتها لا اصلها فانه لا يلزم من بطلان الفرضية بطلان اصل الصلاة عند ابي حنيفة رح وابي يوسف رح خلافا لمحمد رح وانما قال ابو حنيفة رح بالفساد الموقوف لانه ان فسد كل واحد منها لوجوب رعاية الترتيب فسادا غير موقوف فعند اداء السادس تبين ان رعاية الترتيب كانت في الكثير وهو باطل فقلنا بالتوقف حتى يظهر ان رعاية الترتيب ان كانت في الكثير فلا تجوز وان كانت في القليل فتجوز۔

ترجمہ جس شخص نے فوت شدہ نماز یاد رہتے ہوئے پانچ دیگر نمازیں پڑھ لیں تو یہ سب فاسد موقوف ہوں گی۔ اگر چھٹی نماز بھی پڑھ لی تو سب صحیح ہو جائیں گی (کیونکہ اب حکم ترتیب ساقط ہو گیا) اور اگر فوت شدہ نماز کی قضاء کر لی تو پانچوں نمازوں کی فرضیت باطل ہو جائے گی اصل نمازیں باطل نہ ہوں گی یعنی یہ سب بجائے فرض کے نفل بن جائیں گی۔ کسی شخص کی کوئی نماز فوت ہو گئی پھر اس نے فوت شدہ نماز یاد ہوتے ہوئے بھی پانچ نمازیں اس کے بعد پڑھ لیں تو ترتیب کے وجوب کے باعث یہ پانچ نمازیں فاسد ہو گئیں یعنی اعادہ لازم ہوگا لیکن امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک ان کا فساد غیر موقوف ہے اور دونوں کا قیاس ہے اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ان کا فساد موقوف ہے اگر اس نے چھٹی نماز ادا کر لی تو سب صحیح ہو گئیں اور اگر فوت شدہ کی قضاء کر لی تو پانچوں ادا کردہ نمازوں کی فرضیت کا وصف باطل ہو گیا

18/2

اصل نماز ہی باطل نہیں ہوئیں (بلکہ) نفل سے بدل گئیں تو امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ فرضیت کے بطلان کو اصل نماز کا بطلان قرار نہیں دیتے۔ امام محمدؒ باطل قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا موقوف فساد کہنا اس وجہ سے ہے کہ اگر ان میں سے ہر نماز کا فساد رعایتِ ترتیب کے وجوب کی وجہ سے غیر موقوف قرار دیا جائے تو جب چھٹی نماز ادا کی گئی تو ظاہر ہو گیا کہ ترتیب کی رعایت غیر ممکن ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ کثرت مسقط ترتیب ہے اس لیے موقوف کہتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ترتیب کی رعایت اگر کثیر ہے تو جائز نہیں ہوگی اور اگر قلیل ہے تو جائز ہوگی۔

تشریح و توضیح | ذاکرا: یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر یاد نہ رہے تو بھول کی وجہ سے ترتیب کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔

ان ادی الخ یعنی ان پانچوں نمازوں کی صحت چھٹی نماز کی ادائیگی پر موقوف ہے اور ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ ان کی صحت چھٹی نماز کا وقت داخل ہونے پر موقوف ہے۔

ان تقضی الخ یعنی فوت شدہ نمازیں ادا کرنے سے قبل پانچویں نماز کا وقت نکلنے سے پہلے پڑھ لی۔

باب سجود السهو

يجب له بعد سلام واحد سجدتان وتشهد وسلام إذا قدّم ركناً أو أخّره أو كرّره أو غيّر واجباً أو تركه ساهياً كركوع قبل القراءة وتأخير القيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد روي عن أبي حنيفة رح أن من زاد على التشهد الأول حرفاً يجب عليه سجود السهو وقيل لا يجب عليه سجود السهو بقوله اللّهم صلّ على محمّد ونحوه وإنما المعتبر مقدار ما يؤدّي فيه ركن كالقيام والقعود وركوعين والجهر فيما يخافت وعكسه وترك القعود الأول وقيل كل هذه يؤول إلى ترك الواجب ولا يجب بسهو المؤتم بل بسهو إمامه إن سجد والمسبوق يسجد مع إمامه ثم يقضي ما فات عنه ومن سها عن القعدة الأولى وهو إليها أقرب عاد ولا سهو وإلا قام وسجد للسهو وإن سها عن الأخيرة عاد ما لم يقيد بالسجدة وسجد للسهو وإن قيد تحوّل فرضه نفلاً ويضم سادسة إن شاء إنما قال إن شاء لأنه نفل لم يشرع فيه قصداً فلم يجب إتمامه

ترجمہ | اگر ایک رکن کو دوسرے پر مقدم کر دیا یا مؤخر کر دیا یا ایک رکن مکرر کر دیا یا کسی واجب کو بدل دیا یا بھول کر چھوڑ دیا مثلاً رکوع قرأت سے پہلے کرے یا درمیانی تشہد میں زیادہ بیٹھنے کی

وجہ سے تیسری رکعت کے قیام میں تاخیر ہو جائے ان سب صورتوں میں ایک سلام کے بعد دو سجدے واجب ہیں اور پھر التحیات وغیرہ کے بعد سلام پھیرے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ پہلے تشہد پر ایک حرف کا اضافہ کرے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور بعض کے نزدیک اللّٰھم صل علیٰ محمد وغیرہ سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا اور معتبر مقدار وہ ہے کہ ایک رکن کی مقدار زیادہ ہو جائے واشتغال امام اور قعود یا دو بار رکوع کرنے یا جہری نماز میں آہستہ اور سری نماز میں جہراً پڑھے یا پہلا قعدہ ترک کر دے اور کہا گیا کہ ان سب کا مآل ترک واجب ہے اور مقتدی کے سہو سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا مگر امام کے سہو سے سجدۂ سہو کا وجوب ہوگا اگر وہ سجدہ کرے امام سجدہ کرے تو مقتدی بھی کرے اور مسبوق اپنے امام کے ساتھ سجدہ کرے پھر وہ باقی ماندہ نماز پڑھے اور جو قعدہ اولیٰ بھول جائے اور وہ بیٹھنے کی حالت کے قریب ہو تو لوٹ جائے اور اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا اور قیام سے قریب ہو تو کھڑا ہو جائے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر قعدۂ اخیرہ میں بھول کر کھڑا ہو جائے تو اس رکعت کے سجدہ سے پہلے لوٹ جائے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر سجدہ کر لیا تو اس کے فرض نفل سے بدل جائیں گے اور وہ اگر چاہے تو چھٹی رکعت ملالے۔ ان شارح کی قید اس لئے لگائی کیونکہ وہ ایسی نفل ہے جو قصداً شروع نہیں کی گئی لہٰذا اس کا اتمام اس پر واجب نہیں۔

تشریح و توضیح

یجب بعد سلام الخ سہو کے لئے دو سجدے صحیح ترین قول کے مطابق واجب ہیں تاکہ جبر و تلافی نقصان ہو جائے صحاح ستہ کی روایات اور بحر الرائق وغیرہ کی صراحت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر مواظبت ثابت ہے اور جب اس کا واجب ہونا ثابت ہو گیا تو ترک واجب پر یہ تلافی نقصان واجب ہوگی جیسے ترک تسمیہ و تعوذ و ثناء پر اس کا وجوب نہ ہوگا کیونکہ وہ خود بھی واجب نہیں اسی طرح ترک رکن پر بھی سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا کیونکہ ترک رکن سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اگر واجب عمداً ترک کر دیا تب بھی سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے یہ سجدے سہو کی بنا پر ہیں عمداً ترک کی صورت میں نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔

بعد سلام الخ حدیث شریف میں ہے ہر سہو کے لئے سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔ یہ روایت مسند احمد ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے۔ اور ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے۔ (بخاری و مسلم)

بعض ائمہ کے نزدیک سلام سے قبل سجدۂ سہو سنت ہے امام شافعیؒ یہی فرماتے ہیں سلام سے پہلے بھی سجدۂ سہو جائز ہے اختلاف صرف اولویت میں ہے۔

ویتشہد الخ کیونکہ سجدۂ سہو کی بنا پر پہلا تشہد نہ پڑھنے کے درجہ میں شمار ہوگا لہٰذا اس کے بعد التحیات درود شریف پڑھ اور دعا مانگ کر سلام پھیرے گا۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور اس میں سہو ہوا

تو دو سجدے کئے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا۔ (ابوداؤد و ترمذی)

ولا یجب الخ مقتدی کے سہو سے نہ خود اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا اور نہ امام پر کیونکہ وہ امام کے تابع ہے اور تابع کی بھول سے اصل پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی نیز مقتدی کے لئے قبل سلام اس کا ادا کرنا ممکن ہے اور بعد سلام کیونکہ امام کی مخالفت لازم آتی ہے حدیث شریف میں ہے امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے (ابوداؤد) اس سے وجوب متابعت ثابت ہوتی ہے۔

وان قعد الأخيرة ثم قام سهوا عاد ما لم يسجد للخامسة وسلم وان سجد لها تم فرضه وضم سادسة وسجد للسهو والركعتان نفل ولا قضاء لو قطع ولا تنوبان عن سنة الظهر فان قلت لم قال قبل هذه المسألة وضم سادسة ان شاء وقال في هذه المسألة وضم سادسة ولم يقل ان شاء مع ان الركعتين نفل في الصورتين بحيث لو قطع لا قضاء فيكون في هذه المسألة ضم السادسة مقيدا ايضا بمشيته قلت ضم السادسة في هذه المسألة آكد من ضم السادسة في تلك المسألة مع انه لو قطع لا قضاء في المسألتين وذلك لان فرضه قد تم في هذه المسألة لكن بتاخير السلام يجب سجود السهو في هاتين الركعتين فسجود السهو لتدارك نقصان الفرض واجب في هاتين الركعتين فلو قطع هاتين الركعتين بان لا يسجد للسهو يلزم ترك الواجب ولو جلس من القيام وسجد للسهو لم يؤد سجود السهو على الوجه المسنون فلا بد من ان يضم سادسة ويجلس على الركعتين ويسجد للسهو بخلاف تلك المسألة فان الفرضية قد بطلت فما ذكرنا من تدارك نقصان الفرض غير موجود فيها على ان اصل الصلوة باطل عند محمد رح فعلم ان ضم السادسة صيانة عن البطلان آكد في هذه المسألة فلهذا لم يقل ان شاء وانما قال لا تنوبان عن سنة الظهر لان النبي عليه الصلوة والسلام واظب عليها بتحريمة مبتدأة

ترجمہ اور اگر قعدۂ اخیرہ کرے پھر بھول کر کھڑا ہو جائے تو لوٹ آئے جب تک کہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور بیٹھ جائے اور سلام پھیرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو اس کا فرض پورا ہو گیا اور چھٹی رکعت ملا کر سجدۂ سہو کرے اور یہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور اگر انہیں توڑ دے تو قضاء لازم نہ ہوگی اور یہ دو رکعت ظہر کی سنتوں کی قائم مقام نہ ہوں گی اگر تو کہے کہ مصنف نے اس سے پہلے مسئلہ میں یعنی جب کہ قعدۂ اخیرہ ترک کر کے کھڑا ہو جائے فرمایا چھٹی رکعت ملائے اگر چاہے۔ اور اس مسئلہ میں فرمایا

والاقتداء اي المصلي الذي عليه سجدة السهو ان سلم في آخر صلوته قبل ان يسجد للسهو يخرجه من الصلوة خروجا موقوفا فينظر انه ان سجد للسهو بعد ذلك السلام يحكم بانه لم يخرج عن الصلوة وان لم يسجد بل رفض الصلوة يحكم بانه قد كان خرج منها حتى ان سلم ثم اقتدى به انسان ثم سجد للسهو يكون الاقتداء صحيحا ولو لم يسجد بل رفض الصلوة لم يصح الاقتداء واذا سلم ثم قهقه ثم سجد يحكم ببطلان وضوئه اذ القهقهة وجدت في خلال الصلوة ولو لم يسجد بل رفض لم يبطل وضوءه ولو سلم ثم نوى الاقامة ثم سجد للسهو صار فرضه اربعا لان نية الاقامة كانت في خلال الصلوة ولو لم يسجد للسهو بل رفض لم يصر فرضه اربعا لان نية الاقامة وجدت بعد الصلوة

ترجمہ اور جو شخص ان دو رکعات میں امام کی اقتدا کرے گا اس پر ان دو رکعات کا پڑھنا لازم آئے گا اور اگر توڑ دے گا تو ان کی قضا لازم ہوگی کیونکہ اس نے قصداً شروع کی ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ چھ رکعات پڑھے گا اور اگر فاسد کر دے گا تو قضا واجب نہ ہوگی جیسے کہ امام پر قضا واجب نہیں ہوگی جس شخص کو نفل کی دو رکعات میں سہو ہوا تو سجدۂ سہو کرے اور دوسری نفل اس کے ساتھ نہ ملائے کیونکہ اس طرح سجدۂ سہو نماز کے درمیان ہوگا اگر ملائے تو درست ہے یعنی اگر دوسری تحریمہ کے بجائے اسی تحریمہ سے مزید نفل نماز پڑھ لے تو درست ہے کسی کو نماز میں سہو ہوا اور وہ سلام کی نیت سے سلام پھیرے تو اس کا نماز سے نکلنا موقوف رہے گا حتیٰ کہ اس کی اقتدا صحیح ہوگی اور وضو اس کا قہقہہ سے باطل ہو جائے گا اور اقامت (مقیم ہونے اور ٹھہرنے کی نیت) سے اس کی فرض نماز چار رکعت ہو جائے گی۔ اگر وہ اس کے بعد سجدہ کرے (تو یہ مذکورہ تینوں احکام مرتب ہوں گے) ورنہ نہیں یعنی وہ نماز پڑھنے والا جس پر سجدۂ سہو واجب ہو اگر نماز کے اخیر میں سجدۂ سہو سے پہلے سلام پھیرے تو اس کا نماز سے نکلنا موقوف رہے گا پس یہ دیکھیں گے کہ اگر اس نے اس سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا تو اس کے نماز سے نہ نکلنے کا حکم ہوگا اور اگر سجدۂ سہو نہیں کیا بلکہ نماز چھوڑ دی تو اس کے نماز سے نکل چکنے کا حکم کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر وہ سلام پھیرے پھر اس کی کوئی شخص اقتدا کرے پھر وہ امام سجدۂ سہو کرے تو اس کی اقتدا صحیح ہوگی اور اگر سجدہ نہ کرے بلکہ نماز چھوڑ دے تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی اور اگر سلام پھیرے پھر قہقہہ لگائے پھر سجدہ کرے تو اس کے وضو کے باطل ہونے کا حکم کیا جائے گا کیونکہ قہقہہ نماز کے درمیان پایا گیا اور اگر سجدہ نہیں کیا بلکہ چھوڑ دیا تو اس کا وضو باطل نہیں ہوا اور اگر سلام پھیر کر مسافر نمازی نے قیام و ٹھہرنے کی نیت کی پھر سجدۂ سہو کیا تو وہ فرض چار ہو گئے کیونکہ اقامت

وٹھہرنے کی نیت نماز کے درمیان واقع ہوئی اور اگر سجدۂ سہو نہ کرے بلکہ چھوڑ دے تو اس کی نماز فرض چار رکعات نہیں ہوئی کیونکہ اقامت وٹھہرنے کی نیت نماز کے بعد پائی گئی۔

تشریح و توضیح وعند محمد الخ امام محمدؒ کے نزدیک اس کا حال دونوں حالت کے اعتبار سے ہوگا تو گویا کہ امام نے چھ رکعات پڑھیں لہٰذا یہ بھی چھ رکعات پڑھے گا اور اگر امام کی یہ دو رکعات اخیر کی فاسد ہوگئیں تو ان کی قضا اس پر واجب نہ ہوگی۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہی امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔

فان بنی الخ یعنی اگر نماز پڑھنے والے نے بنا کو اختیار کیا اور دوسری نماز اس سابق تحریمہ کی بنیاد پر شروع کر دی اور تحریمہ کی تجدید نہیں کی تب بھی اس کی نماز درست ہو جائے گی۔

بنیۃ الاقامۃ الخ یعنی سلام کے بعد سجدۂ سہو سے قبل اقامت و قیام کی نیت کرے اور اگر سلام سے پہلے نیت اقامت کی ہو تو بلا شک و شبہ بالاتفاق سب کے نزدیک اس کے فرض بجائے دو کے چار ہو جائیں گے اور وہ مسافر سے مقیم قرار دیا جائے گا کیونکہ وہ سب کے نزدیک ابھی نماز سے باہر نہیں نکلا۔

سهى وسلم بنية القطع بطل نيته حتى يكون تحريمته باقية كما مر شك اول مرة انه كم صلى استانف وان كثر اخذ ما غلب على ظنه لانه اذا كثر كان في الاستيناف حرج وان لم يغلب اخذ الاقل وقعد في كل موضع ظنه اخر صلوته يعني ان شك انه صلى ثلث ركعات او اربع ركعات ولم يغلب على ظنه احدهما اخذ بالاقل وهو الثلث لكن يقعد ثم يصلي ركعة اخرى وانما يقعد لانه يمكن ان يكون اخر صلوته والقعدة الاخيرة فرض وقوله ظنه اخر صلوته ليس المراد بالظن رجحان احد الطرفين بل المراد الوهم لان المفروض انه لم يغلب احد الطرفين على الاخر

ترجمہ اگر کسی پر واجب سہو ہوا اور نماز قطع و ختم کرنے کی نیت سے سلام پھیرا تو اس کی نیت باطل ہوگی حتی کہ اس کی تحریمہ باقی رہے گی جیسا کہ بیان ہو چکا۔ کسی کو پہلی بار نماز میں شک ہوا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی تو وہ نماز دوبارہ پڑھے گا اور اگر اکثر شک پڑتا ہو تو تحری کے بعد غالب گمان پر عمل کرے گا کیونکہ بکثرت شک پیدا ہونے کی صورت میں نماز لوٹانا باعث حرج اور تنگی ہے۔ اور اگر تحری و سوچنے میں ظن غالب نہ ہو تو احتیاطاً کم کو اختیار کرے اور جس کو نماز کا اخیر قعدہ خیال کرے وہاں بیٹھ جائے یعنی اگر اسے شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھیں یا چار رکعت اور دونوں میں سے کسی صورت پر ظن غالب نہ ہو تو اقل یعنی تین رکعات کو اختیار کرے گا لیکن تین رکعات پر بیٹھ

زمانا لا ما تعارفه المنجمون وعبارة المختصر هكذا او ان تعذر مع القيام ومأ برأسه قاعدا ان قدر ولا معه فهو احب وجعل سجوده اخفض من ركوعه ولا يرفع اليه شيء يسجد عليه والا فعلى جنبه متوجها الى القبلة او ظهره كذا او لى والايماء بالرأس فان تعذر اخرت ويلزم مع الى اخره اي ان تعذر الركوع والسجود مع القيام اومأ قاعدا ان قدر على القعود ولا معه اي لا مع القيام اي تعذر الركوع والسجود لا القيام فالايماء قاعدا احب وقوله والا فعلى جنبه اي وان لم يقدر على القعود اومأ على جنبه متوجها الى القبلة او على ظهره متوجها بان يكون رجلاه الى القبلة وقوله والايماء مبتدأ و بالرأس خبره۔

ترجمہ اگر کوئی شخص دوران نماز کوئی مرض پیش آ جانے یا پہلے سے مرض پیش ہونے کے باعث کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ کرے اور اگر قیام کے ساتھ ساتھ رکوع و سجدہ بھی نہ ہو سکتا ہو تو سر کے اشارہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکے اور سجدہ کی خاطر کوئی اونچی چیز نہ رکھے اور اگر بیٹھنے پر قدرت نہ ہو تو چت لیٹ کر اور پیر قبلہ رخ کر کے یا کروٹ سے لیٹ کر منہ قبلہ کی طرف کر کے سر کے اشارہ سے نماز پڑھے اور پہلی صورت (چت لیٹ کر پاؤں قبلہ رخ کر کے نماز پڑھنا) افضل ہے اور اگر اشارہ سے پڑھنا بھی ممکن نہ ہو تو نماز مؤخر کر دے اور آنکھوں، بھنووں اور دل سے اشارہ نہ کرے اور اگر رکوع و سجدہ پر قادر نہ ہو قیام پر قدرت ہو تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھ لے اور بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا کھڑے ہو کر پڑھنے سے افضل و بہتر ہے کیونکہ بیٹھنا سجدہ سے زیادہ قریب ہے اور وہ سجدہ مقصود ہے کیونکہ اس میں انتہائی تعظیم ہے اور اشارہ سے نماز پڑھنے والا اگر نماز کے دوران اچھا ہو گیا تو از سر نو نماز پڑھے گا۔ اور بیٹھ کر رکوع و سجدہ کرنے والا اچھا ہو گیا تو وہ صرف باقی نماز کھڑے ہو کر پڑھے گا۔ اور چلتی کشتی میں بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا صحیح ہے اور کشتی بندھی ہوئی ہو تو بیٹھ کر بلا عذر نماز پڑھنا صحیح نہیں اور جو شخص ایک دن اور ایک رات پاگل رہے یا بے ہوش رہے تو وہ فوت شدہ نمازوں کی قضا کرے اور اگر ایک دن ایک رات سے ایک گھڑی بھی زیادہ دیوانگی یا بے ہوشی طاری رہے تو فوت شدہ نمازوں کی قضا نہ کرے یہ حکم امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اوقات کا اعتبار ہوگا یعنی اگر بے ہوشی و پاگل پن پانچ نمازوں تک طاری رہے تو قضا لازم ہوگی اور چھٹی نماز کے وقت تک یا اس سے زیادہ رہے تو قضا ساقط ہونے کا حکم کیا جائے گا اور اگر ایک گھڑی بھی زمانہ وقت بڑھ جائے تو قضا واجب نہ ہوگی۔ مصنفؒ کے قول وان زاد ساعة سے مراد وہ زمانہ نہیں جو نجومیوں کے یہاں متعارف ہے اور مختصر کی عبارت اس طرح ہے اور اگر قیام کے دوران

قاعد بیٹھنے والے کے پیچھے جائز ہے اور یہ جواز حدیث سے ثابت ہے۔ سنن میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگوں نے کھڑے ہو کر آپ کی اقتدا کی۔

المنجمون: فن نجوم کے ماہر اور اس پر دسترس و عبور رکھنے والے۔

وبالراس: اس مثال اس کی طرف اشارہ ہے کہ سر کے علاوہ ابرو وغیرہ سے اشارہ درست نہیں۔

باب سجود التلاوة

هو سجدة بين تكبيرتين بشروط الصلوة بلا رفع يد وتشهد وسلام وفيها تسبيح السجود وتجب على من تلا آية من اربع عشرة التي في آخر الاعراف والرعد والنحل وبني اسرائيل ومريم واولى الحج احترز عن الثانية وهي قوله تعالى واركعوا واسجدوا فانه لا سجدة عندنا خلافا للشافعي فعنده في كل موضع من القران قرن الركوع بالسجود يراد به السجدة الآتية والفرقان والنمل والم السجدة وص وحم السجدة والنجم والانشقاق واقرأ وعند الشافعي في اربع عشرة ايضا لكن ص ليس عنده سجدة وفي الحج عنده سجدتان واختلف في موضع السجدة في حم السجدة فعند علي رضي الله تعالى عنه هو قوله تعالى إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ وبه اخذ الشافعي وعند ابن مسعود رضي الله عنه هو قوله تعالى وَهُمْ لَا يَسْأَمُوْنَ فاخذنا بهذا احتياطا فان تاخير السجدة جائز لا تقديمها او سمعها وان لم يقصده اي السماع او تلا الامام يسجد المؤتم معه وان لم يسمع وان تلا المأموم لم يسجد اصلا اي لا في الصلوة ولا بعدها وسجد السامع الخارج سمع المصلي ممن ليس معه سجد بعدها ولو سجد فيها اعادها لا الصلوة سمعها من امام ولم يدخل معه او دخل في ركعة اخرى سجد بعدها لا فيها

ترجمہ: سجدۂ تلاوت ایک سجدہ ہے دو تکبیروں کے درمیان نماز کی ساری شرطوں کی رعایت کے ساتھ بغیر ہاتھ اٹھائے اور تشہد و سلام کے بغیر اور سجدۂ تلاوت میں وہی پڑھے جو نماز کے سجدہ میں پڑھا جاتا ہے یعنی ماثور تسبیحات اور سجدۂ تلاوت اس پر واجب ہوگا جو ان چودہ آیات میں سے کسی آیت کی تلاوت کرے سورۂ اعراف کی آخری آیت اور سورۂ رعد، نحل، بنی اسرائیل و مریم کی آیات اور سورۂ حج کی سجدہ کی پہلی آیت پہلی آیت کہہ کر دوسری آیت یعنی ارشاد باری واركعوا واسجدوا سے احتراز

مقصود ہے کیونکہ ہمارے نزدیک اس آیت پر سجدہ نہیں امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری آیت پر سجدہ ہے پس قرآن شریف میں جو دو جگہ جہاں رکوع کا سجدہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد سجدۂ صلاتیہ ہے اور سورۂ فرقان نمل الم السجدہ ص حم السجدہ النجم انشقت اور سورۂ اقرأ میں سجدہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک بھی چودہ جگہ سجدہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ ص میں سجدہ نہیں اور سورۂ حج میں ان کے نزدیک دو سجدے ہیں اور حم السجدہ میں سجدہ کی جگہ میں اختلاف ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ان کنتم ایاہ تعبدون پر سجدہ ہے امام شافعیؒ کا مستدل بھی ارشاد حضرت علیؓ ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارشاد خداوندی وھم لا یسئمون پر سجدہ ہے ہم نے احتیاطاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو لیا ہے کیونکہ تاخیر سجدہ جائز ہے تقدیم سجدہ (آیت سجدہ سے پہلے سجدہ) جائز نہیں یا کسی سے سجدہ کی آیت سنے اگرچہ یہ سننا بلا ارادہ ہو امام نے آیت سجدہ تلاوت کی تو مقتدی نے خواہ وہ آیت نہ سنی ہو مگر اس کے ساتھ سجدہ کرے اور اگر مقتدی نے تلاوت کی تو امام و مقتدی دونوں میں سے کسی پر نہ نماز میں سجدہ تلاوت واجب ہوگا اور نہ نماز کے بعد اور نماز میں شریک نہ ہونے والا اگر نماز پڑھنے والے سے آیت سجدہ سنے تو سجدہ کرے نماز پڑھنے والا اس شخص سے آیت سجدہ سنے جو اس کے ساتھ شریک نماز نہ ہو تو وہ نماز کے بعد سجدہ کرے اور اگر وہ نماز کے اندر سجدہ کرے تو بعد میں پھر سجدہ کو مع نماز کو لوٹائے کسی نے امام سے آیت سجدہ سنی دراں حالیکہ وہ اس کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوا پس اس کے ساتھ دوسری رکعت میں شریک ہو تو وہ بعد میں سجدہ کرے اندرون نماز نہ کرے۔

تشریح و توضیح

ھو لہ یعنی سجدۂ تلاوت صرف ایک سجدہ ہے اگرچہ بیٹھ کر بھی جائز ہے مگر مستحب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر کرے۔

بشروط الصلوٰۃ الخ جگہ کی کپڑے کی اور جسم کی پاکی اور استقبال قبلہ وغیرہ جتنی نماز کی شرطیں ہیں وہ اس میں بھی مطلوب ہیں۔

بلا رفع سجدۂ تلاوت کے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں کیونکہ اس موقعہ پر ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں سبحتین کے شرح کے ساتھ سجدۂ تلاوت اور دوسرے تمام سجدوں میں ماثورہ منقول تسبیحات کا پڑھنا مسنون ہے۔

وتجب الخ آیت سجدہ تلاوت کرنے والے پر سجدہ واجب ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب ابن آدم سجدہ کرتا ہے تو شیطان اس سے اشکبار ہو کر جدا ہوتا ہے ہائے افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا پس اس نے سجدہ کیا اور وہ جنت کا حقدار ہو گیا اور مجھے سجدہ کا حکم کیا گیا میں نے انکار کیا پس مجھ سے دوزخ ہے (یہ حدیث مسلم وغیرہ میں مروی ہے) اس حدیث کی تائید میں کفار کی مذمت کرتے

ہوسکے یہ ارشاد باری ہے " واذا قرئ علیھم القرآن لا یسجدون " الآیۃ

تلا آیۃ الخ یعنی ایک آیت پوری تلاوت کرے یا حرف سجدہ کے ساتھ اگر آیت تلاوت کرے سجدہ واجب ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ اگر حرف سجدہ کے ساتھ اس سے پہلے ایک کلمہ یا اس کے بعد ایک کلمہ تلاوت کرے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا ورنہ نہیں سراج الوہاج میں اسی طرح ہے

فی آخر الاعراف یعنی ارشاد ربانی ان الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادتہ ویسبحونہ و لہ یسجدون سورۂ اعراف میں آیت سجدۂ تلاوت ہے۔

والرعد الخ سورۂ رعد کی یہ آیت " وللہ یسجد من فی السموات والارض طوعا وکرھا وظلالھم بالغدو والآصال " آیت سجدہ ہے۔

وبنی اسرائیل سورۂ بنی اسرائیل آیت یخرون للاذقان یبکون ویزیدھم خشوعا آیت سجدہ ہے

ومریم سورۂ مریم کی یہ آیت اذا تتلی علیھم آیات الرحمن خروا سجدا وبکیا آیت سجدہ ہے

واولی الحج سورۂ حج کی آیت " الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات والارض الی قولہ ان اللہ یفعل ما یشاء " آیت سجدہ ہے۔

والفرقان سورۂ فرقان کی آیت واذا قیل لھم اسجدوا للرحمن قالوا وما الرحمن انسجد لما تامرنا وزادھم نفورا آیت سجدہ ہے۔

والنمل سورۂ نمل کی یہ آیت الا یسجدوا للہ الذی یخرج الخبء فی السموات والارض ویعلم ما تخفون وما تعلنون اللہ لا الہ الا ھو رب العرش العظیم آیت سجدہ ہے۔

والم السجدہ اس سورۃ کی یہ آیت انما یؤمن بآیاتنا الذین اذا ذکروا بھا خروا سجدا وسبحوا بحمد ربھم وھم لا یستکبرون آیت سجدہ ہے۔

ص اس سورۃ کی آیت وخر راکعا واناب آیت سجدہ ہے۔

النجم سورۂ النجم کی آیت فاسجدوا للہ واعبدوا آیت سجدہ ہے۔

وانشقت اس سورۃ کی یہ آیت فما لھم لا یؤمنون واذا قرئ علیھم القرآن لا یسجدون آیت سجدہ ہے۔

واقرأ اس سورۃ کی آیت " واسجد واقترب " آیت سجدہ ہے۔

وان دخل فی ثلث الرکعۃ ان کان ای الدخول قبل سجود امامہ سجدھا معہ والا لا یسجد والسجدۃ الصلوتیۃ لا تقضی خارجھا ای سجدۃ التلاوۃ التی محلھا الصلوۃ لا تقضی خارج الصلوۃ وانما قلت محلھا الصلوۃ ولم اقل التی وجبت فی الصلوۃ

احترازا عما وجبت فی الصلوة ومحل ادائها خارج الصلوة كما اذا سمع المصلي ممن ليس معه او سمع من امامه واقتدى به في ركعة اخرى تلاها ثم شرع في الصلوة واعادها كفته سجدة وان تلاها وسجد ثم شرع فيه واعادها سجد اخرى لان في الصورة الاولى غير الصلوتية صارت تبعا للصلوتية وان لم يتبدل المجلس وفي الصورة الثانية لما سجد قبل الصلوة لا ينوب عما وجبت في الصلوة نقلا ولفظ المختصر ان اعاد في مجلس او في صلوة كفت سجدة اي قرأ في غير الصلوة ثم اعادها في الصلوة ونفهم من تخصيص المعاد بكونه في الصلوة ان التلاوة في غير الصلوة

ترجمہ اور اگر اس رکعت میں شریک ہو جس میں امام نے آیت سجدہ پڑھی ہو اگر امام کے سجدہ سے پہلے شریک ہوا ہو تو اس کے ساتھ سجدہ کر لے ورنہ نہیں اور سجدۂ صلوتیہ کی قضا خارج نماز نہیں کی جائے گی یعنی وہ سجدۂ تلاوت جس کی ادائیگی کا محل وہ موضع نماز ہو اس کی قضا نماز سے باہر نہ ہوگی جیسا کہ ۔ محلها الصلوة ۔ اس کی ادائیگی کا محل نماز ہو گیا ۔ التی وجبت فی الصلوة ۔ جو نماز میں واجب ہو نہیں کہا ۔ ایسے سجدہ سے احتراز مقصود ہے جو نماز میں واجب ہو اور خارج نماز ادا کیا جائے جیسے نماز پڑھنے والا اس شخص سے سنے جو اس کے ساتھ شریک نماز نہ ہو یا اپنے امام سے سنے اور اس کی اقتدا اس کے علاوہ میں کرے جس میں اس نے آیت سجدہ تلاوت کی ہو یعنی وہ خارج نماز اس سے آیت سجدہ سنے اور پھر اس کے سجدۂ تلاوت کر چکنے کے بعد شریک نماز ہو) کوئی شخص خارج نماز آیت سجدہ پڑھے پھر نماز شروع کرے اور اسی میں وہی آیت پڑھے تو اس کے لئے ایک سجدہ کافی ہے اور اگر آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرے پھر نماز شروع کرے اور وہی آیت نماز میں پڑھے تو دوبارہ سجدہ کرے کیونکہ پہلی صورت میں غیر صلوتیہ صلوتیہ کے تابع ہو گیا اگرچہ مجلس متحد ہو اور دوسری صورت میں جب نماز سے پہلے سجدہ کر لیا تو یہ نماز میں واجب ہونے والے سجدہ کیلئے بالکل کافی نہ ہوگا ۔ اور مختصر کے لفظ یہ ہیں کہ اگر آیت سجدہ ایک مجلس میں دہرائی گئی یا نماز میں تو ایک سجدہ کافی ہے یعنی خارج نماز آیت سجدہ تلاوت کی پھر وہی آیت نماز میں پڑھی اور نماز میں لوٹائے جانے کی تخصیص سے سمجھا گیا کہ پہلی صورت (یعنی ایک مجلس میں مکرر آیت سجدہ پڑھنا) نماز کے علاوہ کی ہے

تشریح و توضیح لا تقضی الخ قضاء بمعنی اداء بھی استعمال کرتے ہیں یعنی نماز میں واجب ہونے والا سجدۂ تلاوت خارج نماز ادا نہ کیا جائے قضاء بمعنی اداء استعمال کئے جانے کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے فاذا قضیت الصلوة فانتشروا فی الارض (الآیۃ)

واعاد الخ یعنی اگر وہی آیت دوبارہ نماز میں تلاوت کرے تو دوسرا سجدہ واجب نہ ہوگا لیکن اگر اس

آیت کے علاوہ دوسری آیت سجدہ تلاوت کی تو اس صورت میں دوسرا سجدہ واجب ہو جائے گا۔

كررها في مجلس كفته سجدة ولا فرق بين ما قرأ مرتين ثم سجد وقرأ وسجد ثم قرأها في ذلك المجلس فعلى هذا ان كررها في ركعة واحدة تكفي سجدة واحدة سواء سجد ثم اعادها او اعادها ثم سجد وهكذا ان كررها ركعة اخرى عند ابي يوسف خلافا لمحمد رح وان بدلها اي اية السجدة او المجلس لا اي قرأ آيتين في مجلس واحد او آية واحدة في مجلسين لا تكفي سجدة واحدة واسداء الثوب والانتقال من غصن الى غصن آخر تبدل بل اسداء الثوب ان يغرز الحائك في الارض خشبات ليسوي فيها سدى الثوب في ذهابه ومجيئه فان مجلسه يتبدل بالانتقال من مكان الى مكان وتجب اخرى اي على السامع لو تبدل مجلس السامع دون التالي لا في عكسه اي لا تجب سجدة اخرى على السامع ان تبدل مجلس التالي دون السامع واعلم ان المجلس ههنا يتبدل بالشروع في امر آخر وبالانتقال من مكان الى مكان لا يتعداني حكما اما زوايا البيت والمسجد ففي حكم مكان واحد بدلالة صحة الاقتداء واغصان شجرة واحدة امكنة مختلفة في ظاهر الرواية وفي رواية النوادر مكان واحد والقيام ههنا لا يبدل المجلس بخلاف المخيرة فان القيام ثمه دليل الاعراض

تشریح وتوضیح اگر ایک مجلس میں کئی بار آیت سجدہ پڑھے تو ایک سجدہ کافی ہے۔ اور اس کے حکم میں کوئی فرق نہ پڑے گا کہ دو بار پڑھے پھر سجدہ کرے یا تلاوت کرے اور سجدہ کرے پھر اسی مجلس میں وہ آیت تلاوت کرے پس اس بنا پر اگر ایک رکعت میں مکرر آیت سجدہ پڑھے تو ایک سجدہ کافی ہوگا خواہ سجدہ کرکے پھر آیت سجدہ پڑھے یا آیت سجدہ کا اعادہ کرکے پھر سجدہ کرے اور اگر دوسری رکعت میں بھی آیت سجدہ پڑھے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک سجدہ کافی ہوگا امام محمدؒ کے نزدیک دو سجدے کرے گا اور اگر آیت سجدہ بدل دے یا مجلس بدل دے تو ایک سجدہ کافی نہ ہوگا یعنی دو سجدہ کی آیتیں ایک مجلس میں یا ایک آیت سجدہ دو مجلسوں میں پڑھے تو ایک سجدہ کافی نہ ہوگا اور جیرتی پرتانا تنے اور ایک شاخ سے دوسرے شاخ پر منتقل ہونے سے مجلس بدل جائے گی اور اسدا جو ہے وہ یہ ہے کہ جولاہے زمین میں لکڑیاں آمد و رفت میں تانا برابر کرنے کی خاطر گاڑے تو اس کی مجلس ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے باعث بدل جائے گی اور اگر تلاوت کرنے والے کی مجلس ایک رہے اور سننے والے کی مجلس بدل جائے تو اس پر دوسرا واجب ہوگا لیکن اس کے عکس

کی صورت میں سننے والے پر ایک (ہی) سجدہ لازم ہوگا یعنی تلاوت کرنے والے کی مجلس بدل جائے اور سننے والے کی نہ بدلنے سے سننے والے پر دوسرا سجدہ واجب نہیں ہوگا اور واضح رہے کہ مجلس یہاں دوسرے کام کے شروع کرنے سے بدل جائے گی اور ایک مکان وجگہ سے دوسرے مکان وجگہ میں منتقل ہونے سے جو حکماً متحد نہ ہوں مجلس بدل جائے گی جیسے غور کرنے اور سجدہ کے کونے پس وہ اتحاد صحیح ہونے کی بنا پر ایک جگہ کے حکم میں ہو جاتے ہیں اور ایک درخت کی شاخیں اظہر روایت کے مطابق متعدد مکان ہیں اور نوادر کی روایت کی رو سے ایک مکان ہے اور بیٹھے سے کھڑا ہو جانا تو مجلس نہیں بدلے گی اس کے برعکس وہ عورت جسے طلاق کا اختیار دیا ہو وہ بیٹھے سے اس جگہ سے کھڑی ہوگئی تو مجلس بدل جائے گی کیونکہ اس کا کھڑا ہونا اعراض کی دلیل وعلامت ہے۔

تشریح وتوضیح المجلس الخ مجلس نہ بدلنے کی صورت میں ایک ہی سجدہ واجب ہوگا حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی علیہ السلام کے سامنے تلاوت فرماتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے سامنے تلاوت فرماتے تھے اور صرف ایک مرتبہ سجدہ کرتے تھے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے (ہدایہ) اور بدائع میں اس کی صراحت ہے۔

فلو کررہا الخ ایک رکعت میں اگر متعدد بار ایک آیت سجدہ پڑھی گئی تو بالاتفاق سب کے نزدیک ایک سجدہ کافی ہوگا۔

فی رکعتہ الخ اگر شفع اول کے بعد شفع ثانی میں آیت سجدہ پڑھے تو بالاتفاق دوسرا سجدہ لازم ہوگا منیہ میں اسی طرح ہے۔

وبالقیام الخ یعنی بیٹھ کر آیت سجدہ تلاوت کرکے سجدہ کرے پھر اسی جگہ کھڑا ہو جائے اور جگہ نہ بدلی ہو تو صرف کھڑے ہونے پر تبدل مجلس کا اطلاق نہ ہوگا اور دوسرے سجدہ کا وجوب نہ ہوگا۔

لیکن اگر ایسی عورت جسے طلاق کا اختیار دیا گیا ہو بیٹھی سے کھڑی ہو جائے۔ تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا کیونکہ اس کا قیام اعراض وبے رغبتی کی علامت ہے۔

وکرہ ترک السجدۃ ای ترک آیۃ السجدۃ وقراءۃ باقی السورۃ لانہ یشبہ الاستنکاف لا عکسہ ای لا یکرہ قراءۃ آیۃ السجدۃ وترک باقی السورۃ وندب ضم آیۃ او اٰیتین قبلہا الیہا دفعاً لتوہم التفضیل واستحسن اخفاؤہا عن السامع فلا تجب علی السامع فانہ ربما یکون السامع غیر متوضئ

ترجمہ اور پوری سورۃ پڑھ کر صرف آیت سجدہ چھوڑنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں سجدہ سے انکار

سے مشابہت ہو جاتی ہے بخلاف اس کے عکس کے یعنی صرف آیت سجدہ پڑھنا اور باقی سورت چھوڑ دینا مکروہ نہیں اور مستحب ہے کہ اس سے پہلے ایک یا دو آیتیں ملائے تاکہ فضیلت دینے کا وہم نہ ہو اور آہستہ پڑھنا بھی مستحب ہے تاکہ سننے والے پر سجدہ واجب نہ ہو کیونکہ بسا اوقات سننے والا باوضو نہیں ہوتا۔

تشریح و توضیح ذکر کردہ شان و اخلاق مؤمن سے یہ بات بعید ہے کہ قرآن شریف کے کچھ حصہ کی تلاوت سجدہ سے گریز کی بنا پر چھوڑ دی جائے کیونکہ اس طرح صرف آیت سجدہ کا ترک تحریف کے لیے ایسا ہو کہ تقویت بخشتا ہے اس لئے شریعت نے ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے مکروہ تحریمی کہا گیا لا عکسہ: لیکن صرف آیت سجدہ پڑھ لینے میں سجدہ بڑی اور اطاعت کیشی کے جذبہ کا اظہار ہوتا ہے جو شارع کو محبوب ہے اس نے اس میں کسی طرح کی کراہت نہیں بلکہ یہ درست اور لطافت کی بنا پر مستحسن ہے لتوھم التفضیل: کلام اللہ ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں بعض کی بعض پر فضیلت تو وہ دوسرے لحاظ سے ہے اور یہ امر آخر ہے۔

باب صلوٰة المسافر

هو من قصد سيرا وسطا ثلثة ايام ولياليها وفارق بيوت بلده والمعتبر في الوسط للبر سير الابل والراجل وللبحر اعتدال الريح وللجبل ما يليق به ولم ينقص مدته كالقصر في الصلوة والافطار في الصوم وان كان عاصيا في سفره حتى يدخل بلده حتى يدخل متعلق بقوله تدوم او ينوي اقامة نصف شهر ببلدة او قرية منها اي من الرخص قصر في ضمنه الرباعي فيقصر ان نوى اقل من نصف شهر او نوى مدتها اي مدة الاقامة وهي نصف شهر بموضعين او دخل بلدا عازما خروجه غدا او بعده وطال مكثه وكذا عسكر دخل ارض حرب او حاصروا مصرا فيها او اهل البغي في دارنا في غير مصر وان نووا الاقامة مدتها اي يقصر الجماعة المذكورون وان نووا اقامة نصف شهر لانهم لم يصيروا مقيمين بنية الاقامة لا اهل اخبية نووها اي الاقامة اي لا يقصر اهل اخبية نووا اقامة نصف شهر في اخبيتهم لان نية الاقامة تصح منهم في الصحراء لان الاقامة اصل فلا تبطل بانتقالهم من مرعى الى مرعى هذا هو الصحيح وقيل لا تصح نية الاقامة منهم فان الاقامة لا تتم الا في الامصار والقرى ونقط المقتصر ويتمم [illegible] ارضا وهو حر في الحرب او البغي معلمهم لكن طال مكثه

19
2

بلا نية اي يقصر الرباعي الى ان ينوي الاقامة بصحراء او دارنا والعالي انه خبائي اي من
اهل الخباء وهو الخيمة فانه لا يقصر فان نية الاقامة منهم في صحراء دارنا صحيحة
واما غير اهل الخباء لو نوى الاقامة في صحراء دارنا لا تصح فعلم منه ان من حاصر اهل
البغي في دارنا لا يصح منه نية الاقامة اذا كان في الصحراء وقوله لا بدار الحرب عطف
على قوله بصحراء دارنا فانه جعل نية الاقامة في صحراء دارنا غاية للقصر وحكم الغاية
مخالف لحكم المغيا فيكون حكمه عدم القصر ثم قوله لا بدار الحرب معطوف على هذا
النفي فيكون حكمه القصر اي يقصر ان نوى اقامة نصف شهر بدار الحرب والبغي محاصرا
وقوله كمن طال مكثه بلا نية لما فهم من قوله لا بدار الحرب حكم القصر قال كمن
طال مكثه اي يقصر كمن طال مكثه في بلدة او قرية بلا نية المكث

ترجمہ | جو شخص تین دن اور تین رات کی مسافت کا متوسط رفتار سے ارادہ کرے اور شہر کے
گھروں سے نکل جائے وہ شرعاً مسافر ہے اور خشکی میں متوسط رفتار اونٹ کی اور پیادہ
شخص کی قابل اعتبار ہوگی اور سمندر میں ہوا کا معتدل ہونا موافق ہونا اگر کشتی اس کے ذریعہ معتدل رفتار
سے چلے معتبر ہے اور پہاڑی سفر میں جو کچھ اس کے مناسب ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور مسافر
کو دوران سفر مستقل رخصت اور رعایت دی جائے گی مثلاً نماز میں قصر اور روزہ کا افطار کرنا اور گو
اس کا سفر یا ارادہ گناہ ہو حتی کہ وہ اپنے شہر میں داخل نہ ہو جائے حتی یدخل مصنف کے قول
قصر دم سے متعلق ہے یا کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن رہنے کی نیت نہ کرے اس کے واسطے
رخصت و اجازت ہے (یعنی وہ مسافر رہے گا کہ چار رکعات فرض نماز میں قصر کرے اور دو پڑھے) یعنی
وہ قصر کرے گا اگر نصف ماہ سے کم قیام کی نیت کی ہو یا پندرہ دن وہاں رہنے کی نیت کی ہو یا کسی شہر
میں داخل ہو اور کل یا پرسوں وہاں سے چلے جانے کا ارادہ ہو اور اسی طرح قیام طویل ہو جائے اور اسی
طرح اسلامی لشکر دار الحرب میں داخل ہو یا دار الحرب کے قلعہ کا محاصرہ کرے یا باغیوں کو دار الاسلام میں
پڑاؤ لیا شہر گھیرے اگرچہ وہ سب اقامت کی مدت کی نیت کریں تب بھی مقیم نہ ہوں گے یعنی جو ذکر ہوا
نصف ماہ کی نیت کرنے کے باوجود قصر کرے گی کیونکہ وہ نیت اقامت کی وجہ سے مقیم شمار نہ ہوں گے لیکن
خیموں میں رہنے والے زیادہ صحیح قول کے مطابق پندرہ دن اقامت کی نیت سے مقیم ہو جائیں گے یعنی خیموں میں اور
صحرا میں رہنے والے اپنے خیموں اور اقامت کی جگہ میں پندرہ دن اقامت کی نیت کرلیں تو قصر نہیں کریں گے
کیونکہ ان کی نیت اقامت صحرا میں صحیح ہے اس لئے کہ اقامت اصل ہے پس صحیح قول کی رو سے ان
کے ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ میں منتقل ہونے کے باعث اقامت باطل نہ ہوگی اور بعض کے نزدیک

ان کی نیت اقامت صحیح نہ ہوگی کیونکہ اقامت شہروں یا دیہاتوں میں صحیح ہوتی ہے اور خیمہ کے لفظ سے پتہ چلا کہ اس سے مراد دارالاسلام کے جنگل میں خیموں میں رہنے والے ہیں دارالحرب کے جنگل میں مقیم یا دارالبغاوت کا محاصرہ کرنے والے نہیں جن کا بلا نیت قیام طویل ہوگیا ہو تو بھی چار رکعت فرض میں قصر اس صورت میں ہوگا کہ دارالاسلام کے صحرا میں اقامت کی نیت ہو درانحالیکہ خیموں میں رہنے والے لوگ ہوں پس وہ قصر نہیں کریں گے کیونکہ دارالاسلام میں ان کی نیت اقامت صحیح ہے اور ان خیموں میں اقامت گزینوں کے علاوہ اگر دارالاسلام کے صحرا میں اقامت کی نیت کرے تو صحیح نہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ دارالاسلام میں باغیوں کا محاصرہ کرنے والے کی نیت اقامت صحرا میں درست نہیں ہوگی اور مصنف رح کا قول "ولا بدار الحرب" کا عطف مصنف کے قول "بصحراء دارنا" پر ہے۔ اور مصنف نے دارالاسلام کے صحرا میں نیت اقامت کو قصر کی غایت قرار دیا ہے اور غایت کا حکم مغیا کے حکم کے مخالف ہے یعنی عدم قصر کا حکم ہوگا پھر مصنف کا قول "ولا بدار الحرب محاصرا اہل بغی" کی نفی ہے یعنی اگر دارالحرب میں پندرہ دن باغیوں کے محاصرہ کی صورت میں پندرہ روز اقامت کی نیت کرے تو قصر کرے گا اور مصنف کا قول "ولکن طال مکثہ بلا نیۃ" جب کہ آپ کے قول "لا بدار الحرب" سے حکم قصر سمجھا گیا تو کہا "ولکن طال مکثہ" یعنی وہ شخص قصر کرے گا جس کا قیام کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ روز قیام کی نیت کے بغیر طویل ہو جائے۔

تشریح و توضیح صلوٰۃ المسافر: اس باب میں مسافر کے احکام کا ذکر ہے السفر زبر کے ساتھ اس کے معنی ہیں۔ الکشف۔ سفر میں کیونکہ مسافر کے اخلاق کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور لوگوں پر اس کے اخلاق کا حسن و قبح کھلتا ہے اسی طرح مسافر پر لوگوں کے مزاج و عادات واضح ہوتے ہیں اور زمین کے عجائبات عیاں ہوتے ہیں اس لئے سفر کو سفر کہا جاتا ہے۔

قصد سفر میں دو امر معتبر ہیں (۱) ارادہ و نیت سفر (۲) شہر سے باہر نکلنا لہٰذا اگر کوئی بلا نیت سفر شہر سے باہر نکل جائے یا مسافت سفر سے کم کا قصد کرے تو وہ شرعی سفر نہ ہوگا "بنایہ" میں اسی طرح ہے۔

نصف شهر یعنی اگر مسافر نے کہیں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرلی تو وہ نماز پوری پڑھے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تو بحالت سفر کسی شہر میں آئے اور وہاں پندرہ روز قیام کی نیت کرے تو وہاں اپنی نماز پوری پڑھ، طحاوی نے شرح معانی الآثار میں یہ ارشاد نقل کیا ہے اسی طرح کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

فرضه الرباعی یعنی چار رکعات والے فرض مثلاً مغرب اور فجر سے احتراز مقصود ہے کہ ان میں قصر نہیں کرے گا۔

فلو اتم مسافر وقعد فى الاولى تم فرضه واساء ولغا غير السلام وشبهه عدم جواز صحة

الله تعالى وما زاد نفل وان لم يقعد بطل فرضه لترك القعدة التي هي فرض عليه مسافر امّه مقيم يتم في الوقت وبعده لا يؤمّه اذ في الوقت يصير فرضه اربعا بالتبعية وبعد الوقت لا يتغير فرضه اصلا وفي عكسه اي في امامة المسافر المقيم قصر المسافر واتمّ المقيم ويقول ندبا اتموا صلوتكم فاني مسافر ويبطل الوطن الاصلي مثله لا السفر ووطن الاقامة مثله والسفر والاصلي الوطن الاصلي هو المسكن ووطن الاقامة هو موضع نوى ان يستقر فيه خمسة عشر يوما او اكثر من غير ان يتخذه مسكنا فاذا كان للانسان وطن اصلي ثم انتقل موضعا آخر وطنا اصليا سواء كان بينهما مدة السفر او لم يكن يبطل الوطن الاصلي الاول حتى لو دخله لا يصير مقيما الا بنية الاقامة لكن لا يبطل الوطن الاصلي بالسفر حتى لو قدم المسافر الوطن الاصلي يصير مقيما بمجرد الدخول واما وطن الاقامة فانه يبطل بوطن الاقامة فانه اذا كان له وطن الاقامة ثم اتخذ موضعا آخر وطن الاقامة وليس بينهما مدة سفر لم يبق الموضع الاول وطن الاقامة حتى لو دخله لا يصير مقيما الا بالنية وكذا اذا سافر عنه وكذا ان انتقل الى وطنه الاصلي والسفر وضده لا يغيّران الفائتة اي اذا قضى فائتة السفر في الحضر يقصر وان قضى فائتة الحضر في السفر يتم

ترجمہ پس اگر مسافر نے چاروں رکعات پوری پڑھیں اور پہلے قعدہ میں بیٹھا تو اس کا فرض پورا ہو گیا اور مگر مکروہ ہوا تاخیر سلام اور صدقۂ خداوندی قبول نہ کرنے کے شبہ کے باعث اور اس کی زیادتی والی دو رکعات نفل ہو جائیں گی اور اگر پہلا قعدہ نہیں کیا تو اس کا فرض قعدہ ترک کرنے کی وجہ سے جو مسافر پر فرض ہے اس کا فرض باطل ہو گیا مقیم نے مسافر کی وقت میں امامت کی تو مسافر چار رکعت پوری کرے گا اور وقت کے بعد مقیم مسافر کا امام نہ بنے کیونکہ اندرون وقت امام کی متابعت کی وجہ سے مسافر کی بھی چار رکعتیں فرض ہو جاتی ہیں اور وقت کے بعد مسافر کے فرض میں بالکل تغیر نہیں ہوتا اور اس کے عکس یعنی امام مسافر اور مقتدی مقیم ہو مسافر قصر کرے اور مقیم اپنی نماز پوری کرے اور مستحب مسافر کا یہ کہہ دینا ہے کہ "میں مسافر ہوں تم لوگ اپنی نماز پوری کرلو" وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے وطن اصلی سفر سے باطل نہیں ہوتا اور وطن اقامت وطن اقامت اور سفر اور وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے وطن اصلی وہ ہے جو اس کا اصل مسکن ہو اور وطن اقامت وہ کہلاتا ہے جہاں مسکن بنائے بغیر اور مستقل رہائش اختیار کرنے کے بغیر پندرہ روز سے زیادہ قیام کی نیت کرے پس اگر کسی شخص کا وطن اصلی ہو پھر وہ دوسری جگہ کو وطن اصلی بنالے خواہ ان دونوں کے درمیان مدت سفر ہو یا مدت سفر کی مسافت نہ ہو تو پہلا وطن اصلی باطل ہو جائے گا حتیٰ کہ اگر پھر وطن اصلی میں داخل ہو

تو وہ محض نیت کی صورت میں مقیم ہوگا لیکن وطن اصل سفر کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا حتی کہ اگر مسافر وطن اصل میں آئے تو محض آنے سے مقیم ہو جائے گا چاہے اقامت کی نیت نہ کرے۔ اور وطن اقامت وطن اقامت سے باطل ہو جائے گا پس اگر اس کا وطن اقامت ہو پھر وہ دوسری جگہ وطن اقامت بنالے درانحالیکہ ان دونوں کے درمیان مدت سفر نہ ہو تب بھی پہلی جگہ وطن اقامت نہیں رہے گی حتی کہ اگر وہ وہاں جائے گا تو صرف نیت اقامت کی صورت میں مقیم ہوگا اسی طرح اگر وہاں سے سفر کرے گا تو وطن اقامت باطل ہو جائے گا جیسے کہ اگر وہ وطن اصلی کی طرف منتقل ہو جائے یا وطن اقامت سے سفر کرے یا وہاں مقیم ہو تو وطن اقامت باطل ہو جائے گا رہا وقتیکہ وطن اقامت میں داخل ہو پندرہ روز قیام کی نیت نہ کرے قصر کرے گا۔

تشریح و توضیح

فلو اتمہ الخ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ دوران سفر نماز میں قصر رخصت ہے یا عزیمت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسافر پر چار رکعات فرض ہیں اور قصر رخصت ہے۔ اور احنافؒ اس طرف گئے ہیں کہ مسافر کے حق میں دو رکعتیں فرض ہیں اور قصر عزیمت ہے پس امام شافعیؒ کے نزدیک اتمام اور قصر دونوں جائز ہیں اور افضل اتمام ہے۔ اور احناف کے نزدیک قصر کرنا مسافر پر ضروری ہے لہٰذا اگر وہ چار رکعت نماز پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔

اس اختلاف کا فائدہ قعدہ کے اندر اخیر میں دو رکعات پر ظاہر ہوتا ہے حتی کہ اگر کوئی شخص چار رکعات والی نماز میں تیسری رکعت پر کھڑا ہوگیا تو احنافؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی جو لوگ قصر کو رخصت قرار دیتے ہیں انھوں نے اس ارشاد ربانی سے استدلال کیا ہے "واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰة" انھوں نے قصر کی تشریح "لا جناح" سے کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قصر مباح و جائز ہے واجب نہیں اور ہمارے احنافؒ کا مستدل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نماز اولاً دو رکعات فرض کی گئی پس سفر میں وہی دو رکعات برقرار رہیں اور حضر (مقیم) ہونے کی صورت میں ان پر اضافہ ہوگیا (چار رہ گئیں) یہ روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبیؐ کی زبانی حضر میں چار رکعات اور سفر میں دو رکعات فرض کیں۔ نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سفر کی دو رکعات ہیں اور نماز عید اضحی کی دو رکعات ہیں اور نماز فطر کی دو رکعتیں ہیں اور نماز جمعہ کی دو رکعتیں ہیں مکمل بلا قصر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اور جواب اس آیت واذا ضربتم الخ کا یہ ہے کہ اس فعل کا گناہ نہ ہونا اس آیت سے لازم نہیں آتا دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں فرمایا ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما حالانکہ صفا و مروہ کا طواف بالاتفاق واجب ہے یا رکن۔

وشبعه الخ یہ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کی ہے حضرت یعلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا ارشاد ربانی ہے فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا۔ اور اب کفر کا غلبہ اور فتنہ کا اندیشہ جاتا رہا لوگ مامون ہو گئے لہٰذا یہ حکم قصر اب کیوں باقی رہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے بھی اس بات سے تعجب ہوا تھا جس سے تم کو تعجب ہوا چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آنحضور نے ارشاد فرمایا یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے اس صدقہ کو قبول کرو۔

یبطل الوطن الاصلی الخ اس کی دلیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر اور حجۃ الوداع کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ پہنچے تو مکہ مکرمہ جائے پیدائش اور مسکن رہ چکنے کے باوجود وہاں انہوں نے قصر کیا اور یہ وطن اصلی کا بطلان اس وجہ سے تھا کہ ہجرت کے بعد مدینہ کو وطن بنایا۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْجُمُعَۃِ

شرط لوجوبها لا لادائها الاقامة بمصر والصحة والحرية والذكورة والعقل والبلوغ وسلامة العينين والرجلين فتقع فرضا ان صلاها فاقدها وان لم تجب عليه قوله فتقع فرضا تفريع لقوله لا لادائها وشرط لادائها المصر او فناؤه واختلفوا في تفسير المصر فعند البعض هو موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وعند البعض هو موضع اذا اجتمع اهله في اكبر مساجده لم يسعهم فاختار المصنف رح هذا القول فقال وما لا يسع اكبر مساجده اهله مصر وانما اختار هذا القول دون التفسير الاول لظهور التواني في احكام الشرع لا سيما في اقامة الحدود في الامصار وما اتصل به معدا لمصالحه فناؤه ومصالح المصر كركض الخيل وجمع العساكر والخروج للرمي ودفن الموتى وصلوة الجنازة ونحو ذلك وجازت بمنى في الموسم للخليفة او لامير الحجاز لا لامير الموسم ولا بعرفات والسلطان او نائبه ووقت الظهر والخطبة نحو تسبيحة قبلها في وقتها هذا عند ابي حنيفة واما عندهما فلا بد من ذكر طويل يسمى خطبة وعند الشافعي رح لا بد من خطبتين يشتمل كل واحد منهما على التحميد والصلوة والوصية بالتقوى والاولى على القراءة والثانية على الدعاء للمؤمنين

ترجمہ نماز جمعہ فرض ہونے کے لیے چند امور شرط ہیں ان کی ادائیگی کے لیے شرط نہیں (وہ امور یہ

ہے شہر میں مقیم ہونا تندرست ہونا آزاد ہونا مرد ہونا عاقل ہونا بالغ ہونا آنکھ کا سالم ہونا پاؤں کا سالم ہونا پس وہ شخص جس پر جمعہ فرض نہیں اگر حاضر ہوکر پڑھے تو درست ہے اور اس کا ظہر کا فرض ادا ہوجائے گا مصنفؒ کا قول تقع فرضا اس کے قول لا تؤدّوا ابتداء پر متفرع ہے ادائیگی کے لئے مذکورہ بالا امور شرط نہیں اور جمعہ کی ادائیگی کے لئے شہر یا فنائے شہر ہونا شرط ہے اور تعریف شہر میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک شہر اس جگہ کا نام ہے جہاں امیر ہو اور قاضی ہو کہ احکام شریعت کا نفاذ کرتا اور حدود قائم کرتا ہو اور بعض کے نزدیک شہر وہ جگہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے اگر وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں سما نہ سکیں مصنفؒ (صاحب وقایہ) نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور وہ جگہ جہاں کے باشندے اس کی سب سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں وہ شہر ہے۔ مصنفؒ نے شہر کی پہلی تفسیر کے بجائے یہ قول لوگوں کی احکام شریعت میں غفلت خاص طور پر شہروں میں حدود قائم کرنے میں غفلت و سستی کی بنا پر اختیار کیا۔ اور فنائے شہر وہ ہے جو شہر سے متصل شہر کے فائدہ کی خاطر مقرر و متعین ہو مثلاً گھوڑ دوڑ کے واسطے اور لشکر اکٹھا کرنے اور تیار رہنے اور تیر اندازی کے لئے اور مردے دفن کرنے اور نماز جنازہ وغیرہ کے لئے ہو۔ اور موسم حج میں خلیفہ یا امیر حجاز کے واسطے منیٰ میں جمعہ پڑھنا درست ہے۔ (اقامت جمعہ) امیر موسم (امیر حج) کے لئے درست نہیں (بلکہ ظہر ہی پڑھے گا) اور عرفات میں جمعہ درست نہیں اور قیام جمعہ کے لئے بادشاہ یا اس کا نائب و قائم مقام ہونا شرط ہے اور ظہر کا وقت ہونا شرط ہے اور نماز سے پہلے (کم از کم) ایک تسبیح کے بقدر خطبہ ظہر کے وقت میں شرط ہے۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ذکر طویل جسے خطبہ کہا جائے پڑھنا ضروری ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک دو خطبے ضروری ہیں ان میں سے ہر خطبہ حمد اور درود و دعا اور وصیت تقویٰ پر مشتمل ہو۔ اور پہلا خطبہ قراءت (قراءت قرآن) کے طور پر اور دوسرا مومنین کے لئے دعا کے طور پر ہو۔

تشریح و توضیح

لوجوبھا الخ یہاں وجوب سے مراد وجوب اصطلاحی نہیں بلکہ فرض ہے کیونکہ نماز جمعہ کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہے دلیل ظنی سے نہیں اور اسی پر اجماع ہے

الاقامۃ بمصر الخ یہ اس حدیث کی بنیاد پر ہے کہ جمعہ واجب ہے مگر بچہ یا غلام یا مسافر پر واجب نہیں (یہ روایت بیہقی میں ہے) اور اسی پر ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اجماع ہے پس اگر مسافر نماز جمعہ ادا کرے تو جائز ہے مگر اس پر واجب نہیں۔

والصحۃ تندرست ہونا بھی شرط ہے لہٰذا ایسے مریض پر واجب نہیں جو جامع مسجد میں جانے پر قادر نہ ہو یا قادر تو ہو مگر مرض میں اضافہ کا اندیشہ ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جمعہ ہر مسلمان پر واجب حق ہے مگر چار اس سے مستثنیٰ ہیں غلام یا عورت یا بچہ یا مریض (یہ روایت ابوداؤد میں ہے)

اور خطبہ میں بھی اسی طرح ہے۔

والعقل والبلوغ: پاگل اور بچہ پر جمعہ واجب نہیں۔

وسلامۃ العینین: اندھے پر جمعہ واجب نہیں البتہ یک چشم پر واجب ہے۔

والخطبۃ: یعنی صحت جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے جمہور امت کا اس پر اجماع ہے نبی کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بغیر خطبہ کے نماز جمعہ نہیں پڑھی۔

نحو تسبیحۃ: یہ اس مقدار کا بیان ہے جو خطبہ میں شرط ہے حاصل یہ ہے کہ بنیت خطبہ ایک تسبیح یا تحمید یا تہلیل کی مقدار مقدار واجب کی ادائیگی کے لئے کافی ہو جائے گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ مطلق ہے مگر صرف اتنی مقدار پر اختصار کراہت سے خالی نہیں درمختار اور جامع الرموز میں اس کی صراحت ہے کیونکہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے اور دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر کے لئے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کی ثنا کرتے وعظ و تذکیر کرتے مناسب احکام بیان کرتے اور آیات قرآن تلاوت فرماتے تھے صحاح ستہ وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔

فلا بد الخ: امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک خطبہ کے لئے ذکر طویل شرط ہے کیونکہ صرف تسبیح و تحمید پر عرفاً خطبہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔

والجماعة وهم ثلثة رجال سوى الامام عندهما وعند ابي يوسف رح اثنان سوى الامام فان نفروا قبل سجوده بدأ بالظهر وان بقي ثلثة رجال او نفروا بعد سجوده اتمها والاذن العام ومن صلح اماما في غيرها صلح فيها اي ان ام المسافر والمريض او العبد في الجمعة صحت خلافا لزفر رح لانها ليست بواجبة عليهم قلنا اذا حضروا وادوا صلوة الجمعة صارت فرضا عليهم وكره ظهر معذور ومسجون بجماعة في مصر يومها لان الجامع جامعة للجماعات فلا يجوز الا جماعة واحدة ولهذا لا تجوز الجمعة عند ابي يوسف رح بموضعين الا اذا كان مصر له جانبان فيصير في حكم مصرين كبغداد فيجوز حينئذ في موضعين دون الثلثة وعند محمد رح لا باس بان يصلي في موضعين او ثلثة سواء كان للمصر جانبان او لم يكن وبه يفتى ولما ذكر حكم المعذور علم منه كراهة ظهر غير المعذور بالطريق الاولى وظهر من لا عذر له فيه قبلها قوله فيه اي في المصر ثم سعيه اليها والامام فيها يبطله ادركها او لا هذا عند ابي حنيفة واما عندهما فلا يبطل ظهره الا ان يقتدي

وعند زکها فی التشهد او سجود السهو یتمها واذا اذن الاول ترکوا البیع وسعوا
واذا خرج الامام حرم الصلوة والکلام حتی یتم خطبته واذا جلس علی المنبر اذن
ثانیا بین یدیه واستقبلوه مستمعین ویخطب خطبتین بینهما قعدة قائما طاهرا
واذا تمت اقیمت وصلی الامام بالناس رکعتین

ترجمہ اور نماز جمعہ کی شرط یہ بھی ہے کہ باجماعت ہو اور وہ یہ کہ امام کے علاوہ کم از کم تین مرد ہوں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ کم از کم دو مرد ہوں پس اگر لوگ امام کے سجدہ کرنے سے قبل بھاگ جائیں تو وہ جمعہ ترک کرکے ظہر شروع کردے اور اگر تین مرد مقتدی مرد باقی رہ جائیں یا امام کے سجدہ کرنے کے بعد بھاگیں تو اس شکل میں امام نماز جمعہ پوری کرے اور اذن عام (یعنی لوگوں کو جمعہ میں جانے کی اجازت) شرط ہے اور جو شخص جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں امامت کی صلاحیت رکھتا ہو وہ جمعہ میں بھی امام بننے کے لائق ہو یعنی اگر مسافر یا مریض یا غلام جمعہ میں امامت کرے تو درست ہے امام زفرؒ کے نزدیک درست نہیں کیونکہ ان مذکورہ لوگوں پر جمعہ واجب نہیں لہذا ان کی امامت بھی صحیح نہ ہوگی ہم کہتے ہیں کہ جب انھوں نے حاضر ہو کر نماز جمعہ ادا کی تو وہ ان پر فرض ہو گئی۔ اور معذور یا قیدی کے لئے جمعہ کے دن شہر میں باجماعت ظہر ادا کرنا مکروہ ہے کیونکہ جمعہ جماعتوں کا جمع کرنے والا اور سب کو یکجا اکٹھا کرنے والا ہے پس ایک ہی جماعت جائز ہوگی اسی لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جمعہ دو جگہ جائز نہیں لیکن اگر ایسا شہر ہو کہ اس کی دو جانبیں ہوں (مثلاً درمیان میں نہر حائل ہو) تو یہ دو شہروں کے حکم میں ہوگا مثلاً شہر بغداد اور اس صورت میں تین نہیں بلکہ صرف دو جگہ جائز ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شہر میں دو یا تین جگہ جمعہ پڑھا جائے خواہ شہر کی دو جانبیں ہوں یا نہ ہوں اور اسی پر فتوی ہے اور جب معذور کا حکم بیان ہوا تو بدرجہ اولیٰ غیر معذور سے جمعہ کے دن ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کی کراہت معلوم ہوئی اور جو شخص اگر جمعہ سے پہلے نماز ظہر پڑھ چکا پھر جمعہ کے لئے دوڑے درانحالیکہ امام نماز جمعہ میں مشغول ہو تو اسے خواہ نماز جمعہ ملے یا نہ ملے اس کی نماز ظہر باطل ہو جائے گی امام ابو حنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کی ظہر باطل نہیں ہوگی البتہ اگر وہ امام کی اقتدا کرے اور جمعہ پالے تو ظہر باطل ہو جائے گی اور جو شخص امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پائے تو وہ نماز جمعہ پوری کرے گا۔ اور جب جمعہ کی پہلی اذان ہو تو لوگ خرید و فروخت ترک کردیں اور جمعہ کے لئے چلیں اور امام کے خطبہ کے لئے نکلنے پر نماز اور گفتگو حرام ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ خطبہ پورا کرلے اور جب امام منبر پر بیٹھے تو دوسری مرتبہ اس کے سامنے اذان دی جائے اور لوگ امام کی جانب منہ کرکے خطبہ سنیں۔ اور امام باطہارت کھڑا ہو کر دو خطبے

پڑھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک مرتبہ بیٹھے اور جب خطبہ پورا ہو جائے تب اقامت کہی جائے اور امام لوگوں کے ساتھ دو رکعات پڑھے۔

تشریح و توضیح

والجماعۃ الخ نماز جمعہ کے لئے جماعت کی شرط ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ قنیہ میں اس کی صراحت ہے۔ اصل اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "فاسعوا الیٰ ذکر اللہ"۔ اسی سے امام محمدؒ استدلال کرتے ہیں کہ جماعت میں مع امام کے چار آدمی ہونے چاہئیں کیونکہ آیت میں سعی کا مرجع صیغہ کے ساتھ ہے اور اس کی اقل مقدار تین ہے۔

رجال الخ رجال (مردوں) کی قید لگا کر عورتوں اور بچوں سے احتراز مقصود ہے اور اطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین کا ان لوگوں میں سے ہونا ضروری نہیں جو بوقت خطبہ حاضر ہوں بلکہ اگر ان کے علاوہ ہوں تب بھی نماز جمعہ صحیح ہو جائے گی۔

والاذن العام یعنی جہاں جمعہ ادا کیا جا رہا ہو وہاں بلا تخصیص ہر ایک کو نماز پڑھنے کے لئے جانے کی اجازت ہو۔ پس اگر قلعہ کا امیر قلعہ کا دروازہ بند کر کے اپنے رفقاء کے ساتھ نماز جمعہ پڑھے تو جمعہ منعقد نہ ہوگا۔ کافی میں اسی طرح ہے۔

لا باس شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ ایک شہر میں دو یا دو سے زیادہ جگہ جمعہ جائز ہے کیونکہ "لا جمعۃ الا فی مصر" مطلق حکم ہے۔ اس میں ایک جگہ کی قید نہیں بلکہ حسب ضرورت تعدد کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ عہد رسالتؐ اور عہد صحابہؓ میں تعدد جمعہ کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا بلکہ عہد صحابہؓ میں تعدد کا جواز ثابت ہوتا ہے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نماز عید کا تعدد ثابت ہے جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں صراحت کی ہے اور جمعہ کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ومن ادرکھا الخ یعنی وہ شخص جو امام کے ساتھ نماز جمعہ کا کچھ حصہ پا سکے مثلاً تشہد یا سجدہ سہو میں شریک ہو جائے تو جتنی نماز امام کی باقی ہو وہ اس کے ساتھ پڑھے اور باقی پوری کرے اور ظہر نہ پڑھے کیونکہ حدیث شریف میں مطلق ہے کہ جتنی نماز تم امام کے ساتھ پاؤ پڑھو اور جو فوت ہو جائے اس کو پورا کرو (یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے)

واذا اذن الاول حاصل یہ ہے کہ جمعہ کے لئے چلنا اور خرید و فروخت وغیرہ ترک کرنا اذان اول کے ساتھ ضروری ہے۔ ارشاد ربانی ہے "اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع" (الآیۃ)

قعدۃ، دو خطبوں کے درمیان جلسہ قعدہ مثلاً تین آیات کی مقدار اور بعض ان مقدار کہ ہر عضو اپنی جگہ ٹھہر جائے اور قرار پکڑ لے۔

قائماً: یعنی خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے لہٰذا اگر بلا عذر بیٹھ کر خطبہ دے تو مکروہ ہے۔

طاہراً: حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں سے پاک ہو۔

رکعتین: جمعہ کی دونوں رکعات جہراً پڑھائے اور بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں "اذا جاءک المنافقون" یا "هل اتاك حديث الغاشية" پڑھے یا پہلی رکعت میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور دوسری رکعت میں "هل اتاك حديث الغاشية" کی تلاوت کرے صحابہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح نقل کیا ہے، لیکن اگر کوئی ان سورتوں کے علاوہ تلاوت کرے تب بھی مضائقہ نہیں۔

بَابُ الْعِیْدَیْنِ

ندب يوم الفطران يأكل قبل صلوته ويستاك ويغتسل ويتطيب ويلبس احسن ثيابه ويؤدي فطرته ويخرج الى المصلي غير مكبر جهراً في طريقه نفي التكبير بالجهر حتى لو كبّر غير جهر كان حسناً ولا يتنفل قبل صلوة العيد وشرطها لها شروط الجمعة وجوباً واداءً الا الخطبة افادت هذه العبارة ان صلوة العيد واجبة وهو رواية عن ابي حنيفة رح وهو الاصح وقد قيل انها سنة عند علمائنا فان محمد رح قال عيدان اجتمعا في يوم واحد فالاول سنة والثاني فريضة فاجيب بان محمداً انما سماها سنة لان وجوبها ثبت بالسنة

ترجمہ: مستحب ہے کہ عید الفطر کے دن نماز سے پہلے (کچھ) کھا لے۔ اور مسواک کرے اور غسل کرے اور خوشبو لگائے اور اپنے کپڑوں میں جو سب سے اچھے ہوں وہ پہنے اور صدقۂ فطر ادا کرے اور عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر آہستہ آہستہ کہتا ہوا عیدگاہ کی طرف جائے۔ جہری تکبیر کی نفی کی حتیٰ کہ اگر آہستہ (غیر جہری) تکبیر کہے تو اچھا ہے، اور نماز عید سے قبل نفل نہ پڑھے، جو شرطیں وجوب اور ادا کی جمعہ کی ہیں وہی عید کی (بھی) ہیں۔ البتہ خطبہ عیدین میں سنت ہے۔ اس عبارت سے مستفاد ہوا کہ نماز عید واجب ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے بعض کہتے ہیں کہ نماز عید ہمارے علماء کے نزدیک سنت ہے۔ کیونکہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب دو عیدیں ایک دن میں جمع ہوں گی تو پہلی (نماز عید) سنت ہے اور دوسری (یعنی نماز جمعہ) فرض ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام محمدؒ سنت سے اس کا وجوب ثابت ہونے کی بنا پر اسے سنت قرار دیتے ہیں۔

تشریح و توضیح

اکل قبل صلوٰتہ. نماز عید سے پہلے تین یا پانچ یا سات یا کم و بیش کھجوریں کھانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ "بخاری شریف" میں اس کی صراحت ہے اگر کھجوریں موجود نہ ہوں تو اور کوئی میٹھی چیز کھا لینا مستحب ہے۔

یستاک. ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے تو نماز عیدین کے لئے یہ بطریق اولیٰ مسنون ہوگی

ویغتسل. رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ عیدین کے موقعہ پر غسل فرماتے تھے ابن ماجہ میں یہ روایت موجود ہے۔

ویؤدی فطرتہ. مستحب یہ ہے کہ صدقۂ فطر نماز عید سے قبل دے دیا جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ ہم صدقۂ فطر لوگوں کے نماز کیلئے نکلنے سے قبل ادا کر دیں۔ بخاری اور مسلم میں یہ روایت موجود ہے۔

ویخرج الی المصلیٰ. عیدگاہ یا میدان میں نکل کر نماز عید پڑھنا سنت مؤکدہ ہے خواہ شہر کی مساجد میں گنجائش ہی کیوں نہ ہو لہٰذا اگر بلا عذر شہر کی مسجدوں میں نماز پڑھی گئی تو نماز درست ہو جائے گی لیکن ترک سنت کا گناہ ہوگا۔ اصل اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں نماز عیدین کیلئے نکلتے تھے اور مسجد نبوی کے شرف کے باوجود اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے البتہ ایک مرتبہ بارش کے عذر کی بنا پر مسجد میں نماز عید پڑھی۔ ابن قیم نے "زاد المعاد" اور قسطلانی نے "مواہب لدنیہ" میں اس کی تفصیل کی ہے۔

کان حسنًا الخ دارقطنی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں گھر سے تشریف لاتے تو تکبیر عیدگاہ تک پڑھتے تھے۔

ولا یتنفل. اصل اس باب میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید پڑھتے تھے اور نہ اس کے قبل کوئی نفل نماز پڑھتے تھے اور نہ اس کے بعد "صحاح ستہ" میں یہ روایت موجود ہے۔

عیدان الخ مسئلہ یہ ہے کہ جب عید الفطر یا عید الاضحیٰ جمعہ کے دن ہو تو اول یعنی نماز عید الفطر یا عید الاضحیٰ سنت اور ثانی یعنی جمعہ فرض ہے۔

ووقتها من ارتفاع ذكاء الى زوالها ويصلي بهم الامام ركعتين يكبر للاحرام ويثني ثم يكبر ثلثا ويقرأ الفاتحة وسورة ثم يركع مكبرا وفي الثانية يبدأ بالقراءة ثم يكبر ثلثا واخرى للركوع ويرفع يديه في الزوائد ويخطب بعدها خطبتين يعلم فيهما احكام الفطرة ومن فاتته مع الامام لم يقض اي ان صلى الامام ولم يصل رجل معه لا يقضي ويصلي غدا بعذر لا بعده والاضحى كالفطر احكاما لكن هنا ندب الامساك الى ان يصلي ولا يكره الاكل قبلها وهو المختار ويكبر جهرا في الطريق ويعلم في الخطبة تكبيرا

التشريق والاضحية ويصلي بعذر زاد بغيره ايامها لا بعدها والاجتماع يوم عرفة
تشبها بالواقفين ليس بشيء اي ليس بشيء معتبر يتعلق به الثواب فان الوقوف في
مكان مخصوص وهو عرفات قد عرف قربة اي ما في غيرها فلا وتجب تكبيرات التشريق
وهو قوله الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد من فجر عرفة عقيب كل فرض
ادي بجماعة مستحبة احترازا عن جماعة النساء وحده على المقيم بالمصر والمقتدية
برجل ومسافر مقتد بمقيم الى عصر العيد وقالا الى عصر اخر ايام التشريق وبه يعمل
ولا يدعه المؤتم لو ترك امامه

ترجمہ اور عید کی نماز کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے پر شروع ہو کر زوال تک رہتا ہے۔
اور امام لوگوں کے ساتھ دو رکعات پڑھے گا (امامت کرے گا) اس طرح کہ اول تکبیر تحریمہ
کہے گا اور ثنا پڑھے گا پھر تین تکبیریں کہہ کر سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھے گا پھر تکبیر کہتا ہوا رکوع کریگا
اور دوسری رکعت میں اول قراءت کرے گا۔ پھر تین تکبیریں کہہ کر رکوع کے لئے تکبیر کہے گا اور زائد
تکبیروں میں دونوں ہاتھ اٹھائے گا۔ اور نماز کے بعد دو خطبے پڑھے گا جن میں صدقۂ فطر کے احکام
بتائے گا اور جو امام کے ساتھ نماز عید چھوٹ جائے وہ قضا نہ کرے یعنی اگر امام نے نماز پڑھ لی اور اس
کے ساتھ کسی نے نماز نہیں پڑھی تو قضا نہیں کرے گا۔ اور نماز عذر کی وجہ سے اگلے دن پڑھی جا سکتی
(اگر پہلے دن نہ پڑھی گئی ہو) اس کے بعد نہیں پڑھیں گے (اگر اگلے دن بھی نہ پڑھی جا سکی ہو) اور عید الاضحی
کے احکام عید الفطر کی طرح ہیں لیکن عید الاضحی میں نماز سے قبل نہ کھانا مستحب ہے اور روایت اول کے مطابق
نماز سے قبل کھانا مکروہ نہیں ہے۔ اور عید الاضحی میں راستہ میں جہراً تکبیر کہے گا اور خطیب خطبہ میں تکبیرات تشریق
اور قربانی کے احکام بتائے گا۔ اور عذر کی وجہ سے اس عید کے دن کے علاوہ دو دن بعد تک نماز درست
ہے اس کے بعد درست نہیں۔ اور عرفہ کے دن وقوف عرفہ کرنے والوں کی مشابہت کے خیال سے اکٹھا
ہونا غیر معتبر ہے یعنی کوئی قابل اعتبار چیز نہیں کہ اس سے ثواب متعلق ہو کیونکہ وقوف مخصوص جگہ میں جس کا
نام عرفات ہے اس کا عبادت (اور باعث ثواب) ہونا معلوم ہو چکا ہے لیکن عرفات کے علاوہ کسی اور
جگہ کا یہ حکم نہیں۔ اور تکبیرات تشریق یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کا کہنا نویں
تاریخ کی فجر سے ہر فرض نماز کے بعد جو جماعت مستحبہ سے ادا کی گئی ہو واجب ہے جماعت مستحبہ کہہ کر صرف
عورتوں کی جماعت سے احتراز مقصود ہے یہ تکبیریں شہر کے مقیم پر واجب ہیں اور واجب ہیں اس عورت
پر جس نے مرد کی اقتداء کی ہو اور اس مسافر پر جس نے مقیم کی اقتداء کی ہو یہ تکبیریں عید کے دن کی عصر
تک ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک ہیں اور اسی پہ

عمل (اور مشروع) ہے اور مقتدی تکبیر ترک نہ کرے اگرچہ امام (بھول کر یا قصداً) ترک کردے۔

تشریح و توضیح

الی زوالہا الخ یعنی نصف النہار سے پہلے تک اس کا وقت ہے۔

الامام امام سے مراد بادشاہ یا اس کا نائب ہے یا وہ شخص جسے بادشاہ کی طرف سے اجازت حاصل ہو پس اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو لوگ جس پر راضی ہوں وہ امام بنے اور نماز عید پڑھائے۔

للاحرام یعنی اور نمازوں کی طرح یہاں بھی اول افتتاح صلوٰۃ کے لئے تکبیر تحریمہ کہے پھر ثنا سبحٰنک اللّٰھم الخ کہے پھر زائد تکبیریں کہنا تعوذ اور سورۃ جو بھی سورۃ چاہے پڑھے پھر رکوع کے لئے تکبیر کہے یہ پہلی رکعت میں کرے اور دوسری رکعت میں اول فاتحہ اور سورۃ پڑھے پھر تین زائد تکبیریں کہے پھر رکوع کے لئے تکبیر کہے۔ یہ کیفیت نماز حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت حذیفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق اور کتاب الآثار میں یہ کیفیت منقول ہے)۔

ویخطب یعنی امام خطبہ دے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ امام ہی کا خطیب ہونا افضل اور اولیٰ ہے۔

ویصلی بعذر یعنی اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن فوت ہو جائے مثلاً شدت باراں کی وجہ سے نکلنا ممکن نہ ہو تو اگلے دن نماز پڑھی جائے گی اصل اس بارے میں یہ روایت ہے کہ عہد رسالت میں چاند (۲۹) کو نظر نہیں آیا تو صبح کو لوگوں نے رمضان کی تکمیل کے لئے روزہ رکھا پھر رویت ہلال کی زوال کے بعد اطلاع آنے پر اعلان ہوا کہ نماز اگلے دن پڑھی جائے گی (یہ روایت مختلف الفاظ سے ابن ماجہ نسائی ابوداؤد اور ابن حبان وغیرہ میں مروی ہے)

لا بعدہ یعنی اگر دو دن تک کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھی جا سکی تو پھر تیسرے دن نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ جمعہ کی طرح اس میں بھی قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی قضا نہ ہو لیکن صرف اگلے دن تک پڑھنے کی اجازت حدیث شریف میں صراحت آجانے کی بنا پر دی جاتی ہے اور اس کے بعد گنجائش دینے کا ثبوت نہیں ملتا۔

باب صلوٰۃ الخوف

اذا اشتد خوف عدو جعل الامام امۃ نحو العدو وصلی باخری رکعۃ ان کان مسافرا او رکعتین ان کان مقیما ومضت ھذہ الیہ ای الی العدو وجاءت تلک وصلی بھم ما بقی وسلم وحدہ وذھبت الیہ ای ذھبت ھذہ الطائفۃ الی العدو وجاءت الاولیٰ واتمت بلا قراءۃ ثم الاخری بقراءۃ وفی المغرب یصلی بالاولیٰ رکعتین وبالاخری رکعۃ اعلم انہ لم یذکر الفجر لکنہ یفہم حکمہ من حکم المسافر

فالعبارة الحسنة ما حررت في المختصر وهو قوله صلى بأخرى ركعة في الثنائي وركعتين في غيره فالثنائي يتناول الفجر وظهر المسافر وعصره وعشاءه وغير الثنائي يتناول الثلاثي أي المغرب وظهر المقيم وعصره وعشاءه وإن زاد الخوف صلوا ركبانا فرادى بإيماء إلى ما شاؤا إن عجزوا عن التوجه ويفسدها القتال والمشي والركوب

ترجمہ جب دشمن کا خوف زیادہ ہو تو امام ایک گروہ کو دشمن کی جانب کرے اگر وہ ان سے لڑ سکا اور دوسرے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اگر مسافر ہو یا اگر مقیم ہو تو دو رکعات پڑھے اور یہ گروہ دشمن کی طرف چلا جائے اور یہ دشمن سے لڑے اور پہلا گروہ آئے اور امام ان کے ساتھ باقی نماز پڑھے اور امام تنہا سلام پھیر دے اور یہ جماعت دشمن کی جانب چلی جائے اور پہلی جماعت آکر نماز بلا قراءت پوری کرے پھر دوسری جماعت آکر قراءت سے نماز پوری کرے اور مغرب کی نماز میں امام پہلی جماعت کے ساتھ دو رکعات اور دوسری کے ساتھ ایک رکعت پڑھے واضح رہے کہ یہاں فجر کا حکم بیان نہیں کیا لیکن اس کا حکم مسافر کے حکم سے معلوم ہو جاتا ہے بس وہ عمدہ عبارت جو میں نے مختصر میں لکھی ہے وہ یہ ہے کہ امام ثنائی دو رکعت والی نماز میں دوسری جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور ثنائی کے علاوہ میں دو رکعات پڑھے پس ثنائی فجر اور مسافر کی ظہر و عصر و عشاء سب کو شامل ہے اور غیر ثنائی ثلاثی یعنی مغرب کو اور مقیم کی ظہر و عصر و عشاء کو شامل ہے اور اگر دشمن کا خوف زیادہ ہو اور گھوڑے سے اترنا ممکن نہ ہو تو تنہا سواری پر اشارہ سے جس طرف کو چاہیں نماز پڑھیں اگر قبلہ رخ ہونے سے عاجز و مجبور ہوں اور نماز لڑنے اور چلنے اور نماز شروع کرنے کے بعد سوار ہونے سے باطل ہو جاتی ہے۔

تشریح و توضیح [۱۵۱] شدة الخ بنایہ میں ہے کہ احناف کے نزدیک شدت خوف شرط نہیں بلکہ دشمن کا قریب ہونا سبب جواز ہے۔

جعل الامام الخ یہ کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ابوداؤد میں اور صحاح ستہ میں حضرت ابن عمرؓ سے ثابت ہے۔

ثم الاخرى یہ اس طرف اشارہ ہے کہ دوسری جماعت کے ساتھ پہلی جماعت کے بعد ادا کریگا پس اگر امام ہر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے تو جائز ہے۔

بَابُ الجنائز

سُنَّ لمحتضر ان یوجّه الی القبلة علی یمینه واختیر الاستلقاء ویلقن الشهادة

فان مات شدّ لحیاه وغمض عیناه ویجمر تخته وکفنه وترا ویوضع علی التخت ویجرّد
ویستر عورته ویوضأ بلا مضمضة واستنشاق خلافا للشافعی رح ویفاض علیه ماء مغلی
بسدر او حرض والا فالقراح ای وان لم یکن فالماء القراح ویغسل راسه ولحیته
بالخطمی ثم یضجع علی یساره ویغسل حتی یصل الماء الی التخت ثم علی یمینه
کذلك وانما قدم الاضطجاع علی الیسار لتکون البدایة فی الغسل بجانب یمینه ثم
یجلس مسندا ویمسح بطنه برفق وما خرج یغسل ولم یعد غسله ثم ینشف
بثوب ولا یقص ظفره ولا یسرح شعره خلافا للشافعی رح ویجعل الحنوط علی راسه ولحیته
والکافور علی مساجده وسنة الکفن له ازار وقمیص ولفافة واستحسن المتاخرون العمامة
ولها درع وازار وخمار ولفافة وخرقة یربط بها ثدیاها وکفایة له ازار ولفافة ولها ثوبان
وخمار والثوبان اللفافة والازار وتبسط اللفافة ثم الازار علیها ثم یقمص ویوضع علی
الازار ثم یلف ازاره ثم یمینه ثم اللفافة کذلك وهی تلبس الدرع ویجعل شعرها
ضفیرتین علی صدرها فوقه ثم الخمار فوقه ثم الازار تحت اللفافة ویعقد الکفن ان خیف
انتشاره وصلاته فرض کفایة ای ان ادی البعض سقط عن الباقین وان لم یؤد احد
یاثم الجمیع

ترجمہ مسنون ہے کہ قریب المرگ کو قبلہ رخ دائیں کروٹ سے لٹایا جائے اور متاخرین فقہاء نے
اختیار کیا ہے چت لٹانا (کہ منہ اور پاؤں اس کے قبلہ رخ رہیں) اور اسے کلمۂ شہادت
کی تلقین کی جائے گی۔ اور مر جانے پر اس کے دونوں جبڑے باندھے جائیں گے اور آنکھیں بند کی جائیں گی
اور طاق عدد (مثلاً ایک بار یا تین بار) کا خیال رکھتے ہوئے اس کے تخت اور کفن کو (خوشبو کی) دھونی

دی جائے گی۔ اور تخت پر رکھ کر اس کے کپڑے اتار لیے جائیں گے اور اس کی شرمگاہ چھپائیں گے اور کلی وناک میں پانی دیئے بغیر اسے وضو کرایا جائے گا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اسے کلی کرائی جائے گی اور ناک میں پانی دیا جائے گا زندہ شخص کی طرح۔ اور میت پر بیری کے پتوں یا اشنان (ایک قسم کی گھاس) کا جوش دیا ہوا پانی بہایا جائے گا۔ اور جوش دیا ہوا پانی نہ ہو تو سادہ پانی بہائیں گے۔ اور اس کا سر اور داڑھی خطمی (گل خیرو) سے دھوئیں گے۔ پھر اسے بائیں کروٹ پر لٹا کر غسل دیں گے حتی کہ پانی تخت کو ملے ہوئے حصۂ بدن تک پہنچ جائے پھر داہنی کروٹ پر لٹا کر اسی طرح کیا جائے۔ بائیں کروٹ پر لٹانے کو اس وجہ سے مقدم رکھا گیا کہ غسل کا آغاز دائیں جانب سے ہو جائے۔ پھر ٹیک لگا کر بٹھا کر آہستہ آہستہ پیٹ ملیں گے اور جو کچھ نکلے اسے دھویا جائے گا اور غسل کا اعادہ نہ ہوگا۔ پھر کپڑے سے پانی پونچھ دیا جائے اور نہ اس کے ناخن کاٹے جائیں نہ اس کے بالوں میں کنگھی کی جائے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ناخن کاٹے جائیں، اور کنگھی کی جائے اور اس کے سر اور داڑھی پر خوشبو ملیں اور سجدوں کی جگہ پر کافور ملیں۔ اور مرد کے لئے مسنون کفن ازار (تہبند) اور قمیص اور لفافہ ہے۔ اور متاخرین فقہاء نے عمامہ کو بھی مستحب قرار دیا ہے۔ اور عورت کے لئے مسنون کفن درع (زنانہ قمیص) اور ازار (تہبند) اور اوڑھنی اور لفافہ اور سینہ بند ہے جس سے اس کی چھاتیاں باندھی جائیں۔ اور مرد کے لئے (اگر تین کپڑے نہ ہوں تو) لفافہ وازار اور اوڑھنی کافی ہے۔ اور اول لفافہ بچھایا جائے پھر اس کے اوپر ازار، پھر میت کو قمیص پہنا کر ازار پر رکھیں پھر ازار اول بائیں جانب اور پھر دائیں جانب سے لپیٹیں۔ اس کے بعد اسی طرح لفافہ لپیٹا جائے اور عورت کا اول درع (زنانہ قمیص) پہنائیں اور اس کے بالوں کے دو حصے کر کے اس کے سینہ پر قمیص کے اوپر ڈال دیں پھر اس کے اوپر اوڑھنی رہے پھر لفافہ کے نیچے ازار۔ اگر کفن کے کھل جانے کا اندیشہ ہو تو اسے باندھ دیا جائے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر بعض لوگ پڑھ لیں تو باقی کے ذمے سے ساقط ہو جائے گی اور اگر کوئی نہ پڑھے تو سب گنہگار ہوں گے۔

تشریح و توضیح

الجنائز احکام نماز اور اس کے متعلقات سے فارغ ہو کر میت کے غسل، کفن اور نماز جنازہ کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ الجنائز زبر کے ساتھ جنازہ کی جمع ہے اور جنازہ میت کو کہتے ہیں اور زیر کے ساتھ وہ تخت یا چارپائی کہلاتی ہے جس پر میت کو اٹھاتے ہیں۔

وجہ علی یمینہ جاں کنی کی حالت میں قریب المرگ کو کلمۂ شہادت کی تلقین کریں گے۔ اور یہ تلقین کرنا مستحب ہے۔ در مختار میں مستحب ہی لکھا ہے۔ اور قنیہ میں ہے کہ تلقین واجب ہے۔ اور ان کا مستدل یہ حدیث ہے کہ اپنے موتیٰ (قریب المرگ) کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ یہ روایت مسلم اور سنن میں موجود ہے۔ تلقین کی شکل یہ ہے کہ لوگ بلند آواز سے خود یہ کلمہ پڑھیں تاکہ وہ سن کر اسے دہرانے لگے۔ خود نہ پڑھنا اور قریب المرگ سے پڑھنے کے لئے کہنا مناسب نہیں۔ کیونکہ تکلیف اس پر غالب ہوتی ہے۔

دیجرد الخ یعنی میت کے کپڑے اتار کر غسل دیا جائے۔ اگر کپڑوں سمیت غسل دیا جائے تب بھی مضائقہ نہیں (بشرطیکہ کپڑے پاک ہوں)۔ اصل اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ جب صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے کپڑے اتاریں جس طرح ہم اپنے مردوں کے اتارتے ہیں یا کپڑوں سمیت آپ کو غسل دیں۔ جب صحابہؓ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کردی پھر سب گھر کے گوشے سے یہ کہتے ہوئے آئے کہ آنحضورؐ کو کپڑوں سمیت غسل دو پس آنحضورؐ کو آپ کے کپڑوں میں غسل دیا گیا۔ (یہ روایت ابوداؤد میں موجود ہے)

مساجد۔ مسجد کی جمع ہے زیر کے ساتھ یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں قدم۔ ان اعضاء کی خصوصیت ان کی کرامت وعظمت کی بنا پر ہے، "درر" میں اسی طرح ہے۔

العمامۃ الخ زاہدیؒ نے مجتبیٰ میں بیان کیا ہے کہ زیادہ صحیح قول کے مطابق میت کے عمامہ باندھنا مکروہ ہے۔ اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ اگر میت کے عمامہ باندھنا بہتر ہوتا تو سادات کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باندھا جاتا۔

وھی ان یکبرا فعونید یہ ثم لا یرفع بعدھا خلافاً للشافعی رحمۃ اللہ علیہ ثم یکبر ویصلی علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ثم یکبر ویدعو ثم یکبر ویسلم ولا قراءۃ فیھا خلافاً للشافعیؒ ولا تشھد ویقول فی الصبی بعد الثالثۃ اللھم اجعلہ لنا فرطاً اللھم اجعلہ لنا ذخراً اللھم اجعلہ لنا شافعاً مشفعاً ای اجراً یتقدمنا واصل الفارط والفرط فیمن یتقدم الواردۃ کذا فی المغرب المشفع الذی یعطی لہ الشفاعۃ والدعاء للبالغین ھٰذا اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان انما قال فی الاول الاسلام والثانی الایمان لان الاسلام والایمان وان کانا متحدین فالاسلام ینبئ عن الانقیاد فکانہ دعاء فی حال الحیوٰۃ بالایمان والانقیاد واما عند الوفاۃ فقد دعی بالتوفی علی الایمان وھو التصدیق والاقرار واما الانقیاد وھو العمل فغیر موجود فی حال الوفاۃ وبعدھا

ترجمہ: اور جنازہ کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ اٹھائے، پھر اس کے بعد کسی تکبیر پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائے

اور ثنا پڑھے۔ پھر تکبیر کہے اور نبی علیہ السلام پر درود بھیجے۔ پھر تکبیر کہے اور دعا پڑھے۔ پھر تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔ اور اس میں قرأت نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قرأت بھی ہے۔ اور [illegible] اور بچہ (نابالغ) ہو تو تیسری رکعت کے بعد کہے "اللّٰھم اجعلہ لنا فرطاً" اے اللہ اسے ہمارے لئے پیش رو بنا دے، "اللّٰھم اجعلہ لنا ذخراً" اے اللہ اسے ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دے، "اللّٰھم اجعلہ لنا شافعاً ومشفعاً" اے اللہ اسے ہماری شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت بنا دے، یعنی وہ اجر جو ہم سے پہلے آخرت میں پہنچ جائے۔ اور فارط اور فرط کی اصل وہ شخص جو اترنے والے مسافروں کے لئے پانی اور منزل کی جستجو میں ان سے آگے بڑھ جائے۔ "مغرب" نامی کتاب میں اسی طرح ہے، مشفع وہ جس کی شفاعت قبول کی جائے، اور بالغین کے لئے یہ دعا ہے "اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا، اللّٰھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان" اول "الاسلام" (فاحیہ علی الاسلام) اور دوسری جگہ "الایمان" (ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان) کہا۔ اس لئے کہ اگرچہ اسلام اور ایمان دونوں ایک ہی ہیں مگر اسلام اطاعت وتسلیم کی اطلاع ہے تو گویا وہ زندگی میں ایمان و اطاعت کی دعا ہے۔ اور انتقال کے وقت وفات علی الایمان کی دعا، وہ تصدیق اور اقرار ہے اور "الانقیاد" (اطاعت) وہ عمل کا نام ہے جو وفات کے وقت اور بعد وفات موجود نہیں ہوتا کیونکہ وہ حالت حیات کے ساتھ مخصوص ہے اور رشتہ حیات منقطع ہونے کے ساتھ وہ بھی باقی نہیں رہتا)

تشریح وتوضیح

"ویثنی" یعنی سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک وجل ثناؤک ولا الٰہ غیرک پڑھے۔

"ویدعو" اور میت کے لئے اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا کرے، ماثور احادیث میں منقول طریقہ سے دعا کرے تو زیادہ اچھا ہے۔

"ویقول" بچہ کے لئے یہ دعا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے "بیہقی" اور دوسری کتب احادیث میں مروی ہے۔

"فرط" یتقدم یعنی مسافروں کی جماعت سے آگے جانے والا جو ان کے لئے پانی اور منزل کی سہولت بہم پہنچائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "انا فرطکم علی الحوض" میں حوض پر تمہارا پیشرو ہوں گا۔ "ھذا" یعنی بالغ کے لئے یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ میں منقول ہے۔ نیز یہ دعا بھی منقول ہے "اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ وزوجا خیرا من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر وعذاب النار" فتح القدیر وغیرہ میں دوسری دعائیں بھی منقول ہیں۔

اور بعض کے نزدیک مسجد پنج نمازوں کے لئے بنائی گئی ہے، لہٰذا اگر میت خارج مسجد ہو تب بھی ان کے
نزدیک مکروہ ہوگی، جو لڑکا پیدائش کے بعد مر جائے اگر رویا اور چلایا ہو (جو زندگی کی علامت ہے)
تو اس کا نام رکھا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی اور غسل دیا جائے گا ورنہ غسل دے اور ایک کپڑے
میں لپیٹ کر بغیر نماز پڑھے دفن کیا جائے گا۔ مختار و راجح قول کے مطابق ایسے مردہ بچہ کو غسل دیں گے
اور ظاہر روایت میں ہے کہ غسل نہیں دیا جائے گا، مگر راجح قول پہلا ہے۔ کوئی بچہ قید ہو کر آئے اور مرجائے
تو اگر وہ اپنے والدین کے بغیر تنہا یا ان میں سے ایک کے ساتھ قید ہوا ہو پھر وہ دائرہ اسلام میں داخل
ہو جائے اور وہ خود عاقل و ذی شعور ہو یا ان دونوں میں سے ایک اسلام قبول کرے تو اس بچہ پر
نماز پڑھی جائے گی۔ اسلئے کہ والدین کے بغیر اس کے قید ہونے کی وجہ سے دارالاسلام کے تابع شمار
کر کے مسلمان قرار دیں گے لہٰذا اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ اور اگر والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہوا
ہو تو اس وقت وہ دارالاسلام کے تابع شمار نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر بچہ اسلام قبول کرے درآں حالیکہ وہ خود عاقل
ہو تو اس کا اسلام صحیح ہے پس اس پر نماز پڑھی جائے گی اور اگر دونوں میں سے ایک نے اسلام قبول کیا
ہو تو بچہ کو مسلمان ہونے والے کے تابع قرار دیں گے اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ ورنہ نہیں۔ یعنی اگر
بچہ والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہوا ہو اور والدین میں سے کسی نے اسلام قبول نہ کیا ہو، ورنہ وہ
بچہ خود عاقل و ذی شعور ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی پس یہ قول ورنہ نہیں، اس صورت مسئلہ
کو شامل ہے کہ والدین میں سے کوئی اسلام قبول نہ کرے۔ یا بچہ خود اسلام قبول کرے اور وہ غیر عاقل ہو،
کوئی کافر مرے درآں حالیکہ اس کا ولی مسلمان ہو تو اس کا مسلمان ولی ناپاک چیز کی طرح اسے غسل دے۔ یعنی
(سنت کی رعایت کے بغیر) اس پر پانی اس طرح بہایا جائے گا جس طرح نجاستیں دھوئی جاتی ہیں اس طرح نہیں
نہیں جیسے مسلمان کو غسل دیتے ہیں۔ نہ اسے وضو کرائے اور نہ دائیں جانب سے شروع کرے۔ اور ایک کپڑے
میں اسے لپیٹ کر اور گڑھا (بلا رعایت سنت) کھود کر اسمیں ڈال دیا جائے گا،
اور جنازہ چار آدمیوں کا اٹھانا مسنون ہے اس طرح کہ پہلے اس کے آگے کے پائے اور پھر پیچھے کے پائے کو اپنے
دائیں کاندھے پر رکھیں۔ پھر دوسری طرف کے آگے کے پائے کو اور پھر پیچھے کے پائے کو اپنے بائیں کاندھے
پر رکھ لیں اور اچھے (دوڑے بغیر) جنازہ تیز لے چلیں اور جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے اور
جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے، اور قبر (مردے کے نصف قد کے بقدر گہری) لحد کھودی اور میت کو قبلہ کی جانب سے
رکھیں گے اور رکھنے والا کہے گا، بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ، میت کا منہ قبلہ رخ کیا جائے گا
اور کفن کی گرہ کھول دی جائے گی۔ یعنی وہ گرہ جو کفن پر اس کے کھل جانے کے خوف سے لگائی گئی ہو۔ اور
کچی اینٹ اور بانس قبر پر رکھے، اور دفن کے وقت عورت کی قبر پر کپڑے سے پردہ کیا جائے گا مرد کی
قبر پر نہیں یعنی بوقت دفن عورت کی قبر کپڑے سے (پردہ کی خاطر) ڈھانپی جائے گی۔

اور پکی اینٹ اور لکڑی و سوکھی لکڑی، قبر میں بچھانا مکروہ ہے اور مٹی ڈالی جائے گی۔ اور قبر کو کوہان نما بنائی جائے مربع نہ بنائیں۔

تشریح و توضیح وکرهت الخ: یعنی ایسی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جس میں جماعت ہوتی ہو، مکروہ تحریمی ہے، علامہ قاسم ابن قطلوبغا نے ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر لکھتے ہوئے اس کی صراحت کی ہے۔ متاخرین فقہاء کا میلان اسی طرف ہے، جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ مسجد نبوی کے شرف کے باوجود اس میں نماز جنازہ پڑھنے کی نہیں تھی۔ بلکہ میدان (یا عیدگاہ) اس کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ یہ کراہت اس صورت میں ہے کہ کوئی عذر نہ ہو اور اگر بارش وغیرہ کا عذر ہو تو مکروہ نہیں۔

فی مسجد جماعة: یعنی ایسی مسجد میں جہاں پر جماعت نماز پڑھی ہوتی ہوں وہاں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اس قید (جماعۃ) سے احتراز مقصود ہے جو نماز جنازہ ہی کیلئے بنائی جائے۔

ومن استهل الخ: یعنی جو بچہ دنیا میں علامت حیات آیا اور بعد میں انتقال ہوا پس اس کیلئے زندوں کا سا حکم ہوگا اور وہ عمل جو زندہ کے مرجانے پر کیا جاتا ہے اس کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ اصل اس بارے میں بچے سے متعلق یہ حدیث ہے کہ نہ اس پر نماز پڑھی جائے گی اور نہ وہ وارث ہوگا اور نہ اس کی میراث لے گی یہاں تک کہ وہ رولے۔ (یہ روایت ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہے) یعنی اگر آثار حیات نمایاں ہوجائیں اور اس کا زندہ ہونا متحقق ہوجائے تو حدیث شریف میں ذکر کردہ احکام اس پر مرتب ہوں گے ورنہ نہیں۔

صبی الخ: یعنی اگر بچہ خود ہی عاقل و ذی شعور ہو تو اس کا اسلام قابل قبول اور شرعاً معتبر ہے، اس کا استدلال کتب حدیث و سیر میں ذکر کردہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نابالغی کی حالت میں اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول فرمایا۔

ویغسله الخ: یہ حکم بھی اس صورت میں ہے کہ اس کا اور کوئی قریبی کافر رشتہ دار موجود نہ ہو۔ اگر موجود ہو تو اس سے بھی باز آنا اور ترک اولیٰ ہے۔

ویسرعون به: اسراع سے یعنی جنازہ تیز لیکر چلو کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جنازہ تیز لیکر چلو پس اگر وہ صالح ہے تو وہ خیر تک جلدی پہونچے گا اور اگر برا ہے تو تم شر کو اپنی گردنوں سے اتاروگے (یہ روایت بخاری شریف وغیرہ میں موجود ہے)۔

قبل وضعها: جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم جنازہ کے ساتھ چلو تو اس کے زمین پر رکھنے سے پہلے مت بیٹھو (یہ روایت ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے)۔

باب الشهيد

هو كل طاهر بالغ قتل بحديدة ظلماً ولم يجب به مال او وجد ميتاً جريحاً في المعركة
بالطاهر احترز عمن وجب عليه الغسل كالجنب والحائض والنفساء وانما لم يحترز
عن الصبي وبالحديدة احترز عن القتل بالمثقل وظلماً احترز عن القتل حداً او
قصاصاً ولم يجب به مال احترز عن قتل وجب به مال والمراد ان المال لا يجب بنفس
هذا القتل فان الاب اذا قتل ابنه بحديدة عمداً يكون الابن شهيداً لان المال وان
وجب فانه لم يجب بنفس هذا القتل بل يجب القصاص ثم القصاص يسقط لحرمة الابوة
ووجبت الدية وقوله او وجد ميتاً فان من وجد ميتاً جريحاً في المعركة فهو شهيد
لان الظاهر ان اهل الحرب قتلوه ومقتولهم شهيد باي شيء قتلوه وما في ظ
الجراحة فمن وجد في المعركة ليدل على انه قتيل لا ميت حتف انفه فحاصل ان
الشهيد من قتل بحديدة ظلماً ولم يجب به مال او من وجد ميتاً جريحاً في المعركة
سواء قتل بحديدة او لا لكن في هذا التعريف نظر وهو انه لا يشمل ما اذا قتل المشركون
او اهل البغي او قطاع الطريق بغير الحديدة فان قتيلهم شهيد باي آلة قتلوه فالحق
الرجل ما ذكرت في المختصر وهو مسلم طاهر بالغ قتل ظلماً ولم يجب به مال ولم يرتث
من غير ذكر الحديدة او وجد في المعركة ليشمل قتيل المشركين واهل البغي وقطاع
الطريق باي آلة قتلوه ويشمل الميت الجريح في المعركة لانه مسلم مقتول ظلماً ولم
يجب بقتله مال واما مقتول غير هؤلاء وهو مسلم قتله غير حربي وغير قاطع الطريق و
مسلم قتله ذمي فانه انما يكون شهيداً عند ابي حنيفة اذا قتل بحديدة ظلماً فانما
قال ولم يجب به مال عمداً لانه مقتول عمداً لانه لو قتل بغير حديدة لوجب المال
عنده لان الدية واجبة عنده في القتل بالمثقل واما عندهما فلا احتياج الى ذكر الحديدة
لان المقتول بالمثقل عندهما شهيد ولم يجب بقتله مال بل الواجب قصاص عندهما
واما قوله ولم يرتث فسيأتي تفسيره ...

ترجمہ: جو شخص طاہر (پاک) بالغ زخمی کرنے والا آلہ (یا دھاردار آلہ) سے ظلماً مارا جائے اور قتل پر اس
قتل کے عوض مال واجب نہ ہو یا وہ طاہر بالغ میدان قتال میں مردہ زخمی پایا جائے وہ شہید ہے

شہید ہے ۔ چونکہ ظاہر کہہ کر اس سے احتراز مقصود ہے جس پر غسل واجب ہو جیسے جنبی اور وہ عورت جو
حیض و نفاس میں ہو جبکہ قتل ہو اور بالغ کہہ کر احتراز مقصود ہے بچہ اور نابالغ سے ۔ اور زخمی کرنے والے
آلہ یا دھار دار کی قید سے احتراز مقصود ہے جو بھاری چیز کے ذریعہ قتل ہو (مثلاً بڑے پتھر سے
دبا دیا جائے) اور ظلماً کی قید لگا کر اس سے احتراز ہے جو قتل حد یا قصاص کی بنا پر ہو اور لم یجب بہ مال
کی قید لگا کر اس سے احتراز ہے جس کے قتل سے دیت وغیرہ واجب ہو ۔ اگرچہ لوگ شہیدوں میں
شمار نہیں ۔ اور مراد لم یجب سے وہ مال ہے جو اس قتل کی وجہ سے واجب نہ ہو اسلئے کہ باپ
اگر بیٹے کو دھار دار آلہ سے قتل کر ڈالے تو وہ بیٹا ضرور شہید ہو گا اسلئے کہ مال اگرچہ واجب
ہوتا ہے مگر وہ اس قتل پر واجب نہیں ہوا (بلکہ قصاص واجب تھا مگر وہ حرمت ابوت کی وجہ سے
ساقط ہو گیا) اور مصنف کا قول "او وجد میتا" تو جو شخص میدان کارزار میں مردہ زخمی حالت
میں پایا جائے وہ شہید ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اسے اہل حرب (کفار) نے قتل کیا ہے اور ان کا
قتل کیا ہوا خواہ کسی چیز سے قتل ہو شہید ہے اور میدان کارزار میں زخمی ہونے کی شرط اسلئے
لگائی ہے کہ اس کی نشان دہی ہو کہ وہ قتل کیا گیا ہے ۔ جیسا مردہ پایا جانا ہے گلا گھونٹ کر مارا ہو پس [illegible]
جیسے کہ شہید وہ کہتا ہے جو زخمی کرنے والے (یا دھار دار) آلہ سے ظلماً قتل کیا جائے درآں
حالیکہ اس کے قتل سے دیت واجب نہ ہو یا میدان کارزار میں زخمی حالت میں مردہ پایا جائے خواہ
زخمی کرنے والے دھار دار آلہ سے قتل کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو مگر مصنف کی یہ تعریف محل نظر ہے اور
وہ یہ کہ اس تعریف کی رو سے ان کا شمار شہیدوں میں نہ ہو گا جنہیں مشرکین یا باغیوں نے
یا ڈاکوؤں نے بغیر دھار دار آلہ کے علاوہ سے قتل کیا ہو حالانکہ ان کا قتل کیا ہوا شہید ہے چاہے کسی آلہ
سے قتل کیا گیا ہو ۔ پس مختصر وقایہ کی تعریف وہ ہے جو میں نے "مختصر" میں بیان کی ہے وہ یہ کہ شہید
وہ ہے جو مسلمان طاہر بالغ ہو (اور) ظلماً مارا گیا ہو اور اس کے قتل کی وجہ سے مال واجب نہ ہوتا
ہو اور ہر آلہ سے ہو یعنی میدان کارزار سے زخمی حالت میں پایا گیا ہو ۔ مختصر میں [illegible] تیز زخمی
کرنے والے دھار دار آلہ کی اور میدان کارزار میں پائے جانے کی قید نہیں نکالی ۔ پس یہ مختصر کی
عبارت شامل ہے مشرکین اور باغی اور ڈاکوؤں کے ذریعہ قتل شدہ کو خواہ کسی بھی آلہ کے ذریعہ قتل
کیا گیا ہو اور اسکو بھی شامل ہے جو میدان کارزار میں مجروح مردہ پایا جائے کیونکہ وہ مسلمان ظلماً قتل
کیا گیا ہے اور اس کے قتل سے مال دیت واجب نہیں ہوئی اور ان کے علاوہ قتل شدہ وہ مسلمان
ہے جسے باغی اور ڈاکو کے علاوہ کوئی قتل کرے ۔ اور مسلمان جیسے ذمی (دار الاسلام کا غیر مسلم باشندہ)
قتل کر دے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ شہید ہو گا جبکہ اسے ظلماً زخمی کرنے والے (دھار دار) آلہ سے
قتل کیا گیا ہو اور [illegible] مختصر میں جو یہ کہا لم یجب بہ مال اس سے معلوم ہوا کہ وہ مجروح کرنے والے

دھار دار آلہ سے قتل شدہ ہو بشرطیکہ اگر قتل کرنے والے دھار دار آلہ کے علاوہ سے قتل کیا گیا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسپر مال واجب ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک بھاری اور وزنی چیز مثلاً پتھر سے قتل کرنے کی صورت میں دیت واجب ہوگی، اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک "المحدید" کے ذکر کا احتیاج نہیں کیونکہ ان کے نزدیک وزنی و بھاری چیز سے قتل شدہ بھی شہید ہے اور ایسے قتل سے مال واجب نہ ہوگا بلکہ ان دونوں کے نزدیک قصاص کا وجوب ہوگا اور مصنف کا قول "ولم یرتث" پس عنقریب (متن میں) اسکا فائدہ آئے گا۔

تشریح و توضیح

[الشہید] ، فعیل کے وزن پر بمعنی مفعول شہادۃ یا شہود سے مشتق ہے، شہید کو شہید اسلئے کہتے ہیں کہ اس کیلئے جنت کی شہادت دی گئی یا یہ کہ رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں یا فعیل بمعنی فاعل ہے کیونکہ وہ عند اللہ حیات ہے پس وہ شاہد ہے۔ "الدر المختار" وغیرہ میں ایسا ہی ہے۔ پھر شہید کی دو قسمیں ہیں (۱) فقط باعتبار آخرت شہید جیسے مبطون وغیرہ (۲) دنیوی اعتبار سے بھی شہید۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اسے بغیر غسل دیئے انہیں کپڑوں میں دفن کیا جائے گا۔

[جریحاً] ، میدان قتال میں مجروح پایا جانا یہ اسکی علامت ہے کہ دشمن سے لڑکر مجروح اور خلعت شہادت سے سرفراز ہوا۔

[عن القتل حدًا] ، کیونکہ جو شخص حد زنا میں قتل کیا جائے یا بطور قصاص قتل ہو وہ شہید نہیں اسے غسل اور کفن دیا جائے گا۔

[ومقتولہم] ، یعنی اہل حرب (کفار) جسے قتل کریں خواہ کسی بھی آلہ کے ذریعہ کریں مثلاً اس پر دیوار گرادیں یا آگ میں جلادیں وغیرہ وہ بہرصورت شہید ہے، "صحیح بخاری اور سنن ابو داؤد" میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کو ان کے خون آلود کپڑوں میں غسل دیئے بغیر دفن فرمایا اور یہ معلوم ہے کہ ان میں سب کے سب تلوار اور دھار دار آلہ سے قتل نہیں کئے گئے بلکہ بعض پتھر اور بعض عصا وغیرہ سے قتل کئے گئے، "بنایہ" میں اسی طرح ہے۔

ينزع عنه غير ثوبه اى بغير ثوب يختص بالميت كالفرو والحشو والقلنسوة والسلاح والخف ويزاد وينقص ليتم كفنه اى لو لم يكن معه ما يكون من جنس الكفن كالازار ونحوه يزاد ولو كان ما ليس من جنسه ينقص ولا يغسل ويصلى عليه ويدفن بدمه وغسل صبى وجنب وحائض ونفساء ومن وجد قتيلا فى مصر ولم يعلم انه قتل ظلما اذا لم يعلم قاتله سواء علم ان قتله وقع بالحديدة او بالعصا الكبير او الصغير لان الواجب فيه الدية وانما

زخمی کیا گیا ہو اور پرانا ہو جائے یعنی سو جائے یا کھائے یا پی لے یا اس کا علاج کیا جائے یا دیر تک بقید حیات رہ جائے یا میدان قتال سے زندہ لے جایا جائے یا ایک نماز کے وقت تک عاقل (ہوش مند) رہے یا کسی چیز کی وصیت کرے تو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ زخمی پرانا ہو جائے یعنی میدان کارزار سے کچھ زندگی کی حالت میں اٹھایا گیا ہو اور شرعاً ارتثاث یہ ہے کہ وہ زندگی کے منافع میں سے کوئی نفع ورنا شدہ اٹھائے (مثلاً کھائے یا پی لے) یا اس کیلئے زندہ لوگوں کے احکام میں سے کوئی حکم ثابت ہو، پس جب وہ ایک نماز کے وقت تک عاقل (ہوش مند) رہا تو اس پر نماز واجب ہو گئی اور یہ نماز کا وجوب زندوں کے احکام میں سے ہے، اور امام ابو حنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک وصیت کرنا (بھی) ارتثاث (میں داخل) ہے امام محمدؒ کے نزدیک یہ ارتثاث نہیں، اور اگر باغی (خلیفۃ المسلمین سے بغاوت کرنے والا) یا ڈاکو مارا جائے تو اسے غسل دیا جائے گا۔ اور اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی ۔۔

تشریح و توضیح | او قتل بحد الخ یعنی زنا کے ارتکاب کی بنا پر جیسے سنگسار کیا گیا ہو اسے غسل دیا جائے گا اور اسے شہید قرار نہ دیں گے کیونکہ یہ قتل ظلماً نہیں بلکہ برائی کی جزا ہے، اسی طرح قصاص میں قتل کئے جانے والے کو غسل دیا جائے گا اور اسے شہید شمار نہ کریں گے کیونکہ اسکی جان جان کے بدلہ گئی اور یہ ظلم نہیں بلکہ معاوضہ ہے۔

او قتل الخ یعنی اگر اس حالت میں مقتول کیا گیا ہو کہ وہ باہوش و حواس ہو تب تو غسل دیا جائے گا، ورنہ غسل نہ دیں گے خواہ بے ہوشی کی حالت میں ایک دن اور ایک رات سے زیادہ کیوں نہ گزر جائے۔

وصلی علیہم۔ یعنی ذکر کردہ سب لوگوں (بچہ، جنبی، وہ مقتول جس پر قسامت واجب ہو اور مرتث اور حدود قصاص میں قتل کیا جانے والا) ان تمام پر نماز پڑھی جائے گی، جنبی الخ یعنی منافع حیات میں سے کوئی نفع اٹھایا ہو تو اسے غسل دیا جائے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ جو شہید ہوئے انہیں غسل دیا گیا اور انہیں شہداء احد کی طرح بلا غسل خون آلود کپڑوں میں دفن نہیں کیا ۔

خلاف ما لمحقق۔ اختلاف اسمیں ہے کہ وصیت ارتثاث ہے یا نہیں۔ صدر الشہید نے شرح جامع صغیر میں بیان کیا ہے کہ اگر امور آخرت میں سے کسی امر کی وصیت کرے تو وصیت کے ارتثاث ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے لیکن اگر وہ دنیوی امور میں سے کسی امر کی وصیت کرے تو اسے بالاجماع ارتثاث قرار دیں گے ۔۔

21/1

وهذا نظر لأن هذا يقتضي أنه إذا حال الحول على النصاب تجب الزكاة سواء وجد النماء أو لم يوجد كما في السفر فإنه أقيم مقام المشقة فيثبت الرخصة عند وجود السفر سواء وجدت المشقة أم لا لكن ليس كذلك بل لا بد مع الحول من شيء آخر وهو الثمنية كما في النقدين أي الذهب والفضة أو السوم كما في الأنعام أو نية التجارة في غيرهما كما ذكرنا حتى لو كان له عبيد للخدمة أو دار للسكنى ولم ينو التجارة لا تجب فيها الزكاة وإن حال عليهما الحول ولا بد أن يكون فاضلا عن حاجته الأصلية كالأطعمة والثياب وأثاث المنزل ودواب الركوب وعبيد الخدمة ودور السكنى وسلاح يستعمله والآلات المحترفة وكتب العلم

ترجمہ | زکوٰۃ مقدار نصاب میں واجب ہوتی ہے جبکہ اس پر سال گزر جائے، اور حاجت اصلیہ سے زائد ہو۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ صرف بڑھنے والے نصاب میں واجب ہوگی خواہ یہ بڑھنا حقیقتاً ہو یا تقدیراً ہو، اور سال، وہ قدرت ہے مال کی بڑھوتری پر کیونکہ سال چار فصلوں (ربیع، خریف، گرمی، سردی) پر اور نصاب (جس میں) قیمتوں کے نرخ کا فرق ہے، مشتمل ہوتا ہے، تو اس بڑھوتری کے قائم مقام ہو کر وجوب زکوٰۃ حولان حول پر منحصر ہو گیا، یہ وہ تفصیل ہے جو ہدایہ میں مذکور ہے اور یہ تعریف محل نظر ہے کیونکہ اس کا تقاضہ ہے کہ نصاب پر حولان حول کے ساتھ زکوٰۃ واجب ہو جائے خواہ حقیقتاً بڑھا ہو یا نہ بڑھا ہو، جیسا کہ سفر میں کہ سفر کو مشقت کے قائم مقام قرار دے کر رخصت (روایت) قصر نماز میں قصر اور روزہ افطار کرنے کی اجازت عطا کی گئی خواہ مشقت (دوران سفر) پائی جائے یا نہ پائی جائے، لیکن وجوب زکوٰۃ کیلئے صرف حولان حول کافی نہیں بلکہ حولان حول کے ساتھ دوسری چیز یعنی ثمنیت بھی ضروری ہے، جیسے ثمنین یعنی سونے اور چاندی میں ہے یا چراگاہ میں چرنے جیسے چوپایوں میں یا تجارت کی نیت ان دونوں چیزوں کے علاوہ میں جو ہم نے بیان کیں، حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس غلام ہو اور وہ خدمت کیلئے ہو [illegible] یا گھر ہو اور وہ رہائش کیلئے ہو اور اس کی نیت تجارت کی نہ ہو تو ان دونوں پر اگرچہ حولان حول ہو جائے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور ضروری ہے کہ مال حاجت اصلیہ سے زائد ہو (اور حاجت اصلیہ میں داخل اشیاء) مثلاً کھانا اور کپڑے اور گھر کا سامان اور سواری کے چوپائے اور خدمت کا غلام اور رہائشی مکانات اور استعمال کئے جانے والے ہتھیار اور پیشہ وارانہ صنعت کے آلات اور کتابوں کے ضرورت مند (مدرسین، طلبہ وغیرہ) کیلئے کتابیں ان میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں

تشریح و توضیح | [illegible] الزکوٰۃ [illegible] اسلام کے ایک رکن نماز سے فراغت کے بعد زکوٰۃ کا بیان

21
2

شروع کیا۔ دونوں کو متصلاً بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خود قرآن کریم میں ان دونوں رکنوں کو متصلاً بیان کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز (عبادت بدنی) اور زکوٰۃ (عبادت مالی) میں ایک خاص ربط ہے، مثلاً ارشاد باری ہے: اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ (الآیۃ) اور نماز کو زکوٰۃ پر مقدم کیا کہ وہ ارکان اسلام میں سب سے افضل اہم رکن ہے۔ زکوٰۃ، اصل میں بڑھوتری اور اضافہ کو کہتے ہیں زکوٰۃ کیونکہ ذخیرۂ آخرت اور ثواب آخرت میں اضافہ کا سبب ہے اور دنیوی اعتبار سے بھی زکوٰۃ کی پابندی مال میں ترقی کا سبب ہوتی ہے اسلئے زکوٰۃ کا نام زکوٰۃ رکھا گیا۔

ھی لا تجب الخ - وجوب سے مراد یہاں اصطلاحی وجوب نہیں بلکہ فرض ہے کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے، ارشاد باری ہے: و آتوا الزکوٰۃ اور ارشاد ربانی ہے: خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم و تزکیہم بہا (الآیۃ)۔ نصاب کا اس سے مراد ایک مخصوص (معین مقدار) ہے کہ جس کے پائے جانے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اس مقدار سے کم پر زکوٰۃ کا وجوب نہیں ہوتا۔ حولی۔ یعنی ایسے نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوگی جس پر پورا سال گزر چکا ہے۔ اور جس پر پورا سال نہ گزرا ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ تاوقتیکہ مال پر حول نہ ہو جائے مال میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، یہ روایت قریب ایک سے الفاظ کے ساتھ ابو داؤد، احمد، دارقطنی، بیہقی ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے۔

حاجتہ الاصلیۃ الخ یعنی وہ چیزیں جن سے آدمی اپنے کو ہلاکت و نقصان سے بچاتا ہے مثلاً کھانا پینا، رہائش کیلئے مکان، جنگ کے آلات اور سردی و گرمی سے بچاؤ کیلئے حسب ضرورت کپڑے یا یہ ضرورت تقدیراً و پوشیدہ ہو مثلاً قرض کیونکہ مقروض جو اسکے ہاتھ میں ہو اسکے قرض کی ادائیگی کرتا ہے۔ قرض کی اس قید سے بچانے کیلئے جو اس کیلئے ہلاکت کے مانند ہے۔ لہٰذا جب یہ مال ان ضرورتوں میں صرف ہوگا تو وہ نہ ہونے کے برابر ہوگا، اور زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جیسے پیاسے کے پاس اگر اتنا ہی پانی ہو کہ وہ پیاس بجھا سکے تو وہ معدوم کے حکم میں ہے اور اسکیلئے اس پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا جائز ہے۔

نام الخ یعنی ایسے مال پر زکوٰۃ واجب ہے جو بڑھنے والا ہو، شرعاً اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اگر یہ قید نہ لگائی جاتی تو بتدریج سارا مال ختم ہو جاتا۔ اور یہ بات باعث حرج و تنگی ہوتی اور شریعت میں حرج و تنگی نہیں۔

کالاطعمۃ الخ - یعنی یہ چیزیں جن کا شمار حوائج اصلیہ میں ہو، خواہ ان کی قیمت بقدر نصاب ہی کیوں نہ ہو جائے ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مملوك ملكا تاما اى رقبة و يدا على حر مكلف اى عاقل بالغ مسلم فلا تجب على مكاتب لعدم الملك التام فان له ملك اليد لا ملك الرقبة و مديون مطالب من عبد بقدر دينه لان ملكه غير فاضل عن الحاجة الاصلية و هي قضاء الدين و انما قيد بكونه مطالبا من عبد حتى لو كان مطالبا من الله تعالى لا يمنع وجوب الزكوة كمن ملك نصابا بعضه مشغول بدين الله كالنذر و الكفارة او الزكوة و لا يشترط لوجوب الزكوة فراغه من هذا الدين و قوله بقدر دينه متعلق بقوله فلا تجب اى لا تجب على المديون بقدر ما يكون ماله مشغولا بالدين :-

---

ترجمہ مملوک ہو ملک تام کے ساتھ یعنی ذاتی طور پر وہ اس کا مالک ہو اور ہر طرح کا تصرف کا اسے اختیار ہو اور زکوٰۃ واجب ہے آزاد عاقل بالغ مسلمان پر پس زکوٰۃ مکاتب پر واجب نہ ہوگی ملک تام کا حاصل نہ ہونے کی بنا پر کیونکہ اسے ملکیت ید تو حاصل ہے کہ اپنے مال و پیسہ میں تصرف کا اختیار ہے مگر ملکیت رقبہ حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ بدل کتابت ادا کرنے سے قبل عقد غلامی سے آزاد نہیں اور اس مقروض پر زکوٰۃ واجب نہیں جس کی ملکیت کے بقدر کوئی شخص اس سے اپنے قرض کا طلبگار ہو کیونکہ حاجت اصلیہ یعنی بقدر ادائیگی قرض سے زیادہ کا مالک نہیں اسلئے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور مصنف نے مطالبا من عبد (لوگوں میں سے کوئی طلبگار ہو) کی قید اسلئے لگائی کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا مقروض ہو جیسے نذر کی ادائیگی واجب ہو تو یہ قرض وجوب زکوٰۃ میں مانع نہ ہوگا۔ جیسے کوئی شخص صاحب نصاب ہو اور اس کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کے قرض میں مشغول اور مالی حرف ہو جیسے نذر کفارہ یا زکوٰۃ تو اسپر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اسپر وجوب زکوٰۃ کیلئے اس قرض سے فارغ ہو جانا اور ادا کر دینا شرط نہیں۔ اور مصنف کا قول۔ بقدر دینہ۔ متعلق ہے مصنف کے قول فلا تجب سے یعنی مقروض کو مال کا جتنا حصہ ادائیگی قرض کیلئے مطلوب ہو کہ اس سے قرض ادا کرے تو اتنے حصہ مال پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

تشریح و توضیح مملوک الخ یعنی اگر مملوک نہ ہو تو زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا مثلاً چھپا ہوا مال اور چوری کردہ مال۔

ای رقبۃ و یدا۔ یعنی وجوب زکوٰۃ اس صورت میں ہوگا جبکہ ملکیت تام حاصل ہو اور ہر طرح تصرف کا حق و اختیار حاصل ہو۔

ای عاقل۔ زکوٰۃ کافر، پاگل، مسلم اور بچہ پر واجب نہ ہوگی۔ علی مکاتب۔ مکاتب وہ غلام ہوتا ہے جسے اسکے آقا نے یہ کہدیا ہو کہ اگر اتنا مال ادا کر دے تو تو عقد غلامی سے آزاد ہے اسپر بھی ملک رقبہ حاصل نہ ہونے اور تاادائے بدل کتابت نعمت آزادی سے ہمکنار نہ ہونے کی بنا پر زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا

ترجمہ: اور مال ضمار یعنی اس مال میں زکوٰۃ واجب ہے جو مالک کے پاس سے کئی برس تک
گم ہو چکا ہو اور نہ اس میں جو سمندر میں گر گیا ہو اور نہ اسمیں زکوٰۃ واجب ہے جو مالک سے کوئی شخص
چھین لے اور اس پر گواہ نہ ہوں، اور نہ اسپر جو جنگل میں گاڑا ہو اور پھر گاڑنے والا اس کی جگہ بھول
گیا ہو اور نہ ایسے قرض میں جس کا مقروض چند برس انکار کرے پھر لوگوں کے سامنے اقرار کرے، تو گزشتہ
کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، یا وہ مال جو ظالم لے لے پھر برسوں بعد مالک کو ملے تو گزری ہوئی مدت کی زکوٰۃ
کا وجوب نہ ہوگا، یہ مثالیں تو ان ضمار کی مثالیں ہیں اور عبارت ... احناف کے نزدیک مال ضمار میں زکوٰۃ
واجب نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بہرحال وجوب زکوٰۃ اس بنیاد پر ہے
کہ وجوب زکوٰۃ کیلئے ملک تام شرط ہے اور مال ضمار میں اگرچہ ملکیت ثابت ہے لیکن ید ثابت نہیں یعنی
رہی اسوقت حسب منشاء تصرف کا اختیار حاصل نہیں، اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب مال ضمار مالک
کو مل جائے تو کیا گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ جس میں مال ضمار رہا گیا واجب ہوگی یا نہیں۔ اس کے برعکس
وہ قرض جو مالدار یا مفلس پر ہو اور وہ اقرار کرتا ہو یا مقروض انکار کرے مگر اسکے خلاف گواہ موجود
ہوں یا قاضی اس سے آگاہ ہو پس یہ مال مالک کو ملنے پر گزشتہ دنوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور
اسمیں مثلاً غلام میں، زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جو اول تجارت کی نیت سے خریدے پھر اس سے خدمت لینے
کی نیت کرے، پھر وہ تجارت کیلئے نہ ہوگا خواہ اسکی تجارت کی نیت ہی کیوں نہ کرلے تاوقتیکہ اسے فروخت
نہ کردے۔ اور جو تجارت کی نیت سے خریدے اسے تجارت کیلئے قرار دیا جائیگا اور اسپر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا
البتہ وہ چیز جو ورثہ میں ملے تجارت کیلئے نہ ہوگی تاوقتیکہ اسے بیچ نہ ڈالے اور جو شخص کسی چیز کا ہبہ یا
وصیت یا نکاح یا خلع یا دیت (جان کے بدلہ مال) کے ذریعہ مالک ہو جائے اور بوقت ملک تجارت کی
نیت کرے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اسے تجارت کے واسطے قرار دیا جائے گا اور زکوٰۃ واجب ہوگی،
امام محمدؒ کے نزدیک واجب نہ ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ امام محمدؒ کے نزدیک واجب ہوگی اور امام ابو یوسفؒ
کے نزدیک واجب نہ ہوگی پس حاصل یہ ہے کہ سونے چاندی اور جنگل میں چرنے والے جانوروں کے
علاوہ زکوٰۃ اسوقت واجب ہوگی کہ تجارت کی نیت کی پھر یہ تجارت کی نیت اسوقت معتبر ہوگی جبکہ سبب
ملک کے پیش آنے کے وقت نیت کی گئی ہو حتی کہ اگر سبب ملک کے وقوع و پیش آنے کے بعد تجارت کی
نیت کی ہو مثلاً غلام میں اول خدمت کی نیت کرے پھر تجارت کی تو اسکی نیت کی بنا پر زکوٰۃ واجب نہ
ہوگی اور یہی معنی ہیں مصنف کے قول "فلا یصیر للتجارۃ" کے اگرچہ تجارت ہی کی نیت کیوں نہ کی ہو۔
پھر ضروری ہے کہ ملک کا سبب اختیاری ہو یہاں تک کہ اگر ورثہ میں تجارت کی نیت کرے تو اسمیں
زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ پھر یہ سبب اختیاری کیا محض خریدنے سے حاصل ہو جائے گا یا نہیں امام ابو یوسفؒ
کے نزدیک حاصل نہ ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک حاصل ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک اختلاف اسکے برعکس ہے

تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خریداری لازمی طور پر سبب ملک ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک نہ ہوگی،
اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت یا مال علیحدہ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت ہونی چاہیئے اور بلانیت زکوٰۃ سارا
مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور کچھ دیا ہو تو اس کی زکوٰۃ امام محمدؒ کے
نزدیک ساقط ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ساقط نہ ہوگی۔ یعنی اگر سارا مال بلانیت زکوٰۃ صدقہ کر
دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اگر مال کا کچھ حصہ صدقہ کیا ہو تو صدقہ کردہ کی زکوٰۃ امام محمدؒ کے نزدیک
ساقط ہو جائے گی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ساقط نہ ہوگی حتیٰ کہ اگر اس کے پاس دو سو درہم ہوں اور
دو سو دراہم صدقہ کرے تو امام محمدؒ کے نزدیک صدقہ کردہ سو درہم کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور امام
ابو یوسفؒ کے نزدیک اس سے کچھ بھی زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی بلکہ سو درہم کی واجب ہوگی۔

تشریح و توضیح

ولا فی مال مفقود الخ یعنی وہ مال جو عرصہ تک مالک کے پاس سے گم رہا ہو اور برسوں کے بعد مالک تک واپس پہونچا ہو تو کیونکہ وہ مال گویا معدوم ہی رہا اسلئے ان گذشتہ برسوں کی زکوٰۃ مالک مال پر واجب نہ ہوگی، اسی طرح وہ مال جو برسوں سمندر میں غرق رہا ہو اور پھر بہت دنوں بعد مالک تک واپس پہونچا ہو اسکی بھی غرق کے عرصہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، ایسے ہی وہ مال جو جنگل میں کہیں دفن کر دیا اور پھر یہ یاد نہ رہا کہ کہاں چھپایا تھا اسی طرح بھولے ہوئے کئی سال گذر گئے اور پھر کئی سال بعد یاد آیا تو بھولے ہوئے برسوں کی زکوٰۃ مالک مال پر واجب ہوگی

الضمار بالکسر ضاد کے زیر کے ساتھ۔ وہ مال جس کی بازیابی کی امید ظاہر کوئی توقع نہ رہی ہو اصل اسکی اضمار اور تغیب ہے۔ کہا جاتا ہے "اضمر فی قلبہ شیئاً" (اسکے دل میں کوئی بات پوشیدہ ہے) مال ضمار میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، "مصنف ابن ابی شیبہ" میں حضرت عمر بن میمون سے منقول ہے کہ ولید بن عبد الملک نے "اہل رقہ" میں سے ابو عائشہ نامی ایک شخص سے بیس لاکھ درہم (جبراً) لیکر بیت المال میں ڈال دئیے پھر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوئے تو اس کا وارث حاضر ہوکر ولید کے ظلم کا فریادی ہوا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے میمون کو لکھا کہ اسے اس کا مال دیدو اور اس سال کی زکوٰۃ اس سے لیلو۔ کیونکہ اگر مال ضمار نہ ہوتا تو ہم اس سے گذشتہ مدت کی زکوٰۃ لیتے،

قود۔ قاف اور واو کے زبر کے ساتھ قصاص۔ فقرنت بہ الخ یعنی خواہ یہ اقتران حکمی ہو تب بھی کافی ہے۔ مثلاً کوئی شخص بلانیت زکوٰۃ فقیر وغیر صاحب نصاب کو دیدے۔ پھر اگر وہ مال فقیر کے پاس موجود ہو تو زکوٰۃ کی نیت کرلے یا وکیل کو دیتے ہوئے زکوٰۃ کی نیت کرلے پھر وکیل بلانیت دیدے بحر الرائق میں اسی طرح ہے، خلافاً لابی یوسفؒ صاحب ہدایہ "ملتقی الابحر" اور قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ واجب ہوگا ہر پچاس میں ایک حقہ۔

تشریح و توضیح خمس ذود یعنی کم سے کم پانچ اونٹ ہوں تو ایک بکری واجب ہوگی اور پانچ سے کم ہوں تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ پانچ اونٹوں سے کم ہوں میں صدقہ (زکوٰۃ) نہیں (بخاری و مسلم میں اس کی صراحت ہے) والبقر گائے کہ اگر تیس ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے متعلق حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن روانہ فرمایا تو حکم دیا کہ ہر تیس گائے میں ایک تبیع یا تبیعہ (ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا) وصول کریں۔ یہ روایت اصحاب سنن وغیرہ نے روایت کی ہے۔ (فتح القدیر) اور چالیس میں ایک بکری ہے۔ پس اگر چالیس سے زیادہ یہ جب چالیس نہ ہوں تو کچھ ان میں کچھ واجب نہیں۔ یہ روایت ابو داؤد وغیرہ میں موجود ہے۔

بخت - با کے پیش کے ساتھ بختی کی جمع۔ وہ اونٹ جو خالص عربی نہ ہو بلکہ عجم کی ہو یعنی جس کا نر عجمی ہو اور مادہ اونٹ عربی ہو اور اونٹنی بختی۔ یا بختی بخت نصر کی طرف منسوب ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے اس مخلوط نسل کی جانب توجہ کی تھی۔

عراب : عین کے زیر کے ساتھ عربی کی جمع ہے بختی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ ان دونوں کا ذکر اس لئے کیا کہ اونٹ کی قسموں میں یہ دو بہت مشہور و معروف ہیں اور حکم کی عمومیت ہے اس طرف اشارہ ہے کہ حکم ان دو قسموں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اسی طرح شاۃ (بکری) اور بقر (گائے) کا حکم اس کی سب اقسام کو شامل ہے۔

بنت مخاض : وہ اونٹنی جو ایک سال کی پوری ہو چکی ہو اور دوسرے سال کا آغاز ہو چکا ہو۔

بنت لبون : وہ بچہ جس کے دو سال پورے ہو چکے ہوں اور اسے تیسرا سال لگ چکا ہو۔ اس کے یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اکثر اس کی ماں اتنی مدت میں دوسرا بچہ جن کر دودھ والی ہو جاتی ہے۔

حقہ : حا کے زیر کے ساتھ اور قاف پر تشدید ہے۔ وہ بچہ جو تین سال کا پورا ہو کر چوتھے سال میں داخل ہو چکا ہو کیونکہ وہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ اس پر سواری کی جا سکے اسلئے اسے حقہ کہتے ہیں۔

جذعہ : وہ بچہ جو چار سال کا پورا ہو کر پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو کیونکہ اس کے دودھ کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں اسلئے اسے جذعہ کہا جاتا ہے۔

وفی ثلثین بقرا او جاموسا تبیع او تبیعۃ ثم فی اربعین مسن او مسنۃ۔ التبیع الذی تم علیہ الحول والتبیعۃ انثاہ والمسن الذی تم علیہ الحولان والمسنۃ انثاہ

تشریح و توضیح — مخیر: یعنی دینے والے کو اس کا اختیار حاصل ہے کہ تبیع ادا کردے یا تبیعہ (مؤنث) یعنی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں۔ مُسِن کا ... حضرت معاذ بن جبل کی حدیث میں اسی طرح ہے (اصحاب سنن نے یہ روایت بیان کی ہے) التبیع: فعیل کے وزن پر کیونکہ یہ اپنی ماں کے ساتھ چلتا اور ساتھ رہتا ہے اسلئے اسے تبیع کہتے ہیں۔ المسن: میم کے ضمہ اور سین کے کسرہ کے ساتھ اسنان سے ماخوذ ہے کیونکہ دانتوں کے نکلنے کا زمانہ ہے اور اکثر دانت اسی عمر میں نکل آتے ہیں اسلئے اسے مسن کہتے ہیں۔ شرعی مقدار: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے۔

(یہ روایت بخاری اور ترمذی میں موجود ہے)

ولا شئ: خچر اور گدھے میں زکوٰۃ نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ گدھوں کے بارے میں (جو غیر تجارتی ہوں) وجوب زکوٰۃ کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ (یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے)

لیسا للتجارۃ: یعنی اگر خچر یا گدھے تجارت کیلئے ہوں تو اس صورت میں ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

الاثقال: ثقل کی جمع، بوجھ۔ العلف: گیاہ، گھاس۔

ولا فی حمل وفصیل وعجیل الا تبعا لکبیر ولا فی ذکور الخیل منفردۃ وکذا فی اناثہا فی روایۃ وفی کل فرس من المختلط بہ الذکور والاناث سائمۃ دینار او ربع عشر قیمتہ نصابا وعندہما لا فیہا ولا فی الحوامل والعوامل والعلوفۃ ولا یاخذ المصدق الا الوسط وان لم یجد المسن فالواجب یاخذ الادنی مع الفضل او الاعلی ویرد الفضل ویضم المستفاد فی وسط الحول فی حکمہ الی نصاب من جنسہ

ای اذا کان لہ مائتا درہم وحال علیہ الحول وقد حصل فی وسط الحول مائۃ درہم یضم المائۃ الی المائتین وقولہ فی حکمہ ای فی حکم المستفاد وہو وجوب الزکوۃ یعنی یعتبر فی المستفاد الحول الذی مر علی الاصل ویمکن ان یرجع ضمیر حکمہ الی الحول والزکوۃ فی النصاب لا العفو فانہ اذا ہلکت خمسا وثلثین من الابل ... وہو بنت مخاض انما ہو فی خمس وعشرین زاد فی المجموع حتی لو ہلک عشرۃ بعد الحول کان الواجب علی حالہ

ترجمہ: بکری کے (ایک سال سے کم) بچے اور اونٹ کے اور گائے کے بچوں میں (خواہ کتنے ہی ہوں) زکوٰۃ نہیں مگر بڑے کے ساتھ (شامل ہو کر) پس بکری کے بچوں میں اگر ایک بکری بھی بڑی ہوگی تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اور صرف اگر گھوڑے نر ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں اور اسی طرح اگر صرف مادہ ہوں تو ایک

روایت کی رو سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اور گھوڑے جن کے نر و مادہ مخلوط اور جنگل میں چرنے والے ہوں تو ایک دینار یا اُن کی قیمت لگا کر اگر نصاب تک پہونچے ہو تو چالیسواں حصہ لازم آئیگا زکوٰۃ، کفارہ اور عشر و نذر میں قیمت کا دینا بھی جائز ہے۔ اور حاکم کی طرف سے صدقہ وصول کرنے والا اوسط درجہ کا مال لیگا۔ اگر واجب شدہ شئی اوسط درجہ کا نہ ملے تو ادنیٰ لیکر کمی کے بقدر قیمت لیلے یا اعلیٰ درجہ کا لیکر اضافہ شدہ لوٹا دے۔ اور جو مال کہ وسط سال میں اصل نصاب سے بڑھ جائے تو وہ اپنی جنس کے نصاب میں مل جائے گا۔ مثلاً اسکے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر سال گذر جائے اور درمیان سال میں سو درہم اور بڑھ جائیں تو یہ سو بھی دو سو میں شامل کئے جائینگے (اور تین سو کی زکوٰۃ واجب ہوگی) اور مصنفؒ کا قول لفظ عکس یعنی درمیان سال میں اضافہ شدہ میں اصل پر جو سال گذر گیا اس کا اعتبار ہوگا (اور کل پر زکوٰۃ واجب ہوگی) اور عکس یہ کہ حکم کا تغیر حول کی طرف لوٹائی جائے اور زکوٰۃ نصاب سے متعلق ہوتی ہے معاف شدہ کا نصاب نہیں ہوتا۔ پس جب کہ پچیس اونٹوں کا مالک ہو تو ایک بنت مخاض واجب ہے۔ سب میں نہیں (یعنی زائد مقدار معاف ہے) یہاں تک کہ اگر سال گذرنے کے بعد پچیس میں دس اونٹ ہلاک ہو جائیں تب بھی وجوب زکوٰۃ بدستور رہے گا۔

تشریح و توضیح ولا فی ذکور الخیل الخ: یعنی اگر صرف گھوڑے ہی گھوڑے ہوں تو راجح قول کے مطابق زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا۔

نصابا الخ: یعنی اسکی قیمت نصاب تک پہونچتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ المصدق الخ باب تفعیل سے مصدق وہ شخص کہلاتا ہے جسے خلیفۃ المسلمین صدقات کی وصول یابی کیلئے مقرر کیا ہو۔

الا الوسط: یعنی اوسط درجہ سے زیادہ کا نہ لینا چاہیئے۔ کیونکہ سنن بیہقی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسط کے علاوہ لینے سے منع فرمایا ہے۔

بجنسہ الخ: واضح رہے کہ اضافہ شدہ کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ یہ اضافہ موجود نصاب کی جنس سے ہو اگر اس جنس سے ہو تو یہ اضافہ اصل نصاب میں ضم ہو جائے گا ورنہ بالاتفاق ضم نہ ہوگا بلکہ اس کا دوسرا حساب ہوگا۔

وهلاك النصاب بعد الحول يسقط الواجب وهلاك البعض حصته ويصرف الهلاك
الى العفو اولا ثم الى نصاب يليه ثم وثم الى ان ينتهي فبقي شاة لو هلك بعد الحول
عشرون من ستين شاة او واحدة من ست من الابل وتجب بنت مخاض لو هلك
خمسة عشر من اربعين بعيرا اي يصرف الهلاك الى العفو اولا فان لم يجاوز الهلاك

فلا اعادة على الملاك وان لم يصرفوا الى مصارفها فعليهم الاعادة خفية اي يؤدونها
الى مستحقيها فيما بينهم وبين الله تعالى وانما قال يفتى ان يعيد واخفية احترازا عن
قول بعض المشايخ انه لا اعادة عليهم لانهم لما تسلطوا على المسلمين فحكمهم
حكم الامام ضرورة وكونه ما يصح منهم تفويض القضاء واقامة الجمعة والاعياد و
غير ذلك وجواب عن هذا ان ما ثبت بالضرورة يتقدر بقدرها يعني نصب القضاة
واقامة ما هو من شعائر الاسلام ضرورة بخلاف الزكوة فان الاصل فيه الاداء خفية
قال الله تعالى وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خير لكم وعن قول بعض المشائخ
انه اذا نوى بالدفع اليهم التصدق عليهم سقط عنهم لما بهم عليهم من التبعات فقراء
والشيخ الامام ابو منصور الماتريدي زيف هذا فانه قال لا يصح اعلام المتصدق
عليه ذاتيا لاخفاء في ان الزكوة عبادة محضة كالصلوة فلا يتأدى الا بالنية الخالصة
لله تعالى ولم توجد انتهى ان العبارة المذكورة في الهداية هكذا والزكوة مصرفها
الفقراء ولا يصرفونها اليهم وقيل اذا نوى بالدفع التصدق عليهم سقط عنه
وكذا الدفع الى كل سلطان جائر لانهم بما عليهم من التبعات فقراء والاول احوط
فيليق ان تتأمل في هذه الرواية انه هل يفهم منها الاسقوط الزكوة عن المظلوم
نظرا اليه ودفعا للحرج عنه وهل في هذه الرواية دلالة على انه يجوز للخوارج واهل
الجور ان يأخذوا الزكوة ويصرفونها الى حوائجهم ولا يصرفونها الى الفقراء جبرا ويلي
انهم فقراء فانظر الى هؤلاء الذين ادرجوا في الايمان ركنا آخر انه كيف يتمسك بهذه
الرواية في نوع لولاة هواة اخذ العشور والزكوة بالصفة المعهودة بل فرض عليهم
ذلك حكمه بكفر من انكره والصفة المعهودة ان يخرجوا الاعوذة في اخذ الخارج من
الارض اضعافا مضاعفة فيضعوا على الملاك الغيم ويأخذونها جبرا وقهرا ويصر
فونها كما هو عادة اهل الاسراف والاتلاف ـ

ترجمہ: اور جانوروں کا چرنا سال کے اکثر حصہ میں (وجوب زکوٰۃ کیلئے) کافی ہے اگر کسی نے زمین کا
سائمہ گھاس، باغیوں نے چرنے والے جانوروں اور عشر اور خراج وصول کر لیا تو مفتی بہ قول یہ
ہے کہ پوشیدہ طور پر دوبارہ دیدے اگر ان کی جگہ پر انہیں خرچ نہ کیا ہو۔ لیکن خراج کا یہ حکم نہیں
کہ دوبارہ ادا کرے، واضح رہے کہ خراج کی وصول یابی کا حق امام کو پہنچتا ہے۔ اور اسی طرح اموال
غنیمہ بہرہ کے خارج کا دسواں حصہ خارج کا اور جنگل چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ اور تجارت

کے مالوں کی زکوٰۃ عشر وصول کرنے والے اپنی حفاظت کے تحت ہیں اگر باغی یا بادشاہ ہمارے زمانہ کے خراج وصول کرلیں تو مالکین سے دوبارہ وصول نہیں کیا جائے گی کیونکہ خراج کا مصرف مقاتلہ ہے اور وہ مقاتلہ سے بے اپنے کردہ کافروں سے جہاد کرتے ہیں۔ اور اگر زکوٰۃ مذکورہ ظاہرے راستہ جانوروں عشر اور اموالِ تجارت کی زکوٰۃ ہو پس اگر وہ ان مصارف یعنی مصارفِ زکوٰۃ پر صرف کردیں تو مالکین سے دوبارہ وصول نہیں کی جائے گی، اگر (باغی یا ظالم) زکوٰۃ کے مصارف پر صرف نہ کریا تو پھر پوشیدہ طور سے زکوٰۃ کے مستحقین تک عنداللہ واجب ہوگی،

اور مصنف کا یہ کہنا بعضی الدین دمین والخفیۃ ... بعض مشائخ (فقہاء) کے اس قول سے احتراز ہے کہ ان پر دوبارہ دینا واجب نہیں اسلئے کہ جب ان باغیوں کا ہمسلمانوں پر تسلط ہوگیا تو ضرور تھا ان کا حکم امام و خلیفہ کا سا ہوا ابتدا ان کی جانب سے منصبِ قضا کی تفویض اسپر ہوگی اور جمعہ و عیدین وغیرہ کا قائم رکھنا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ جبکی ضرورت ثابت ہو تو ضرور تھا اسے یہی قاضیوں کے تقرر اور جماعت جمعہ و عیدین کو اسلامی شعار میں سے ہے سیلم کرلیں گے۔ خلاف زکوٰۃ کے کہ اہل زکوٰۃ میں خفیہ و پوشیدہ طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خیرلکم. (الآیۃ) اگر تم چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور ان بعض مشائخ کے قول سے احتراز ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان باغیوں اور ظالموں کو دیتے وقت صدقہ کی نیت کریں تو زکوٰۃ ان سے ساقط ہو جائے گی لہٰذا انھیں فقراء کے تابع قرار دے کر حکماً فقراء قرار دیں گے اور شیخ ابومنصور ماتریدی کے نزدیک یہ قول ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ صدقہ کردہ شئے مطلع کرنا (دینے والے کو) ضروری ہے یعنی مستحق یہ بتانا کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے، اور نیز یہ واضح ہے کہ زکوٰۃ بھی نماز کی طرح عبادت محضہ (خالص عبادت) ہے پس جبتک خالص اللہ تعالیٰ کیلئے نیت نہ ہو ادا نہ ہوگی اور باغیوں یا ظالموں کو دینے میں یہ نہیں پائی جاتی پھر واضح رہے کہ مذکورہ عبارت ہدایہ کی یہ ہے۔ مصرفِ زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں اور (اس صورت میں) زکوٰۃ ان پر صرف نہیں کریں گے اور بعض کے نزدیک جب ان کو دیتے ہوئے صدقہ کی نیت کرلیا تو ان کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح ظالم بادشاہ کو دینے کی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ یہ ظالم بادشاہ یا باغی، فقراء کے حکم میں ہیں اور پہلا قول زیادہ احتیاط والا ہے۔ تو مجھے اس روایت میں غور کرنا چاہئے کہ کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ مظلوم سے زکوٰۃ کی مقبولیت کو اور وضع حرج و تنگی کو دیکھتے ہوئے (اس طرح دینے سے) ساقط ہو جائے گی اور کیا اس روایت سے اسکی تائید ہوتی ہے تو نہیں ہوتی کہ خوارج اور ظالموں کیلئے زکوٰۃ وصول کرکے اپنی ضرورتوں پر صرف کرنا اور فقراء پر صرف نہ کرنا اسی تاویل سے کہ وہ فقراء (محتاج) ہیں جائز ہے،

لتعينه للأداء وهو سبب [illegible] عشرون مثقالا وللفضة مائتا درهم كل عشرة منها سبعة مثاقيل اعلم ان هذا الوزن يسمى وزن سبعة وهو ان يكون كل عشرة دراهم سبعة جزءًا من الاجزاء التي يكون المثقال عشرة منها اي يكون الدرهم نصف مثقال وخمس مثقال فيكون عشرة دراهم بوزن سبعة مثاقيل والمثقال عشرون قيراطا والدرهم اربعة عشر قيراطا والقيراط خمس شعيرات ۔

ترجمہ ۔ اور اگر لڑکا تغلبی ہو تو اس کے مال سے جزیہ نہ لیں گے اور تغلبی عورت سے مرد کے برابر جزیہ لیا جائے گا ۔ تغلب لام کے زیر کے ساتھ قبیلہ کا نام ہے جس کی طرف قبیلہ منسوب ہوا تغلبی لام کے زبر کے ساتھ جیسا دو کسروں سے وحشت محسوس کرتے ہوئے پڑھتے ہیں اور اتفاقاً کبھی کسرہ کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں صحاح میں ایسا ہی لکھا ہے اور بنو تغلب ایک قوم ہے مشرکین عرب میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے جزیہ طلب کیا تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہم دوگنا صدقہ (زکوٰۃ) دیں گے تو ۔ تو صلح ہوگئی پس حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا جزیہ ہے تم اس کا جو چاہے نام رکھ لو ۔ جب ان سے زکوٰۃ کے دوگنے پر صلح ہوگئی تو ان کے لڑکوں سے نہیں لیں گے اور ان کی عورتوں سے لیں گے مسلمانوں کی طرح باوجودیکہ عورتوں سے نہیں لیا جاتا ۔ اور صاحب نصاب کیلئے جائز ہے کہ ایک سال یا اس سے زیادہ پہلے زکوٰۃ ادا کردے ۔ اور اس کے کئی نصاب ہوں تو کئی نصابوں کی زکوٰۃ کا دے دینا درست ہے ۔ اصل اس بارے میں یہ ہے کہ بڑھنے والا مال وجوب زکوٰۃ کا سبب ہے اور پورا سال گذرنا ادائیگی کے وجوب کی شرط ہے ، تو جب سبب (مال) پایا جائے گا ، ادائیگی صحیح ہوگی خواہ (ابھی) زکوٰۃ (سال پورا نہ ہونے کی وجہ سے) واجب نہ ہو ۔ پس نصاب پائے جانے کی صورت میں سال سے پہلے ادائیگی درست ہوگی ۔ اسی طرح جب کسی کا ایک نصاب ہو جیسے مثلاً دو سو درہم ، اور وہ ایک نصاب سے زیادہ کی مثلاً دو نصابوں کی زکوٰۃ ادا کردے ۔ تو اگر وہ بعد میں ایک سے زیادہ نصاب کا ادائیگی کے بعد مالک ہو جائے تو پہلا ادا کردہ اس کیلئے کافی ہو جائے گا لیکن اگر وہ بالکل نصاب کا مالک نہیں ہوا تو سبب وجوب کے نقدان کے باعث ادائیگی صحیح نہ ہوگی ۔

سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا دو سو درہم ہیں کہ ہر دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں ۔ واضح رہے کہ اس وزن کو وزن سبعہ کہا جاتا ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک درہم کے سات اجزاء ہوں ان اجزاء میں سے کہ ایک مثقال اس کا دسواں حصہ ہو یعنی ایک درہم آدھا اور پانچواں حصہ مثقال کا ہو تو دس درہم سات مثقال کے برابر ہوں گے اور ایک مثقال بیس قیراط کا ہوتا ہے اور ایک درہم

چودہ قیراط کا اور ایک قیراط پانچ جو کا ہوتا ہے۔

تشریح و توضیح قوم من مشتری کی تعریف: یہاں پر شارح سے تسامح ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ عرب کے عیسائیوں میں سے ایک قوم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان کے ساتھ صلح کا واقعہ عبد الرزاق نے مصنف ابن ابی شیبہ میں اور ابو عبید قاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں بیان کیا ہے۔ وجاز التعجیل الخ: یعنی صاحب نصاب کیلئے یہ جائز ہے کہ زکوٰۃ سال پورا ہونے سے قبل ادا کر دے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ دو سال یا دو سال سے زیادہ کی زکوٰۃ پہلے ادا کر دے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایسے نصاب کی زکوٰۃ پیشگی ادا کر دے جس کا ابھی مالک نہیں ہوا اور بعد میں مالک ہوا ہو۔ اصل اس باب میں وہ روایت ہے جو بزار اور طبرانی نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کے مال کی زکوٰۃ دو سال کی پیشگی ادا فرمائی اور ترمذی اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پیشگی ادائیگی زکوٰۃ کی اجازت طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرمادی۔ مثقال: ایک مثقال کی مقدار تین ماشہ اور ایک رتی ہے۔

وفي مصوغه وتبره وعرض تجارة قيمته نصاب من أحدهما مقوما بالأنفع للفقراء ربع عشر أي إن كان التقويم بالدراهم أنفع للفقير قوم عروض التجارة بالدراهم وإن كان بالدنانير أنفع قومت بها ثم في كل خمس زاد على النصاب بحسابه اعلم أن الزكاة لا تجب في الكسور عنده إلا إذا بلغ خمس النصاب فإذا زاد على مائتي درهم أربعون درهما زاد في الزكاة درهم وإذا زاد ثمانون درهما زاد درهمان ولا شيء في الأقل وورق غلب فضته فضة وما غلب غشه يقوم ونقصان النصاب في الحول هدر أي لو كان له في أول الحول عشرون دينارا ثم نقص في أثناء الحول ثم تم في آخر الحول تجب الزكاة ويضم الذهب إلى الفضة والعرض إليهما بالقيمة هذا عند أبي حنيفة وأما عندهما فيضم الذهب إلى الفضة بالأجزاء حتى لو كان له عشرة دنانير وخمسون درهما قيمتها عشرة دنانير تجب عنده لا عندهما وأما إذا كان له عشرة دنانير ومائة تجب بالاتفاق أما عندهما فلتمام الأجزاء وأما عند أبي حنيفة فإنه إن كان قيمة عشرة دنانير فظاهر وإن كانت أكثر فكذا لوجود نصاب الذهب من حيث القيمة فتجب الزكاة وإن كانت أقل تكون قيمة عشرة دنانير أكثر من قيمة مائة درهم ضرورة

فتجب باعتبار وجود نصاب النصف من حیث القیمۃ ۔

ترجمہ: اور سونے و چاندی (ڈھلا ہوا مثلاً دینار و درہم ہو یا بغیر ڈھلا) اور تجارت کا سامان جن کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہو سونے یا چاندی میں سے اور فقراء کیلئے زیادہ سود مند ہو تو ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ ادا کریں گے یعنی اگر دراہم کے ساتھ قیمت لگانا فقیر کیلئے نفع بخش ہو تو تجارت کے سامان کی قیمت دراہم سے لگائی جائے گی اور اگر دیناروں سے قیمت لگانا نفع بخش ہو تو دیناروں سے یعنی سونے کے سکے سے لگائیں گے۔ پھر جب نصاب پر پانچواں حصہ بڑھ جائے گا تو اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی، اور معاف رہے گی زکوٰۃ کسور یعنی نصابوں کے درمیان عدد پر۔ واجب نہیں ہوگی الا یہ کہ جب نصاب کے پانچواں حصہ کے بقدر بڑھ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ پس اگر دو سو دراہم پر چالیس درہم کا اور اضافہ ہو جائے تو زکوٰۃ میں ایک درہم اور دینا پڑے گا اور اگر اسی درہم بڑھ جائیں تو دو درہم واجب ہوں گے اور نصاب کے پانچویں حصہ سے کم بڑھنے پر کچھ واجب نہ ہوگا اور وہ چاندی کا (یا درہم) جس میں غالب چاندی ہو اور کھوٹ کم ہو تو وہ (سارا کا سارا) چاندی ہے اور کھوٹ غالب ہو (مثلاً درہم میں تانبا زیادہ ہو) تو قیمت لگائی جائے گی۔ اور وہ نقصان جو سال کے درمیان نصاب میں واقع ہو وہ معاف و ناقابل اعتبار ہے یعنی اگر کسی کے پاس شروع سال میں بیس دینار ہوں پھر سال کے درمیان کم ہو جائیں اور سال کے آخر میں پھر بیس پورے ہو جائیں تو پورے بیس دینار کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور سونے کو چاندی سے ملا دیں گے اور سامان دونوں کے ساتھ باعتبار قیمت ملایا جائے گا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی سے باعتبار اجزاء ملائیں گے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس دس دینار اور نصف دراہم ہوں جن کی قیمت دس دینار ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی اور امام ابو یوسف و امام محمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی لیکن اگر اسکے پاس دس دینار اور سو دراہم ہوں تو تینوں کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب ہوگا لیکن امام ابو یوسف و امام محمدؒ کے نزدیک اجزاء کو ضم کرنے کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوگی اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر سو دراہم کی قیمت دس دینار ہوں تو حکم ظاہر ہے کہ زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر دس دینار سے زیادہ ہو تب بھی زکوٰۃ کا وجوب ظاہر ہے کیونکہ سونے کا نصاب باعتبار قیمت پا لیا گیا لہٰذا زکوٰۃ کا وجوب ہوگا اور اگر سو دراہم کی قیمت دس دینار سے کم ہو تو دس دینار کی قیمت مثلاً سو دراہم کی قیمت سے زیادہ ہوگی پس چاندی کا نصاب باعتبار قیمت پائے جانے کی بنا پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

تشریح و توضیح: مضروب - ڈھلا ہوا۔ خواہ سونا یا چاندی سکہ کی شکل میں ڈھلا ہوا ہو یا برتنوں وغیرہ کی شکل میں ڈھالا گیا ہو۔ ڈھلے ہوئے کو معمول اور غیر ڈھلے

نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ سوائم (چوپاؤں) میں چوپایوں کا صدقہ فقیر کو دینا درست نہیں۔ بلکہ بادشاہ یا اس کا نائب ہی اس سے وصول کرکے اس کو اس کے مصرف میں صرف کرے گا۔ یا وہ دعویٰ کرے کہ اس سال کی زکوٰۃ وہ دوسرے عاشر (عشر وصول کرنے والے) کو ادا کرچکا ہے۔ تو اس کا قول مانا جائے گا۔ بشرطیکہ دوسرا عاشر اس سال موجود ہو۔ یعنی اگر مال والا دعویٰ کرے کہ وہ دوسرے عاشر کو ادا کرچکا ہے۔ درآں حالیکہ دوسرا عاشر اس سال موجود ہو اور عاشر کے وصول کرنے کی تحریر کی تصدیق ضروری نہ ہوگی۔ یعنی یہ شرط نہیں کہ دوسرا عاشر اس کے بری الذمہ ہونے کی تصدیق کرے بلکہ صاحب مال کا قول مع الحلف معتبر ہوگا اور جس بارے میں مسلمان کا قول معتبر ہوگا ذمی (دارالاسلام کے غیر مسلم باشندے) کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن حربی کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اگر حربی اپنی باندی کے بارے میں کہے کہ یہ میری ام ولد ہے تو اس کا اعتبار کریں گے۔ یعنی اگر حربی دعویٰ کرے کہ یہ باندی میری ام ولد ہے تو تصدیق کی جائے گی اور اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔

اور مسلمان سے عشر وصول کرنے والا چالیسواں حصہ اور ذمی سے بیسواں حصہ اور حربی سے دسواں حصہ اگر مال اس کا نصاب کو پہونچ جائے۔ درآنحالیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ (اہل حرب) ہم (مسلمانوں) سے کتنا لیتے ہیں۔ یعنی یہ خبر نہ ہو کہ جب مسلمان تاجر دارالحرب سے گزرتے ہیں تو حربی کس قدر وصول کرتے ہیں۔ اور اگر معلوم ہو جائے تو اتنا ہی ہم بھی ان سے لیں گے بشرطیکہ وہ کل مال نہ لیتے ہوں، بلکہ بعض لیتے ہوں۔ یعنی اگر معلوم ہو کہ ہم (مسلمانوں) سے اہل حرب کتنا لیتے ہیں تو ہمارا عاشر حربی کو اسکے مانند وصول کرے گا۔ بشرطیکہ وہ کچھ حصہ لیتا ہو۔ حتی کہ اگر وہ (حربی) ہمارا کل مال لے لیں تو ہمارا عاشر دارالاسلام سے گذرنے والے حربی کا کل مال نہ لے گا۔

تشریح و توضیح من نصب الخ۔ یعنی وہ شخص جو عشر کی وصول یابی کیلئے بادشاہ کی طرف سے مقرر ہو۔ عاشر کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ آزاد ہو غلام نہ ہو، دوسرے یہ کہ وہ مسلمان ہو کافر نہ ہو اور وہ چوروں سے بچاؤ (حفاظت اموال) پر قادر ہو تاکہ وصول کردہ مال کا پوری طرح تحفظ کرسکے۔ درمختار وغیرہ میں اسی طرح ہے۔ ابن ہمامؒ۔ کیونکہ خاص طور پر اسکی وصول یابی کا حق بادشاہ یا اسکے نائب کو ہے، اسلئے اس کی سابقہ ادائیگی باطل ہو جائے گی۔

او دفعنا آخر۔ یعنی صاحب مال یہ کہے کہ میں دوسرے عاشر کو زکوٰۃ دے چکا ہوں تو بحلف اس کا قول معتبر مانا جائے گا۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ دوسرا عاشر جس نے اسے زکوٰۃ دی ہو وہ اہل عدل میں سے ہو اور بادشاہ کا مقرر کردہ ہو۔ اگر یہ معلوم ہو کہ وہ کسی ظالم باغی کا مثلاً خوارج کا مقرر کردہ ہو تو اس سے دوبارہ وصول کی جائے گی اور دوسرے عاشر کو دیئے گئے زکوٰۃ کالعدم شمار ہوگی۔

لیکر گذرے تو شراب کا بیسواں حصہ وصول کریں گے۔ اور اگر بعض خنزیر لیکر گذرا ہو تو کچھ وصول نہ کریں گے اور فرق ہمارے نزدیک (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق) یہ ہے کہ خنزیر قیمت والی اشیاء میں سے ہے پس اسکی قیمت کا لینا گویا اس کا لینا ہے اور خمر (شراب) ذوات الامثال میں سے ہے پس اسکی قیمت بعینہٖ اسی شے کا لینا نہ ہوگا اور اگر کوئی شخص مال بضاعت لیکر گذرے تو عاشر اس میں سے کچھ نہ لیگا۔ اور تجارت کی اجازت دیا گیا غلام اگر غیر مقروض ہوا اور اس کا آقا اسکے ساتھ ہو تو اس سے وصول کرے یعنی اگر عاشر کے پاس سے کوئی ایسا غلام گذرے جسکو آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہو۔ پس اگر وہ مدیون و مقروض ہو تو اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا اور اگر مدیون نہ ہو تو اسکی کمائی سے آقا کی ملکیت ہے۔ پس اگر اس کا آقا اسکے ہمراہ ہو تو اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اگر اس کا آقا ساتھ نہ ہو تو اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی

تشریح و توضیح ولا من قیمتہا الخ یعنی اگر حربی تاجر گذرے اور اسکے پاس نصاب سے کم مال ہو تو عاشر اس سے کچھ نہیں لے گا۔

وان لم یذکرہ۔ یعنی اگر چہ عبارت میں صراحتاً اس کا ذکر نہیں مگر ضمیر اسکی طرف لوٹ رہی ہے اور اتنا ہی کافی ہے۔ ونصف العشر۔ مراد اس سے نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

عند الشافعی۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کافر محض شراب لیکر گذرے تو امام شافعی کے نزدیک عاشر اس سے کچھ وصول نہ کرے گا کیونکہ شراب اور خنزیر اگرچہ کفار کے حق میں مال متقوم ہیں اور خمر (شراب) ان کیلئے سرکہ کی طرح اور ان کیلئے خنزیر ہماری بکری کی طرح ہے اور بعض اسکی بیع و خرید سے روکا نہیں جاتا مگر شرعاً مسلمانوں کے حق میں انکی کوئی قیمت نہیں اور یہ دونوں مسلمانوں کے حق میں مال متقوم نہیں۔ امام زفر کے نزدیک دونوں میں عشر لیا جائے گا کیونکہ اگرچہ یہ دونوں مال متقوم نہیں لیکن انکی قیمت کا لینا یہ ہے اور اصل شے کا لینا نہیں اور سبب اخذ موجود ہے یعنی ان کی حفاظت اور وہ چیز جو ان کے نزدیک متقوم ہے ہمارے لئے اسکی حفاظت واجب ہے۔ بضاعۃ الخ۔ بضاعۃ لغت میں مال کے ٹکڑے و حصہ کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں جو مال کہلاتا ہے جو مالک مال کسی شخص کو فروخت کرنے اور حصول نفع کیلئے دے اور مضاربت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو تجارت کا مال اس شرط کے ساتھ دے کہ فروخت کرنے والا اور وہ دونوں نفع میں شریک رہیں گے۔

پس ان دونوں صورتوں میں یہ مال امانت ہے تاجر کے ہاتھ میں اور اسکی ملکیت نہیں۔ لہٰذا اس سے عشر نہیں لیا جائے گا لانہ یعنی منہ الخ کیونکہ غلام کا مال آقا کا ہے خود غلام کی ملکیت نہیں لہٰذا اس سے کچھ وصول نہ کریں گے۔

باب الرکاز

الرکاز هو المال المرکوز في الارض مخلوقا کان او موضوعا والمعدن ما کان مخلوقا والکنز ما کان موضوعا معدن ذهب او فضة او نحو حدید وجد في ارض خراج او عشر خمس وباقیه للواجد ان لم تملك ارضه والا فلمالکها ولا شيء فیه ان وجد في داره وفي ارضه روایتان ولا في لؤلؤ وعنبر وفیروزج وجد في جبل وکنز فیه سمة الاسلام کاللقطة وما فیه سمة الکفر خمس وباقیه للواجد ان لم تملك ارضه والا فللمختط له اي لمالك اول الفتح وركاز صحراء دار الحرب كله لمستأمن وجده اي اذا دخل تاجر دار الحرب بامان فوجد في صحرائها رکازا فکله له وان وجد في دار منهم رده الی مالکها وان وجد رکاز متاعهم في الارض منها لم تملك خمس وباقیه له۔

ترجمہ رکاز اس مال کو کہتے ہیں جو زمین میں گڑا ہوا ہو خواہ وہ زمین کے نیچے پیدا ہوا ہو یا رکھا گیا ہو اور معدن (کان) وہ کہلاتا ہے جو زمین کے نیچے پیدا ہوا ہو اور کنز (خزانہ) وہ کہا جاتا ہے جو رکھا گیا ہو۔ زمین میں پائی جانے والی سونے وغیرہ کی کان میں اگر زمین خراجی یا عشری ہو تو پانچواں حصہ واجب ہوگا۔ اور باقی میں اگر زمین کا کوئی مالک نہ ہو تو سارا پانے والے کا ہے۔ اور اگر زمین کا کوئی مالک ہو تو پانچویں حصے کے بعد باقی مالک کا ہے۔ اور کسی کے گھر میں نکلے تو اس میں کچھ واجب نہیں ہوتا۔ اور اپنی زمین میں نکلے تو اس کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک روایت کی رو سے واجب ہوتا ہے اور ایک روایت کے تحت کچھ واجب نہیں ہوتا۔ اور پہاڑ میں اگر موتی عنبر اور فیروزہ جیسی چیز ملے تو ان میں پانچواں حصہ واجب نہیں ہوتا اور وہ خزانہ جس میں اسلامی سکہ ہو تو اس کا حکم لقطہ یعنی گری پڑی چیز کا سا ہے۔ اور جس میں کفر کا سکہ (و علامت) ہو تو اس میں پانچواں حصہ واجب ہوگا اور باقی پانے والے کا ہوگا۔ بشرطیکہ وہ زمین اس کی ملک نہ ہو ورنہ جو شہر فتح کرنے کے وقت اول مالک ہو اس کا ہے اور دار الحرب کے صحراء کے رکاز کا حکم سارا پانے والے مستامن کا ہے یعنی اگر ہمارا تاجر مسلمان دار الحرب میں امان لیکر داخل ہو اور وہ صحراء میں رکاز پائے تو سارا اسی کا ہوگا۔ اور اگر اسے کسی حربی کے گھر میں ملے تو پانے والا مالک کو لوٹا دے گا۔ اور اگر دار الحرب کی ایسی زمین میں پائے جس کا کوئی مالک نہ ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی پانے والے کا ہوگا۔

تشریح و توضیح المرکوز اسم مفعول گڑا ہوا۔ وہ مال جو زمین میں گاڑا گیا ہو یا قدرتی طور پر زمین

الذمي من المسلم العشرية ثم ردت على المسلم لفساد البيع عادت عشرية كما كانت
ولو دار جعلت بستانا فخراج ان كانت لذمي او لمسلم سقاها بمائه اي بماء الخراج وان
سقاها بماء العشر فعشر وماء السماء والبير والعين عشري وماء انهار حفرها الاعاجم
خراجي كنهر يزدجرد ونحوه وكذا سيحون وجيحون ودجلة والفرات عند ابي يوسف
وعشري عند محمد ولا شيء في عين قير ونفط في ارض عشر وفي ارض خراج في حريمها
الصالح للزراعة خراج لا فيها اي ان كان حريم العين صالحا للزراعة يجب فيه الخراج لا في

ترجمہ: عشری زمین اور پہاڑ کے میوے اور زمین سے نکلنے والی چیزوں میں اگرچہ یہ زمین سے نکلنے
والی چیز پانچ وسق تک نہ پہنچے اور پورے سال بھی باقی نہ رہے اور اسے جاری پانی رہٹ دریا
اور نہر کے پانی، یا بارش کے پانی سے سینچا ہو، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دسواں حصہ واجب ہوگا۔
عشر، مبتدا ہے۔ اور مصنفؒ کا قول "فی مسل الارض" اس کی خبر ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور
امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں کچھ واجب نہ ہوگا اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک
صاع آٹھ رطل یعنی چار سیر کا ہوتا ہے۔ نیز ان کے نزدیک سبزیوں میں اور ان چیزوں میں جو سال
بھر تک باقی نہیں رہتیں صدقہ نہیں ہے۔ اور واضح رہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سبزیوں کا صدقہ
مالک فقیر کو دیدے یہ نہیں کہ بادشاہ وصول کرے۔ قاضی ابو زید الدبوسیؒ کی "الاسرار" نامی
کتاب میں اسی طرح ہے۔ اور لکڑی وغیرہ جیسے نرکل اور گھاس میں صدقہ واجب نہیں اور ڈول وغیرہ
سے پانی دیا جائے تو اس میں سے بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا۔ اور صدقہ دے کر پھر زراعت
(وغیرہ) کی مزدوری یعنی لانے وغیرہ کی اجرت سے پہلے نکالا جائے گا یعنی پورا عشر یا نصف
عشر نکال کر باقی میں اجرت دی جائے گی۔ اور تغلبی کی عشری زمین میں جو نکلا اس میں سے
پانچواں حصہ واجب ہوگا۔ اس حکم میں تغلبی مرد اور لڑکا اور عورت برابر ہیں۔ اگرچہ وہ مسلمان ہو جائے
یا وہ زمین مسلمان یا ذمی خرید لے۔ واضح رہے کہ عشر مسلمان تغلبی لڑکوں کی زمینوں سے لیا جاتا
ہے لہٰذا ان کا دوگنا تغلبی لڑکوں سے لیا جائے گا اور ان سے یہ دوگنا عشر ان کے اسلام قبول کرنے
کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک
اسلام قبول کرنے کی صورت میں دسواں حصہ لازم ہوگا۔ کسی مسلمان کی عشری زمین کو ذمی نے
خرید لیا تو اس سے خراج وصول کیا جائے گا۔ اور مسلمان نے جو زمین بطور شفعہ لی ہو یا بیع فاسد
ہونے کی وجہ سے اسے لوٹا دی گئی ہو اس میں مسلمان سے عشر لیا جائے گا۔ یعنی اگر مسلمان نے ذمی
سے شفعہ کے طور پر لی یا ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی پھر بیع فاسد ہونے کی وجہ سے

اسے لوٹا دی گئی ہو یعنی مسلمان سے عشر لیا جائے گا یعنی اگر مسلمان نے ذمی سے شفعہ کے طور پر لی یا ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی پھر بیع فاسد ہونے کی بنا پر مسلمان کو واپس کر دی تو وہ زمین پہلے کی طرح عشری ہو جائے گی اور ذمی خراجی زمین میں باغ لگائے تو اس سے خراج لیا جائے گا یا مسلمان لگائے اور اسے خراجی پانی سے سینچے تو خراج ہی لازم ہوگا اور اگر عشری پانی سے سینچتا ہو تو عشر واجب ہوگا آسمان کا پانی، بارش کا پانی، اور کنویں اور چشمہ کا پانی عشری ہے اور ان سے سینچنے پر عشر واجب ہوگا، اور ان نہروں کا پانی جو عجمیوں نے کھودی ہوں مثلاً نہر یزدجرد وغیرہ خراجی ہے اور اسی طرح دریائے سیحون، جیحون، دجلہ اور فرات کا پانی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خراجی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک عشری ہے اور قیر اور نفط کے چشمہ میں عشری زمین میں ہوں تو کچھ واجب نہیں اور خراجی زمین میں ہو اور چشمہ کے ارد گرد کھیتی ہو سکتی ہو تو اس زمین میں خراج واجب ہوگا چشمہ پر نہ ہوگا یعنی اگر چشمہ کے ارد گرد کھیتی ہو سکتی ہو تو اس زمین میں خراج واجب ہوگا چشمہ پر نہ ہوگا یعنی اگر چشمہ کی ارد گرد کی زمین میں زراعت کی صلاحیت ہو تو اس میں خراج واجب ہوگا۔ چشمہ پر کوئی خراج واجب نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح فی عسل الخ اسکے اطلاق میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں سے عشر نکالا جائے گا اگرچہ کم ہو۔ امام ابو یوسفؒ کے ایک قول کے مطابق اگر اسکی قیمت دس وسق تک پہنچتی ہو تو عشر نکالا جائے گا ورنہ نہیں قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ شہد میں عشر نہ نکالا جائے کیونکہ یہ حیوان (شہد کی مکھی) سے متولد ہوتا ہے زمین سے پیدا نہیں ہوتا پس یہ ریشم کی طرح ہو گیا لیکن اس قیاس کو اس وجہ سے ترک کیا جاتا ہے کہ سنن ابوداؤد و نسائی اور ترمذی، معجم طبرانی وغیرہ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے عشر لیا۔

سیح انہار: اس سے مراد نہروں کا پانی ہے۔

نصف عشر: کیونکہ کنووں سے سینچنے اور سیراب کرنے میں مشقت و کلفت زیادہ ہے چنانچہ شریعت میں کلفت کا لحاظ رکھتے ہوئے تخفیف کر دی اور بجائے عشر کے نصف عشر واجب کیا۔

وضعف تغلبی: یعنی تغلبی سے بہر صورت مسلمان سے دوگنا لیا جائے گا بنی تغلب عرب عیسائیوں کی ایک قوم ہے جس نے جزیہ کی ادائیگی سے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ان سے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے مسلمان کے مقابلہ میں دوگنا لیا جائے گا۔

رجلہ الخ: یعنی اس کے حکم میں کوئی فرق نہ پڑے گا تغلبی مرد و بالغ شخص ہے یا لڑکا و نابالغ یا عورت ان سب کے حکم برابر ہے کہ مسلمان کی بہ نسبت دوگنا ادا کریں گے۔

الا عاشر: یعنی مگر وہ عرب ملک کے علاوہ دوسرے کفار مثلاً یزدجرد یا یزدگرد ایران کا سلطنت

اور وہ شخص کہ حج سے رک جائے امام محمدؒ کے نزدیک۔ (۸) اور مسافر کہ اسکے پاس مال ہو مگر اسکے
ساتھ نہ ہو اور زکوٰۃ دینے والے کیلئے درست ہے کہ ان سب مصارف زکوٰۃ کو دے یا ان میں سے
بعض کو دے اسمیں امام شافعیؒ کے قول سے احتراز ہے کیونکہ ان کے نزدیک سارے مصارف پر صرف
کرنا ضروری ہے اور ہر مصرف میں تین آدمیوں کو عطا کرے کیونکہ جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے
اور ہم کہتے ہیں کہ جب لام جمع پر داخل ہو اور اس کا حمل معہود خارجی اور استغراق پر ممکن نہ ہو تو اس
سے جنس مراد لینگے اور جمعیت باطل ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ لا یحل لک النساء من بعد
یہاں جنس نساء مراد ہے پس اس جگہ زکوٰۃ مصارف میں نہ عہد مراد ہے اور نہ استغراق اسلئے
کہ اگر استغراق مراد لیں تو اس سے وہ تمام صدقات مراد ہوں گے جو دنیا میں سارے فقراء کیلئے ہیں جیسا
جائز نہیں کہ ان میں سے کوئی محروم ہو اور یہ کسی کے بس میں نہیں علاوہ ازیں اگر سارے صدقات
کا ان سب فقراء کیلئے ارادہ کیا جائے یعنی لام استغراق کا ہو تو یہ واجب نہیں کہ ہر صدقہ ساری اصناف فقراء
کو دیا جائے اور نہ یہ کہ ہر صنف (قسم) میں سے تین کو دیا جائے تو اس قول کی طرح ہے کہ یہ صدقہ
فقیر اور مسکین کیلئے ہے۔ سو اسمیں تخصیص نہیں، اور یہ مراد نہیں کہ صدقہ ان سب مذکورین کا الگ
پہ صدقہ کیا جائے۔ اسلئے کہ اگر اصناف پر تقسیم کیا جائے تو جو فقیر کو ملے گا بلاشبہ اس پر صدقہ کا اطلاق ہوگا
پس واجب ہے کہ وہ بھی مقسوم (تقسیم کیا گیا) ہو۔ لہذا تسلسل لازم آئے گا۔ اسکے برعکس اگر کوئی
کہے کہ میرا تہائی مال فقراء اور مساکین کیلئے ہے پس معلوم ہوا کہ آیت میں مصرف کا بیان مراد ہے تقسیم
مراد نہیں۔ اھ

تشریح و توضیح

باب المصارف الخ یعنی زکوٰۃ اور عشر کے مصارف۔ یہی مصارف
صدقہ فطر کفارہ اور نذر وغیرہ صدقات واجبہ کے ہیں اور اصل اسمیں یہ
ارشاد ربانی ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی
الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس یہ آٹھ قسمیں ہیں۔ ان میں
سے مؤلفۃ قلوبہم، ساقط ہوگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضعیف الاسلام لوگوں کو تالیف
قلوب اور استحکام علی الاسلام کیلئے کچھ عطا فرمادیا کرتے تھے اس طرح بعض مشہور لوگوں کی شرارت سے
حفاظت کی خاطر بھی ایسا کیا جاتا تھا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا تو یہ لوگ حضرت
ابوبکرؓ کے پاس پھر حضرت عمرؓ کے پاس آئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں
تالیف علی الاسلام کیلئے عطا فرمادیا کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کردیا پس
اب ہمارے اور تمہارے درمیان صرف یہ تلوار ہے۔ یہ لوگ لوٹ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور
بولے کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمرؓ حضرت ابوبکرؓ نے ۔ ۔ ۔ حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق

کرتے ہوئے ان کا حصہ صحابہ کرام کی موجودگی میں باطل قرار دیا لہٰذا اس پر صحابہ کا اجماع ہوگیا
ولمصرفی الخ - یعنی زکوٰۃ دینے والے کیلئے جائز ہے کہ تمام ذکر کردہ اصناف پر صرف کرے یا بعض پر
اور اگر ان میں سے صرف ایک صنف پر صرف کرے تب بھی درست ہے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ
عنہ سے منقول ہے کہ آپ زرِ صدقہ وصول فرما کر ایک صنف میں صرف کرتے اور حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تم جس صنف میں چاہے صرف کر دو تمہارے لئے کافی ہے تفسیر
طبری میں حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد منقول ہے۔
کما فی مؤلفۃ قلوبہم - یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہراتؓ کے بعد مزید نکاح کی ممانعت کردی گئی
یہاں آیت کریمہ میں بجنس نساء مراد ہے۔

ولا الی بناء مسجد وکفن میت وقضاء دینه وثمن ما یعتق لانه لا بد ان یملك المستحقین فیهن اما ثانی المختصر فیصرف الی الکل او البعض تملیکا ولا الی من بینهما ولاد او زوجیه ای لا یعطی اصله وان علا وفرعه وان سفل ولا یعطی الزوج زوجته ولا الزوجة زوجها ومملوکه ای مملوك المزکی وعبد عتق بعضه وغنی ومملوکه ای مملوك الغنی والمراد غیر المکاتب اذ یجوز ان یدفع الی مکاتب الغنی وطفله ای طفل الرجل الغنی وبنی هاشم وهم آل علیؓ وعباسؓ وجعفر وعقیل والحارث بن عبد المطلبؓ ومموالیهم ای معتقی هؤلاء ولا الی ذمی وجاز غیرها الیه ای جاز ان یصرف الی الذمی صدقة غیر الزکوٰة ودفع الی من ظن انه مصرف فبان انه عبده او مکاتبه یعیدها وان بان غناه او کفره او انه ابوه او ابنه او هاشمی لم یعید خلافا لابی یوسفؒ ووجب دفع ما یغنیه عن السؤال یومه وکره دفع مائتی درهم الی فقیر غیر مدیون ونقلها الی بلد آخر الا الی قریبه او الی احوج من اهل بلده

ترجمہ: اور زکوٰۃ کے مال سے مسجد کی تعمیر اور میت کا کفن اور میت کے قرض کی ادائیگی اور غلام خرید
کرا سے آزاد کرنا درست نہیں اسلئے کہ مال زکوٰۃ میں مستحقین میں سے کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا
ضروری ہے۔ پس اسلئے مختصر میں کہا کہ زکوٰۃ دینے والا سارے مستحقین مصارف زکوٰۃ یا بعض
کو مالک بنائے گا اور زکوٰۃ دینا اسے درست نہیں کہ زکوٰۃ دینے اور لینے والے کے درمیان ولادت
یا زوجیت کا علاقہ ہو۔ یعنی زکوٰۃ دینا اصل (باپ دادا پردادا) میں سے کسی کو اوپر تک اور فرع
(بیٹا بیٹی اور ان کی اولاد) کو نیچے تک دینا درست نہیں اور شوہر کا بیوی کو اور بیوی کا شوہر کو

زکوٰۃ دینا درست نہیں اور نہ زکوٰۃ دینے والے کے غلام کو اور نہ اس کے ایسے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جس کا بعض حصہ آزاد ہو چکا ہو۔ اور نہ مالدار اور نہ اسکے غلام کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ اور مملوک (غلام) سے مراد مکاتب کے علاوہ ہے اسلئے کہ مالدار کے مکاتب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور مالدار کے نابالغ بچے اور بنی ہاشم یعنی آل علی و آل عباس و آل جعفر و آل عقیل و آل حارث بن عبد المطلب اور انکے آزاد کردہ غلاموں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور ذمی کو زکوٰۃ دینا درست نہیں اور اسکے علاوہ دوسرا صدقہ دینا جائز ہے:

اگر مالک نصاب مصرف سمجھ کر کسی کو زکوٰۃ دیدے پھر معلوم ہو کہ وہ اسی کا غلام یا اسی کا مکاتب ہے تو دوبارہ ادا کرے۔ اور اگر اس کا مالدار یا کافر ہونا یا اس کا باپ یا اس کا بیٹا یا ہاشمی ہونا معلوم ہو تو از سر نو ادا نہ کرے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک از سر نو ادا کرے۔ اور ایک فقیر کو اتنی زکوٰۃ دینی مستحب ہے کہ اسے ایک دن کے سوال سے بے نیاز کردے۔ اور یہ مکروہ ہے کہ ایک غیر مقروض فقیر کو دو سو درہم دیدے (یعنی نصاب کے بقدر عطا کردے) اور یہ مکروہ ہے کہ ایک شہر کا مال زکوٰۃ (بلا ضرورت) دوسرے شہر میں بھیجا جائے البتہ اگر اپنے عزیز یا اپنے شہر سے زیادہ ضرورت مند کو بھیجے تو مضائقہ نہیں:

تشریح و توضیح

(ولا الی بناء المسجد الخ) زکوٰۃ کا صرف کرنا وہاں جائز نہیں جہاں کسی مستحق کی تملیک نہ ہو مثلاً مسجدوں کی تعمیر اور پلوں وغیرہ کی تعمیر اسی طرح میت کی تجہیز و تکفین و تدفین کا خرچ اسلئے کہ میت مالک نہیں ہو سکتی اسی طرح میت کے قرض کی ادائیگی

(ولا الی اصله الخ) کیونکہ اصول کے منافع ان کے درمیان مشترک اور متصل ہیں اسلئے تملیک علی وجہ الکمال حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ایسے رشتہ دار کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

(وطفله الخ) اور مالدار کے لڑکے (نابالغ) کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں کیونکہ مالدار کا لڑکا جب تک چھوٹا و نابالغ ہو تو وہ بھی باپ کی مالداری سے مالدار شمار ہوگا اور منافع دونوں کے درمیان مشترک ہونگے اصل اس بارے میں یہ حدیث ہے کہ مالدار کیلئے صدقہ حلال نہیں۔ (یہ روایت ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے)

(وهم آل علی الخ) حضرت عباسؓ اور حضرت حارثؓ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں حضرت عباسؓ اسلام لائے اور بعض صحابہ میں ان کا شمار ہے حضرت جعفرؓ و حضرت عقیلؓ حضرت علیؓ کے بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں اور یہ سب بنو ہاشم میں داخل ہیں۔

(ومولاهم) بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام ابو رافعؓ کو صدقہ کھانے سے منع فرمایا اور ارشاد ہوا

ترجمہ صدقۂ فطر واجب ہے گندم یا اس کے آٹے یا اس کے ستو یا خشک انگور سے نصف صاع اور خرما یا جو سے ایک صاع یعنی وہ صاع جس میں آٹھ رطل ماش یا مسور سما جاتے ہیں۔ صاع ایک پیمانہ ہے جس میں آٹھ رطل سما جاتے ہیں پس صاع کا اندازہ آٹھ رطل ماش یا مسور سے لگایا گیا اور ان دونوں سے اس واسطے لگایا گیا کہ دونوں کے دانوں کے درمیان بڑے اور چھوٹے ہونے اور خالی اور بھرے ہوئے ہونے کے اعتبار سے بہت معمولی فرق ہے اس کے برعکس ان دونوں کے علاوہ دانوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اور میں نے ماش اور عمدہ بھرے ہوئے گندم اور جو کو تولا اور انہیں پیمانہ میں رکھا تو ماش گندم سے زیادہ بھاری نکلی اور گندم جو سے بھاری نکلے پس وہ پیمانہ جو آٹھ رطل ماش سے بھر جاتا ہے وہ آٹھ رطل سے کم عمدہ بھرے ہوئے گندم سے لبریز ہو جائے گا۔ لہٰذا زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ صاع کا اندازہ آٹھ رطل عمدہ گندم سے لگایا جائے اس لئے کہ اگر عمدہ بھرے ہوئے گندم سے اندازہ لگایا گیا تو جب پیمانہ میں آٹھ رطل اس گندم سے بھر جائیں گے تو وہ لبریز ہو جائے گا اگرچہ وہ اس گندم کی مقدار سے کم میں بھر جائے گا جبکہ گندم کمزور نہ ہوں لیکن اگر ماش سے اندازہ لگایا جائے تو وہ پیمانہ اس سے کم ہوگا اور اس میں گندم کی انواع میں سے آٹھ رطل نہ سما سکیں گے پس پیمانہ صاع لینا احوط ہوگا پھر واضح ہے کہ اس صاع سے مراد عراقی صاع ہے۔ اور صاع حجازی وہ پانچ رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک گندم میں نصف صاع حجازی واجب ہے اور ہمارے نزدیک نصف صاع عراقی واجب ہے اور وہ دو من ہے ایک من چالیس استار کا اور ایک استار ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے لہٰذا من ایک سو اسی مثقال کا ہوا۔ اور صدقۂ فطر میں دو من گندم دیدے تو جائز ہے امام محمدؒ کے نزدیک پیمانہ سے ناپنا ضروری قرار دیا ہے درست نہیں یہاں دو من سے مراد وہی ہے جو چالیس استار کا ہوتا ہے استار ساڑھے چار مثقال کا اور مثقال ساڑھے چار ماشہ کا اور ماشہ آٹھ رتی کا ہو پس مروجہ وزن کے اعتبار سے نصف صاع ایک کلو ۶۳۳ گرام کا ہوگا۔

تشریح و توضیح نصف صاع الخ گندم میں یہ مقدار حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے ثابت ہے اور خرما یا جو میں ایک صاع کی مقدار یہ بھی متعدد احادیث سے جو اصحاب ستہ نے روایت کی ہیں ثابت ہے۔

لکونہما الخ ۔ حاصل یہ ہے کہ کیل ایسا ہو جو ناپ اور وزن دونوں کے اعتبار سے مساوی کا ہو اسی لئے اس کے اندازہ کی خاطر ماش اور مسور کی دال کو منتخب کیا گیا کیونکہ ان دونوں کے دانے وزن اور بڑے ہونے کے اعتبار سے تقریباً مساوی ہوتے ہیں اور ان کے درمیان بہت معمولی فرق ہوتا ہے جس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ترجمہ: اور یہی جگہ صدقۂ فطر میں گندم دینا مستحب ہے جہاں کہ لوگ اور چیزیں گندم سے خریدتے ہوں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر جگہ دراہم (نقد رقم) کا دینا مستحب ہے (تاکہ لینے والا اپنی کسی بھی ضرورت میں کام میں لا سکے) اور صدقۂ فطر ہر مسلمان آزاد صاحب نصاب زکوٰۃ پر واجب ہے خواہ وہ مال نامی (بڑھنے والا) نہ ہو اور ہم کتاب الزکوٰۃ کے شروع میں بیان کر چکے کہ سال پورا گزرنے کے ساتھ نامی ہونے کی قید حقیقۃً یا تقدیراً ہے جنگل میں چرنے والے جانور یا ان دونوں کے علاوہ میں نیت تجارت کے ساتھ ہے پس جس کے پاس زکوٰۃ کا نصاب موجود ہو یعنی نصاب حاجت اصلیہ سے زائد ہو اگر نصاب عین ہو سونے یا چاندی میں سے ایک ہو یا جنگل میں چرنے والے جانوروں یا مال تجارت ہو تو خواہ اس پر سال گزرا ہو صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ اور اگر ان مالوں کے علاوہ ہوں مثلاً ایسا گھر جو نہ رہائش کیلئے ہو اور نہ تجارت کیلئے اور اس کی قیمت نصاب تک ہو تو بھی

تو اگرچہ اسمیں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی مگر صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ اور ایسے شخص کے واسطے صدقہ لینا حرام ہوگا۔ پس یہ نصاب زکوٰۃ سے محروم کرنے والا نصاب ہے اور اسمیں نامی ہونے کی شرط نہیں۔ اسکے برعکس زکوٰۃ کے وجوب کا نصاب ہے کہ اسمیں نامی ہونے کی بھی قید ہے۔

صدقۂ فطر اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے نابالغ لڑکے کی جو غیر صاحب نصاب ہو جانب سے اور اپنے خادم کی طرف سے جس کا وہ مالک ہو خواہ ام ولد یا کافر ہی کیوں نہ ہو ادا کرے اور اپنی بیوی اور اپنے بڑے بالغ لڑکے اور مالدار چھوٹے لڑکے کی طرف سے دینا واجب نہیں بلکہ اس کے مال سے صدقۂ فطر دے اور اپنے مکاتب غلام اور اپنے اس غلام کی طرف سے جو تجارت کیلئے ہو نہ دے اور اپنے اس غلام کی طرف سے جو بھاگ گیا ہو نہ دے البتہ اسکے لوٹ آنے کے بعد صدقۂ فطر ادا کرے اور وہ غلام یا چند غلام جو دو کے درمیان مشترک ہوں ان کا دونوں میں سے صدقۂ فطر کسی پر واجب نہ ہوگا امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابویوسف وامام محمدؒ کے نزدیک دونوں شریکوں پر صدقۂ فطر واجب ہوگا۔

اور اگر دونوں میں سے ایک کے اختیار سے فروخت کیا گیا تو عید کی صبح کے وقت وہ جس کا مملوک ہو اسپر اسکا صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ جو شخص عید کی صبح سے پہلے اسلام قبول کرے یا وہ بچہ جو عید کی صبح سے پہلے پیدا ہو یعنی طلوع صبح صادق سے پہلے تو اس کا صدقۂ فطر واجب ہوگا۔ یہ حکم ہمارے نزدیک ہے امام شافعیؒ کے نزدیک غروب آفتاب کے ساتھ واجب ہوگا۔ پس جو شخص عید الفطر کی رات میں اسلام قبول کرے یا پیدا ہو تو ان کے نزدیک اس کا صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا جو شخص عید کی رات میں مرجائے احناف کے نزدیک اسپر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک اس نے غروب کا وقت پالیا لہٰذا وجوب بھی ہوگیا اور طلوع فجر کے بعد اسلام قبول کرے یا پیدا ہو تو بالاتفاق ان دونوں پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک بھی واجب نہ ہوگا، ہمارے احناف کے نزدیک تو اسوجہ سے کہ اس نے طلوع کا وقت نہیں پایا اور امام شافعیؒ کے نزدیک اسوجہ سے کہ اسے غروب کا وقت نہیں ملا۔ اور صدقۂ فطر کو مقدم کرنا دن اور رات کی تعیین کے بغیر جائز ہے۔ اور صبح صادق کے بعد صدقۂ فطر جلد ادا کرنا مستحب ہے۔ اور اگر دینے میں تاخیر کرے تو اسکی وجہ سے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا بلکہ ادائیگی واجب رہے گی

تشریح و توضیح

وادار الفقراء حاصل یہ ہے کہ اگر گندم دینے میں فقیر و محتاج کا نفع ہو تو وہ دے اور اگر نقد دینا اسکے واسطے زیادہ سودمند ہو تو وہی دینا بہتر ہے مثلاً دوران قحط گندم دینا زیادہ مفید ہوتا ہے۔

ادا ہوگا۔ اور معین دن کی نذر میں اگر دوسرے واجب کی نیت کرلی تو نیت کردہ واجب ہی ادا ہوگا یعنی رمضان کا روزہ دوسرے واجب کی نیت سے بھی ادا ہو جائے گا مگر مریض و مسافر نیت کردہ واجب ہی ادا ہوگا۔ کیونکہ سفر اور مرض میں رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور اگر معین دن کے روزہ کی نذر کی پھر اس دن کسی دوسرے واجب کی نیت کرلے تو وہ دوسرا واجب ہی ادا ہوگا، خواہ نذر کرنے والا مسافر ہو یا مقیم تندرست ہو یا بیمار۔ اور مختصر کی عبارت یہ ہے۔ اور رمضان کے روزہ کی ادائیگی کی نیت شرعی نصف النہار سے قبل درست ہے، اور نفل کی نیت اور مطلق نیت، اور دوسرے واجب کی نیت سے بھی درست ہے لیکن سفر یا بیماری میں درست نہیں۔ (بلکہ خاص طور پر اسکی نیت ضروری ہے) اور اسی طرح نفل اور نذر معین میں مطلق روزہ کی نیت صحیح ہے لیکن دوسرے واجب کی نیت میں یہ دونوں اس سے الگ ہیں۔

تشریح و توضیح وبنیۃ الصوم الخ رمضان کے روزہ میں مطلق نیت کافی ہے مثلاً کہے کہ میں روزہ کی نیت کرتا ہوں فرض یا نفل کا اظہار نہ کرے۔ اسی طرح اگر نفل روزہ یا دوسرے واجب کی نیت کرے۔ جیسے کفارہ کا روزہ تو کیونکہ رمضان فرض روزے کیلئے متعین ہے اور اسکی فرضیت من جانب اللہ ہے اور یہ بہر صورت تعیین عبد سے فوقیت رکھتا ہے لہذا مطلق نیت کافی ہو جائے گی

الا فی مریض : یعنی رمضان شریف میں جب مریض یا مسافر نے کوئی اور واجب روزہ رکھا تو کیونکہ ہو بہ اجازت افطار اس کیلئے رمضان شعبان کی طرح ہے۔

لہذا جس واجب کی نیت کرے گا وہی ادا ہوگا۔

والنفل بنيته وبنية مطلقة قبل الزوال لا بعده وشرط للقضاء والكفارة والنذر المطلق التبييت والتعيين والمراد بالتبييت ان ينوي من الليل وان غم ليلة الشك اي ليلة الثلثين من شعبان لا يصام الا نفلا ولو صامه لواجب آخر كره ويقع عنه في الاصح اي يقع عن الواجب الآخر في الاصح وقيل يقع تطوعا لانه غير منهي عنه فلا يتادى به الواجب ان لم يظهر رمضانيته والا فعنه اي عن رمضان فان صوم رمضان يتادى بنية واجب آخر والتنفل فيه اي في يوم الشك احب اجماعا ان وافق صوما يعتاده والا يصوم الخواص كالمفتي والقاضي ويفطر غيرهم بعد الزوال ولا صوم لو نوى ان كان الغد من رمضان فانا صائم عنه والا فلا وكره لو نوى ان كان الغد من رمضان فانا صائم عنه والا فعن واجب آخر والا فعن نفل اي لو نوى ان كان الغد

من رمضان فلو ما صائم عنه والا فعن نفل فان ظهر رمضانيته كان عنه لوجود مطلق النية والا فنفل فيهما اى فيما قال وان لا فعن واجب آخر وفيما قال وان لا فعن نفل اما في الصورة الاولى فلانه متردد في الواجب الآخر فلا يقع عنه فبقي مطلق النية فيقع عن النفل وفي الثانية لوجود مطلق النية ايضا۔

ترجمہ: اور نفلی روزہ زوال سے قبل نفل کی نیت سے اور مطلق نیت سے صحیح ہو جاتا ہے زوال کے بعد نہیں (زوال کے بعد نیت سے درست نہیں ہوتا) اور قضاء اور کفارہ اور مطلق نذر کے روزہ میں رات سے نیت کرنا اور روزہ کی تعیین شرط ہے۔ "تبییت" سے مراد رات سے روزہ کی نیت کرنا ہے، اور اگر شک کی رات میں ابر ہو یعنی شعبان کے تیسویں رات میں۔ اگلے دن میں روزہ نہیں رکھا جائے گا مگر نفلی روزہ جائز ہے اور یوم الشک میں کوئی اور واجب روزہ رکھنا مکروہ ہے اور زیادہ صحیح قول کے مطابق رکھے گا تو ادا ہو جائے گا یعنی زیادہ صحیح قول کے مطابق دوسرا واجب روزہ ادا ہو جائے گا۔ اور بعض کے نزدیک روزہ نفل ہوگا واجب ادا نہ ہوگا کیونکہ بشرطیکہ اس دن کا رمضان کا دن ہونا ظاہر نہ ہو ورنہ وہ روزہ رمضان کا قرار دیا جائے گا، اسلئے کہ رمضان کا روزہ دوسرے واجب کی نیت سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور شک کے دن نفل روزہ رکھنا سب کے نزدیک مستحب ہے بشرطیکہ وہ اس دن روزہ رکھنے کا عادی ہو ورنہ خاص لوگ اس دن روزہ رکھیں مثلاً مفتی اور قاضی۔ اور عام لوگ زوال کے بعد افطار کرلیں اور اس طرح روزہ رکھنا صحیح نہ ہوگا یہ نیت کرے کہ اگر کل رمضان ہو تو میرا روزہ رمضان کا ہے اور رمضان نہ ہو تو دوسرے واجب کا ہے ورنہ نفل کا ہے۔ پس اگر اگلے دن رمضان ہو تو اس کا روزہ رمضان کا ہو جائے گا کیونکہ مطلق نیت (مقید کے ضمن میں) پائی گئی ورنہ دونوں صورتوں میں یہ روزہ نفل ہوگا یعنی وہ صورت جس میں کہ "والا فعن واجب" اور یہ کہا "والا فعن نفل"، پہلی صورت میں (یعنی جب اس نے کہا) "والا فعن واجب آخر" تو دوسرے واجب کے بارے میں متردد و مذبذب ہے لہذا دوسرا واجب ادا نہ ہوگا۔ پس مطلق نیت باقی رہ گئی تو اس کا روزہ نفلی ہو جائے گا، اور دوسری صورت میں (مقید کے ضمن میں) مطلق نیت بھی پائی گئی۔ (لہذا رمضان نہ ہونے کی صورت میں یہ روزہ نفلی ہو جائے گا)۔

تشریح و توضیح: قبل الزوال الخ یعنی نصف النہار شرعی مراد ہے۔ والتعیین الخ تعیین کی شرط اسلئے ہے کہ قضاء کا روزہ یا کفارہ کا روزہ یا نذر مطلق کا روزہ کیونکہ سارا زمانہ ہر روزہ ہے اسلئے تعیین کی ضرورت پیش آئی۔ اس کے برعکس رمضان اور نذر

معین کا روزہ کہ اس میں جانب الشرع تعیین ہے یا جانب العبد تعیین ہے ، تو یہاں مطلق نیت بھی کافی ہے ، الا نفلا ، یعنی نہ رمضان کے روزہ کی نیت کرے اور نہ دوسرے واجب کی مثلاً نذر اور قضاء و کفارہ کا روزہ ۔ کیونکہ اول مکروہ تحریمی ہے ، حدیث شریف میں ہے کہ رمضان سے قبل روزہ نہ رکھو ، رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور عید کا چاند دیکھ کر افطار کرو ۔ اور اگر تمہارے اور چاند کے درمیان بادل حائل ہو جائے تو تیس کا عدد پورا کرو ۔ (یہ روایت ترمذی میں موجود ہے) اور دوسرا یعنی دوسرے واجب کا روزہ یوم الشک میں ، مکروہ تنزیہی و خلاف اولیٰ ہے ، ہدایہ ، اور نہایہ ، میں اسی طرح ہے ،

توجیہ و مطلق النیۃ ، اسلئے کہ جب فرض اور نفل کے درمیان تردد ہو اور دونوں میں سے کوئی متعین نہ ہو تو تعیین لغو ہو کر اطلاق باقی رہ جائے گا ،

ومن رای ھلال صوم او فطر وحدہ یصوم وان ای اکل قولہ وان افطر قضیٰ ذکر القضاء فقط البیان انہ لا کفارۃ علیہ خلافا للشافعی وقیل بلا دعوی ولفظ اشہد للصوم مع غیم خبر فرد بشرط انہ عدل ولو قنا او امرأۃ او محدودا فی قذف تائبا وشرط للفطر رجلان او رجل وامرأتان ولفظ اشہد لا الدعوی ولا غیم شرط جمع عظیم فیہما الجمع العظیم جمع یقع العلم بخبرھم ویحکم العقل بعدم تواطئھم علی الکذب ۔ وبعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر وبقول عدل لا ای اذا شہد واحد عدل بہلال رمضان وفی السماء علۃ فصاموا ثلثین یوما لا یحل الفطر لان الفطر لا یثبت بقول واحد خلافا لمحمد فان الفطر عندہ یثبت بتبعیۃ الصوم وکم من شیء یثبت ضمنا ولا یثبت قصدا والاصح انہ لا یفطر ای فی الامکان الذی

ترجمہ : اور جو شخص ماہ رمضان یا عید کا چاند دیکھے تو وہ روزہ رکھے گا اگرچہ اسکی شہادت قبول نہ کی جائے ، اگر وہ اس دن افطار کرے تو قضا کرے محض قضا کو اسلئے بیان کیا کہ اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا ، اگر آسمان پر ابر ہو یا غبار ہو تو رمضان کیلئے ایک عادل شخص کی خبر کافی ہے اگرچہ وہ شخص غلام ہو یا عورت ہو یا اس نے کسی لونڈی پر تہمت لگائی ہو اور اسے حد قذف کے کوڑے لگائے گئے ہوں اور پھر وہ توبہ کر چکا ہو ، اسے لفظ دعویٰ یا شہادت کہنا ضروری نہیں ۔ اور مطلع صاف ہو تو رمضان اور شوال کے چاند کیلئے ایک بڑی جمع و جمعیت سے لوگوں کی گواہی شرط ہے ، الجمع العظیم ، سے مراد اتنے افراد ہیں کہ اتنے افراد

ں شہادت سے یقینی علم حاصل ہو جائے اور نقل اتنے لوگوں کے ثبوت پر اتفاق کو محال سمجھے اور تیس روزے پورے ہونے کے بعد دو عادل شخص شوال کے چاند کی گواہی دیں تو افطار کرنا جائز ہے اور ایک عادل شخص شہادت دے تو افطار جائز نہیں یعنی اگر ایک شخص رمضان کے چاند کی (۲۹ کو) شہادت دے۔ اور آسمان ابر آلود یا غبار آلود ہو تو لوگ تیس روزے رکھیں گے اور ان کیلئے افطار کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ افطار محض ایک شخص کے قول سے ثابت اور درست نہیں ہوتا۔ امام محمد کے نزدیک ایک شخص کی گواہی سے بھی افطار درست ہے اسلئے کہ افطار ان کے نزدیک بہ تبعیت صوم ثابت ہو جاتا ہے اور بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہو جاتی ہیں اگرچہ قصداً (اور علیحدہ سے) ثابت نہ ہوئی ہوں اور ذکر کردہ احکام میں عید الاضحیٰ کا حکم عید الفطر کا سا ہے۔

تشریح و توضیح ومن رای الخ یعنی اگر کوئی عاقل بالغ مسلمان تنہا رمضان کے چاند کی شہادت دے اور اسکی گواہی ناقابل قبول قرار دی جائے، خواہ کسی بھی وجہ سے ہو تو اسے پھر بھی روزہ رکھنا لازم ہے ارشاد ربانی ہے۔ فمن شهد منكم الشهر فليصمه۔ اور اسکے نزدیک رمضان شریف کی آمد اسکی روایت کے باعث متحقق ہو گئی اسی طرح اگر شوال کا چاند دیکھے اور اسکی شہادت رد کر دی جائے تو وہ احتیاطاً روزہ رکھے گا۔

خلافاً للشافعیؒ:- امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس پر کفارہ واجب ہوگا بلا دعوی یعنی اس کیلئے یہ کہنا شرط نہیں کہ میں دعویٰ کرتا ہوں یا میں شہادت دیتا ہوں کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے نہیں جس کیلئے دعوے اور شہادت کی ضرورت ہو۔

خبر عدل الخ یعنی ایک عادل (غیر فاسق) کی شہادت بھی رمضان کیلئے کافی ہے اور ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کیلئے ایک شخص کی گواہی قبول فرمائی (یہ روایت اصحاب سنن نے روایت کی ہے) تائبا الخ - یعنی توبہ کرلے تو وہ دائرۂ فسق سے نکل جائے گا اور توبہ نہ کرے تو اسکا شمار فاسقوں میں ہوگا اور اسکی شہادت ارشاد ربانی۔ ان جاءکم فاسق بنبإ فتبینوا۔ (الآیۃ) کے تحت ناقابل اعتبار اور ناقابل قبول ہوگی۔

وبعد صوم ثلثین - یعنی تیس روزے پورے ہونے کے بعد اگر دو آدمی روایت کی شہادت دیں تو ان کی گواہی پر افطار درست ہوگا کیونکہ مہینہ تیس سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔ علۃ الخ: یعنی روایت سے روکنے والی کوئی چیز ہو مثلاً ابر یا غبار حائل ہو جائے۔

باب موجب الافساد

يقضي ويكفر بما يوجبه الافساد اي القضاء والكفارة من جامع او جومع في احد السبيلين او
اكل او شرب غذاء او دواء عمدا او احتجم فظن انه فطره فاكل عمدا قضى وكفر
كالمظاهر اي كفارته مثل كفارة الظهار وهو اي التكفير بفساد صوم رمضان لا
غيره بافساد اداء صوم رمضان فقط وان افطر خطأ وهو ان يكون ذاكرا للصوم
فافطر من غير قصد كما اذا تمضمض فدخل الماء في حلقه او مكرها او احتقن او استعط
اي صب الدواء في الانف فوصل الى قصبة الانف او اقطر في اذنه او داوى جائفة
او آمة فوصل الى جوفه او دماغه الجائفة الجراحة التي بلغت الجوف والآمة الشجة
التي بلغت ام الدماغ او ابتلع حصاة او استقاء ملء فيه او تسحر او افطر يظنه ليلا وهو
يوم او اكل ناسيا وظن انه فطره فاكل عمدا او جومعت نائمة او لم ينو في رمضان
كله لا صوما ولا فطرا او اصبح غير ناو للصوم فاكل قضى فقط ولو اكل او شرب او
جامع ناسيا اي غير ذاكر للصوم او نام فاحتلم او نظر فانزل او ادهن او اكتحل او
اغتاب او غلبه القيء او قاء قليلا او اصبح جنبا او صب في احليله دهن او دخل اذنه ماء
او دخل غبار او دخان او ذباب في حلقه لم يفطر والاقطار في احليله لا يفسد في الاصح

ترجمہ: جن چیزوں کے ساتھ وہ چیز جس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس کی قضا وکفارہ کا بیان جو
شخص کہ قصداً صحبت کرے یا اس سے ہمبستری کی جائے آگے یا پیچھے کے راستوں میں سے کسی راستہ میں
یا قصداً کھائے یا پئے غذا یا دوا یا پچھنے لگوائے پھر یہ گمان کرکے کہ اس کا روزہ باقی نہیں رہا
قصداً کھالے تو روزہ کی قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہونگے۔ اسکا کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح ہوگا
اور کفارہ صرف رمضان کا روزہ قصداً توڑنے کی صورت میں ہے۔ اسکے علاوہ میں کفارہ واجب نہیں
ہوتا۔ یعنی کفارہ صرف اس شکل میں ہے کہ رمضان کا روزہ قصداً فاسد کردے۔ اور اگر غلطی سے روزہ
افطار کرلے۔ وہ یہ کہ اسے روزہ یاد تھا مگر بلا ارادہ افطار ہوگیا جیسے کلی کرتے ہوئے پانی حلق میں
چلا جائے۔ یا کوئی اسے زبردستی افطار کرادے۔ یا حقنہ لے یا ناک میں دوا ڈالے یعنی ناک میں
دوا ڈالے اور وہ ناک کی ہڈی تک اندرونی حصہ تک پہونچ جائے۔ یا کان میں دوا ڈالے یا

الا اذا مضغ لانه يتلاشى في فمه بالمضغ (وفي الكثير عامدا) وانما يفسد لا القليل في ذرعه

وعند محمد يفسد باعادة القيء لا بعوده تفسيرا لما قال فالمعتبر عند ابي يوسف ملء

الفم وعند محمد الصنع فقط اي الاعادة فهو اعادة الكثير يفسد اتفاقا وفي عود

القليل لا يفسد اتفاقا وفي اعادة القليل لا يفسد عند ابي يوسف خلافا لمحمد وفي

عود الكثير يفسد عند ابي يوسف لا عند محمد وكره ذوق ومضغ شيء لا ضرورة

ضرورة والقبلة ان لم يأمن اي الانزال والجماع وهو الشاب والشيخ ولو احترز

عن قول الشافعي فان عنده لا يكره شيء لانه يرى المطلوب والشيخ ان عجز عن الصوم

يفطر ويطعم لكل يوم مسكينا كالفطرة ويقضي ان قدر وحامل او مرضع خافت على

نفسها او ولدها او مريض خاف زيادة مرضه والمسافر افطر وقضوا بلا فدية

قيل حالة الاداء وخص بمرضعة أجرت نفسها للارضاع ولا تحل للوالدة اذ لا يجب

عليه الارضاع اقول لو كان حل الافطار بناء على وجوب الارضاع فيعتبر الاجارة

لو كان قبل رمضان تحل لها الافطار لكن لو لم يكن قبل رمضان بل تؤجر نفسها

في رمضان ينبغي ان لا تحل لها الافطار ولا يجب عليها الاجارة الا اذا دعت الضرورة

اليها اما الوالدة فلا يحل لها الافطار الا اذا تعينت فحينئذ يجب عليها الارضاع

فيحل لها الافطار ۔

ترجمہ اور اگر مردہ یا چوپائے سے صحبت کرے یا شرمگاہ کے علاوہ میں اور وہ ران ہے اس میں صحبت کرے یا بوسہ دے یا چھوئے ان تمام شکلوں میں اگر انزال ہو تو قضاء کرے اور انزال نہ ہو تو قضاء نہ کرے۔ اور اگر وہ گوشت کھائے جو دانتوں کے درمیان ہو اور وہ چنے کے برابر ہو تو صرف قضاء کرے اور چنے سے کم ہو تو قضاء لازم نہ ہوگی۔ البتہ اگر وہ گوشت ہاتھ سے نکال کر پھر کھائے تو قضاء لازم ہوگی (ہاتھ سے نکال کر کھانے کی یہ قید اتفاقی ہے) یہ قید عادت کے مطابق ہے ورنہ منہ سے نکال کر اسی طرح پھر کھائے اگرچہ قلیل ہو روزہ فاسد ہونے کا حکم ہوگا) اگر کوئی شخص ایک تل نگل لے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ البتہ اگر اسے چبائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اسلئے کہ چبانے سے وہ منہ کے ہی میں ختم ہو جائے گا اور حلق تک نہیں پہونچے گا) اور منہ بھر کر قے ہو اور وہ جان بوجھ کر ہے یا خود لوٹ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور قے تھوڑی ہو یا منہ بھر کر نہ ہو تو دونوں صورتوں میں روزہ فاسد نہ ہوگا۔ ـــــ امام محمدؒ کے نزدیک خواہ قے تھوڑی ہو لوٹانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور خود لوٹنے میں اگرچہ قے کثیر ہو (منہ بھر کر ہو) روزہ فاسد نہ ہوگا

جب قے ہونے تو مسئلہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کثرت یعنی منہ بھر ہونے پر ہے کہ منہ بھر کر ہو تو
روزہ فاسد ہو جائے گا، اور امام محمدؒ کے نزدیک روزہ دار کے فعل ہی کا اعتبار ہوگا یعنی قے کا لوٹانا یعنی
اگر لوٹائی جانے والی قے کثیر (منہ بھر کر) ہو تو بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا اور قے قلیل خود بخود
لوٹ جائے تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اور تھوڑی مقدار میں قے ہو تو اسے لوٹانے سے امام محمدؒ کے
نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گا اور کثیر (منہ بھر کر) قے خود
بخود لوٹے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا امام محمدؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگا
روزہ دار کو کسی چیز کا چکھنا اور چبانا مکروہ ہے۔ البتہ عورت کا بچہ کو کھانا چبا کر دینا اور نرم کرکے دینا
مکروہ نہیں۔ اور بوسہ لینا مکروہ ہے اگر جماع و صحبت کے اندیشہ سے مامون نہ ہو۔ سرمہ لگانا اور مونچھ
پر تیل لگانا اور مسواک کرنا اگرچہ زوال کے بعد ہو مکروہ نہیں اسمیں امام شافعیؒ کے قول سے احتراز
ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے اسلئے کہ اس سے روزہ دار کے منہ
کی بو زائل ہوتی ہے جو کہ خدا تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اور شیخ فانی جو روزہ رکھنے سے عاجز و مجبور ہو
روزہ نہ رکھے اور (البتہ فدیہ میں) ہر روز (ایک روزہ کے بدلہ صدقۂ فطر کے بقدر (موجودہ وزن سے
ایک کلو سو ۳ گرام) دے اور بوڑھا (شیخ فانی) اگر روزہ رکھنے پر قادر ہو جائے تو قضاء کرے۔ اور
حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو اگر اپنی یا بچہ کی طرف سے ہلاکت کا اندیشہ ہو یا بیمار ہو اور مرض
میں زیادتی کا اندیشہ ہو یا مسافر ہو تو یہ افطار کریں اور عذر ختم ہونے کے بعد بغیر فدیہ کے قضاء کریں
کہتے ہیں کہ افطار کرنا اس دودھ پلانے والی کیلئے جائز ہے جو اجرت پر دودھ پلانے والی ہو کیلئے افطار
کرنا جائز نہیں کیونکہ اسپر دودھ پلانا واجب نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ اگر حقدار دودھ پلانا واجب
ہونے کی بنیاد پر عقد صحیح و جائز ہو پس عقد اجارہ (اجرت پر دودھ پلانا) اگر رمضان سے قبل ہو تو
اس کیلئے افطار کرنا جائز ہے لیکن اگر رمضان سے پہلے نہ ہو بلکہ عین رمضان میں دودھ پلانے والی
کو اجرت پر مقرر کیا تو مناسب یہ ہے کہ اسکے واسطے افطار کرنا جائز نہ ہو اسلئے کہ اسپر اجارہ واجب
نہیں البتہ اگر اس اجارہ کی رمضان میں ضرورت پڑی ہو تو اور بات ہے اور بچہ کی والدہ تو اس کے لئے
دودھ متعین ہو جائے تو اس وقت اسپر دودھ پلانا واجب ہوگا پس اسکے واسطے افطار حلال ہوگا۔۔

تشریح و توضیح

ان انزل الخ: اگر شرمگاہ کے علاوہ میں صحبت کی بنا پر انزال ہو تو صرف قضاء لازم آئے گی کیونکہ یہ حقیقتاً جماع و صحبت نہیں بلکہ اصطلاح میں اس کا نام
ایلاج ہے۔

فلو شئی الخ: کیونکہ چنے کی بنا پر دو تھوک میں ملنے کے باعث فنا ہو جائے گا اور اس کا عدم اور
وجود برابر ہوگا لہٰذا اسکی وجہ سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

24/2

فدیٰ عنہ: اگر مرنے والا تندرست ہو گیا یا مسافر مقیم ہونے کے بعد مرا ہو تو اسکے ولی پر فدیہ کا وجوب ہوگا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مر جائے اور اسپر روزے واجب ہوں تو اس کا ولی اسکی طرف سے ہر روزہ کے بدلہ مسکین کو شکم سیر کھانا کھلائے (یہ روایت بیہقی، دارقطنی اور ترمذی میں موجود ہے)

وصلًا الخ: یعنی لگاتار اور فصل کے ساتھ دونوں طرح روزے رکھنے جائز ہیں ارشاد ربانی ہے، فعدۃ من ایام اخر (الآیۃ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کی گئی تو ارشاد ہوا کہ اگر چاہے مسلسل روزے رکھے اور اگر چاہے فصل سے روزے رکھے۔ (دارقطنی اور بیہقی میں یہ روایت موجود ہے)

اتمامہ: نفل روزہ شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنا لازم ہے۔ ارشاد ربانی ہے، ولا تبطلوا اعمالکم (الآیۃ)

قبلہ القضاء: جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے نفل روزہ رکھا ان دونوں کیلئے ہدیۃً کھانا آیا تو دونوں نے افطار کرلیا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسکی قضا کرنا (یہ روایت مؤطا امام مالک، نسائی اور ترمذی وغیرہ میں موجود ہے)

ويباح ... هذا الحكم في المعيب والضيف ويمسك بقية يومه صبي بلغ وكافر
اسلم وحائض طهرت ومسافر قدم ولا يقضي الاولان يومهما وان افطرا بعد النية
اي اذا حدث هذه الامور في نهار رمضان يجب امساك بقية اليوم لحرمة رمضان
لكن لا قضاء على الصبي الذي بلغ والكافر الذي اسلم لعدم الاهلية في اول اليوم فلم يجب
الاداء فلا يجب القضاء وان كان البلوغ والاسلام قبل نصف النهار فنويا الصوم ثم
ولو نوى المسافر الفطر ثم قدم فنوى الصوم في وقتها صح ولو في رمضان يجب عليه الصيام
في وقتها من جواز النية وفي صلاته يرجع الى الصوم كما يجب الاتمام على مقيم سافر في
يوم منه لكن لو افطر لا كفارة عليهما اي في قدوم المسافر وسفر المقيم وقضى ايامًا
اغمي عليه فيها الا يومًا حدث فيه او في ليلته لانه اذا اغمي ايامًا لم يوجد منه النية
فيما عدا اليوم الاول واما اليوم الاول فالظاهر انه قد نوى الصوم فيه اقول هذا اذا لم
يذكر انه نوى ام لا اما اذا علم انه نوى فلا شك في الصحة وان علم انه لم ينو فلا شك
في عدم الصحة ولو جن كله لم يقض وان افاق بعضه قضى ما مضى سواء بلغ مجنونًا او
عاقلًا ثم جن في ظاهر الرواية الجنون اذا استغرق شهر رمضان سقط الصوم وان لم

حتى لو أفاق لا يجب عليه القضاء ولا فرق في هذا بين ما إذا بلغ مجنونا أو بلغ عاقلا ثم جن وعن محمد إذا بلغ مجنونا لا يجب عليه الصوم لأنه لا يكون مستغرقا فإن الجنون إذا اتصل بالصبا لا يجب الصوم فهذا الجنون يكون مانعا فيلحق بالمستغرق الجنون الضعيف وهو غير المستغرق أما إذا جن بالغا فلا فإنه لا يرفع الصوم أو أوجب القضاء لا بد أن يكون جنونا قويا

وهو المستغرق

ترجمہ اور ضیافت کے عذر کی بنا پر نفل روزہ توڑ دینا جائز ہے یہ حکم میزبان اور مہمان دونوں کیلئے ہے۔ اگر رمضان میں دن میں لڑکا بالغ ہو یا کافر دائرۂ اسلام میں داخل ہو یا حائضہ پاک ہو یا مسافر اپنے گھر آئے تو دن کے باقی حصہ میں کھانے پینے سے رکا رہے۔ اور بالغ ہونے والا لڑکا اور اسلام قبول کرنے والا کافر اس دن کے روزہ کی قضاء نہ کریں۔ اور مسافر اور حائضہ اس دن کے روزہ کی قضاء کریں۔ اگرچہ بالغ لڑکا اور اسلام قبول کرنے والا کافر روزہ کی نیت کے بعد کھا لیں۔ یعنی اگر یہ امور رمضان کے دن میں پیش آئیں تو دن کے باقی حصہ میں احترام رمضان کی خاطر دن کے باقی حصہ میں رکنا واجب ہے۔

لیکن اس بچہ پر جو بالغ ہو گیا ہو اور وہ کافر جو اسلام قبول کرلے ان پر دن کے اول حصہ میں عدم اہلیت کی بنا پر قضاء لازم نہ ہوگی پس ادا واجب نہیں ہوگی لہذا ان پر قضاء کا وجوب نہ ہوگا اور اگر ان کا بلوغ و اسلام نصف النہار سے پہلے ہو اور دونوں روزے کی نیت کرلیں پھر دونوں کھا لیں تو قضاء واجب نہ ہوگی۔ ایک مسافر صبح سے افطار کی نیت کرے پھر اپنے گھر آئے پھر زوال سے قبل نفل روزہ کی نیت کرے تو روزہ درست ہو گیا اور وہ مہینہ رمضان کا ہو تو اسپر اس روزہ کا پورا کرنا واجب ہوگا۔ نی وقتہ میں ضمیر نیت کی طرف اور صحّ میں ضمیر صوم (روزہ) کی طرف لوٹتی ہے یا مقیم اس دن سفر کرے تو اسپر اس دن کے روزہ کا اتمام واجب ہوگا لیکن اگر یہ دونوں افطار کرلیں تو دونوں یعنی گھر آنے والے مسافر اور سفر کرنے والے مقیم پر کفارہ کا وجوب نہ ہوگا۔ جن دنوں میں بے ہوش رہا ان دونوں کی قضاء کرے۔ البتہ وہ دن جس میں بے ہوشی طاری ہوئی ہو (نیت روزہ کی کرچکا ہو یا اس دن کی رات میں بے ہوش رہا ہو تو اس کی قضاء نہ کرے کیونکہ روزہ درست ہو جائے گا) اسلئے کہ جب کچھ دنوں بے ہوشی طاری رہی اور ان دنوں میں پہلے دن کے علاوہ نیت نہیں پائی گئی اور رہا پہلا دن پس ظاہر ہے کہ وہ اسمیں روزہ کی نیت کرچکا تھا میں کہتا ہوں یہ حکم اس صورت میں ہے کہ یہ پتہ نہ چلے کہ اس نے نیت کی یا نہیں۔ لیکن اگر نیت کا علم ہو تو بلاشبہ روزہ صحیح ہے اور اگر نیت نہ ہونا معلوم ہو تو روزہ صحیح نہ ہونے میں شک نہیں اور اگر پورے رمضان پاگل رہے تو قضاء نہ کرے اور اگر رمضان کے بعض دنوں میں افاقہ ہے تو

دیوانگی کے دنوں کی قضا کرے خواہ بحالت جنون بالغ ہوا ہو یا عاقل ہو اور پھر جنون طاری ہوگیا ہو۔ ظاہر روایت کے مطابق پاگل پن اگر پورے رمضان طاری رہے تو روزے ساقط ہوجائینگے اور اگر پورے رمضان طاری نہ رہے تو روزے ساقط نہ ہوں گے بلکہ قضا واجب ہوگی اور ظاہر روایت کے مطابق اس میں کوئی فرق نہیں کہ بالغ پاگل ہوجائے یا بالغ ہونے پر پھر پاگل ہوجائے اور امام محمدؒ کے نزدیک جب بحالت دیوانگی بالغ ہو تو اسپر پورے رمضان جنون نہ رہنے کے باوجود پاگل پن کے دنوں کی قضا واجب نہ ہوگی کیونکہ دیوانگی کا اتصال جبکہ بچپن کے زمانہ باقی کے زمانہ سے ہو تو روزہ واجب نہیں ہوتا پس یہ دیوانگی وجوب صوم میں مانع ہوگی پس روزہ کے وجوب کو روکنے کیلئے یہ غیر مستغرق ضعیف جنون کافی ہوتا اور اگر بالغ شخص پاگل ہو تو وہ جنون واجب روزہ کا وجوب ختم کرنے والا ہے پس ضروری ہے کہ جنون قوی ہو اور وہ قوی جنون مستغرق (پورے ماہ رہنے والا) ہونا ہے۔

تشریح و توضیح | بعض قال الخ: یعنی ضیافت کے عذر سے افطار کرنا مباح ہے بعض کے نزدیک اگر دعوت کرنے والا نفلی روزہ توڑنے پر راضی ہوجائے اور اسے نہ کھانے سے تکلیف نہ ہو تو افطار نہ کرے اور اگر اسے اس سے تکلیف ہو تو افطار کرے اور روزہ کی قضا کرے۔ یہ ساری تفصیل قبل زوال افطار کی صورت میں ہے لیکن زوال کے بعد افطار کرنا درست نہیں۔

الضیف: یعنی مہمان کے ساتھ میزبان۔ ابوداؤد نے اپنے مسند میں روایت کی ہے کہ ایک شخص نے کھانا تیار کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو مدعو کیا تو ایک شخص نے کہا میرا روزہ ہے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بھائی نے تکلف کیا اور تمہارے واسطے کھانا تیار کیا اور تمہیں بلایا۔ افطار کرو اور کسی دن اسکی قضا کرو اور منقول ہے کہ حضرت سلمانؓ حضرت ابو الدرداءؓ کی ملاقات کیلئے گئے تو حضرت ابو الدرداءؓ نے ان کیلئے کھانا تیار کرایا اور بولے کھاؤ میرا تو روزہ ہے حضرت سلمانؓ بولے کہ جب تک تم نہیں کھاؤگے میں بھی نہیں کھاؤنگا۔ یہ سنکر حضرت ابو الدرداءؓ نے ان کے ساتھ کھایا۔ اور یہ روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔

لحرمة رمضان الخ: یعنی رمضان کے احترام و عظمت کی خاطر اور روزہ داروں سے مشابہت پیدا کرنے کیلئے باقی دن روزہ سے رکا رہے اصل اسکی وہ روایت ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ عاشورہ کا روزہ فرض تھا کھانے والوں کو امساک اور رکنے کا حکم فرمایا۔

وتوجين الخ: جیم کے ضمہ اور نون کی تشدید کے ساتھ جنون سے مشتق ہے۔

نذر بصوم يومي العيد وايام التشريق او بصوم هذه السنة صح وافطر هذه الايام وقضاها
ولا قضاء ان صامها فيفترقا بين النذر والشروع في هذه الايام فلا يلزم بالشروع
لانه معصية ويلزم بالنذر اذ المعصية في الفعل ثم ان نذر ولم ينو شيئا او نوى النذر
لا غير او نوى النذر ونوى ان لا يكون يمينا كان نذرا فقط وان نوى اليمين ونوى ان
لا يكون نذرا كان يمينا وعليه كفارة يمين ان افطر وان نواهما او نوى اليمين
من غير ان ينفي النذر كان نذرا ويمينا حتى لو افطر يجب عليه القضاء للنذر و
الكفارة لليمين وعند ابي يوسف نذر في الاول ويمين في الثاني المراد بالاول ما اذا
نواهما وبالثاني ما اذا نوى اليمين واعلم ان الاقسام ستة ما اذا لم ينو شيئا او نوى
كليهما او نوى النذر بلا نفي اليمين او مع نفيه او نوى اليمين بلا نفي النذر او مع نفيه
في الهداية جعل اليمين معنى مجازيا والعلاقة بين النذر واليمين ان النذر
ايجاب المباح فيدل على تحريم ضده وتحريم الحلال يمين لقوله تعالى لم تحرم
ما احل الله لك الى قوله قد فرض الله لكم تحلة ايمانكم فاذا كان اليمين معنى
مجازيا يرد عليه انه يلزم الجمع بين الحقيقة والمجاز فلذا قلنا هذا اقول في كتب
اصولنا ليس اليمين معنى مجازيا بل هذا الكلام نذر بصيغته يمين بموجبه والمراد
بالموجب اللازم كما ان شراء القريب شراء بصيغته اعتاق بموجبه فيعترض بان
ان اليمين لو كانت موجبة تثبت بلا نية كشراء القريب بل هو معنى مجازي والجواب
عن الجمع بين الحقيقة والمجاز ان الجمع بينهما في الارادة لا يجوز وههنا ليس
كذلك فان النذر لا يثبت بارادته بل بصيغته فان صيغته انشاء للنذر فيثبت
النذر سواء اراده او لم يرده لم ينو انه ليس بنذر اما اذا نوى انه ليس بنذر
يصدق فيما بينه وبين الله تعالى لانه نوى امرا لا يحتمل فيه لفظه واما المعنى
المجازي فيثبت بارادته فلا جمع بينهما في الارادة وقد بينت صوم الستة في شوال
ابعد عن الكراهية والتشبه بالنصارى كما مر

ترجمہ: کوئی شخص ان پانچ دنوں میں سے جن میں روزہ رکھنا حرام ہے یعنی عیدالفطر اور
اور عیدالاضحی کا دن اور ایام تشریق میں سے کسی دن روزہ رکھنے کی نذر کرے یا پورے سنہ

بغیر شرط یعنی نذر کے بعد پس وہ اس صیغہ کے ساتھ نذر ثابت ہو جائے گی خواہ ارادہ ہو یا نہ ہو تاوقتیکہ یہ نیت ہی نہ کرے کہ وہ نذر کیلئے نہیں بلکہ کچھ اور مقصود ہے اس کا لحاظ ہے تب بھی اگر ارادہ نیت کرے کہ یہ نذر کیلئے نہیں تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ ایسا امر ہے جس میں قضائے قاضی کو دخل نہیں۔ اور مجازی معنی ارادۃً ثابت ہے پس حقیقی اور مجازی معنی جمع نہیں ہوئے۔ اور شوال کے چھ روزے تو ان کے اور عید کے درمیان فصل رکھے تاکہ کراہت اور نصاریٰ کی مشابہت سے دور رہے۔

تشریح و توضیح نذر الخ شرح منقول میں ہے کہ نذر زبان کا عمل ہے اور اس کی صحت کی شرط یہ ہے کہ معصیت کی نذر نہ ہو مثلاً شراب پینے کی نذر۔

والفطر الخ: یعنی ایام منہیہ میں روزہ رکھنے کی نذر کی تو افطار کرنا واجب ہے۔ نہایہ میں یہی مصرح ہے۔

ولا عصیان الخ: یعنی اگر مخالفت کے باوجود کوئی شخص ان ایام منہیہ میں روزہ رکھ لے تو وہ گنہگار ہوگا مگر چونکہ اس کے ذمہ اس روزہ کی قضا لازم نہ ہوگی۔

تحریم الحلال: یہ اس پر استدلال ہے کہ یمین کے معنی حلال کو حرام کرنا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المؤمنین میں سے کسی کے یہاں شہد نوش فرمایا۔ پھر امہات المؤمنین میں سے کسی کو غیرت آئی تو آپ نے کسی بیوی کی خاطر شہد نوش فرمانا خود پر حرام کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے سے منع کیا گیا۔ بخاری شریف وغیرہ میں تفصیل موجود ہے۔

لقضاء القاضی الخ: یعنی مسئلہ کا تعلق قضائے قاضی سے نہیں۔ لہٰذا دیانۃً اس کا قول قابل تسلیم ہوگا بخلاف طلاق اور عتاق کے کہ اگر کوئی شخص ان کے تکلم کے بعد کہے کہ میں نے ان کے مجازی معنی مراد لئے تھے تو قضاءً اس کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

وفرق فی الخ: حاصل یہ ہے کہ شوال کے چھ روزے عید کے بعد لگاتار اور بغیر فصل کے رکھنے بھی جائز ہیں اور متفرق طور پر رکھنے بھی درست ہیں کیونکہ حدیث مطلق ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے پورے سال کے روزے باعتبار ثواب کے رکھے۔ یہ روایت مسلم، ترمذی، طحاوی اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے۔

الفصل الخ: یعنی اس کی طرف اشارہ ہے کہ عید کے بعد پے درپے رکھنا بھی بلا کراہت درست ہے۔ ابو اللیث نے نوازل میں اس کی صراحت کی ہے۔

بَابُ الاعْتِكَاف

هو سنة مؤكدة وهو لبث صائم في مسجد جماعة بنية وأقله يوم فيقضي من قطعه
أي إن شرع في الاعتكاف فقطعه قبل تمام يوم وليلة فعليه القضاء خلافا لمحمد
فإن أقله عنده ساعة وقد حصلت ولا يخرج منه إلا لحاجة الإنسان أو الجمعة وقت
الزوال ومن بعد منزله عنه وقتا يدركها ويصلي السنن قبل الصلاة وهو أن يصلي
قبلها أربعا وفي رواية ست ركعتين تحية وأربعا سنة وبعدها أربعا أو ستا على اختلاف الروايتين عند أبي
حنيفة وستة عندهما ولا يفسد بمكثه أكثر منه فلو خرج ساعة بلا عذر فسد
وأكل وشرب ونام وباع واشترى فيه بلا إحضار مبيع وكره غيره أي لا يفعل غير المعتكف
هذه الأفعال في المسجد ولا يصمت ولا يتكلم إلا بخير ويبطله الوطء ولو ليلا أو ناسيا
ودواعيه في غير فرج أو قبلة أو لمس إن أنزل وإلا فلا وإن حرم والمرأة تعتكف في بيتها
نذر اعتكاف أيام لزمه بلياليها ولاء بلا شرطه وفي يومين بليلتهما وصح نية النهر خاصة

ترجمہ: اعتکاف سنت مؤکدہ ہے اعتکاف کے معنی ہیں روزہ دار کا نیت اعتکاف جماعت والی
مسجد میں (یعنی جہاں امام و مؤذن مقرر ہو) ٹھہرنا اور اعتکاف (شرعی اعتکاف) کی کم سے کم مدت ایک دن
ہے پس ایک دن ایک رات پورے ہونے سے قبل اعتکاف چھوڑ دینے پر قضاء لازم ہوگی یعنی اگر اعتکاف
شروع کر کے ایک دن رات کے تمام ہونے سے پہلے اعتکاف باطل کر دے تو پھر مع روزہ کے اس کی قضاء واجب
ہوگی امام محمدؒ کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک ساعت
ایک گھڑی ہے اور وہ حاصل ہو چکی (لہٰذا قضاء لازم نہ ہوگی) اور معتکف مسجد سے باہر
انسانی ضرورت (پیشاب یا پاخانہ) کیلئے یا جمعہ کیلئے آفتاب ڈھلنے پر نکلے گا۔ ان کے علاوہ
نکلنے پر اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور جس کے اعتکاف کی جگہ جامع مسجد سے دور ہو تو وہ ایسے
وقت نکلے کہ جمعہ مل جائے اور سنتیں پڑھے علی اختلاف الروایۃ۔ اور وہ یہ کہ ایک روایت کے
مطابق چار رکعات نماز جمعہ سے پہلے اور ایک روایت کی رو سے چھ رکعات پڑھے گا دو رکعتیں
تحیۃ المسجد کی اور چار سنتیں اور نماز جمعہ کے بعد چار رکعات۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے
اور امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک نماز جمعہ کے بعد چھ رکعات پڑھے گا اور اس سے زیادہ
بھی) اگر معتکف جامع مسجد میں دیر تک رہ جائے تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔ پس اگر مسجد سے

بلا ضرورت یعنی بغیر عذر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اور معتکف مسجد میں کھائے پیئے اور سوئے۔ اور مبیع (خریدی جانے والی چیز) کے مسجد میں لائے بغیر خرید و فروخت کرے گا۔ اور معتکف کے علاوہ کسی کیلئے مسجد میں یہ امور درست نہیں۔ یعنی معتکف کے علاوہ مسجد میں نہ انجام دہی کوئی ادا کرے گا۔ اور معتکف خاموش نہ رہے بلکہ خیر و بھلائی کی گفتگو کرے۔ اور ہمبستری کی سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے خواہ رات ہی کو کیوں نہ ہو یا بھول کر ہی کیوں نہ ہو اور اگر شرمگاہ کے علاوہ میں صحبت کرے یا بوسہ لے یا چھوئے تو انزال کی صورت میں اعتکاف باطل ہو گا ورنہ نہ ہو گا اگرچہ یہ امور اندرون اعتکاف حرام ہیں۔ اور عورت اپنے گھر میں اعتکاف کرے۔ اگر کچھ روز کے اعتکاف کی نذر کرے تو ان دنوں کی راتیں بھی لگاتار اسمیں داخل ہونگی خواہ اس نے یہ نیت و شرط نہ کی ہو اور دو دن کی نذر کرے تو دو راتیں بھی اسمیں شامل ہونگی۔ اور خاص طور پر صرف دو دنوں کی نیت کرے تو وہ بھی صحیح ہو جائے گی۔

تشریح و توضیح (الاعتکاف الخ) کیونکہ اعتکاف میں روزہ کی شرط ہے اسلئے روزہ کے بیان کے بعد اس سے متصل اور اسکے بعد میں اعتکاف کے احکام بیان کئے گئے

اعتکاف: کے لغوی معنی حبس اور روکنے کے ہیں۔

سنة مؤكدة: رمضان شریف کے اخیر عشرہ میں اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ صحاح ستہ اور سنن میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف پر مواظبت فرمائی (اور احیاناً بھی ترک فرمایا) اور اگر نذر کرلی جاوے مؤکدہ کفایہ ہے اگر رمضان کے اخیر عشرہ میں بعض لوگوں نے اعتکاف کر لیا تو باقی کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے اور کسی نے بھی نہ کیا تو سب گنہگار ہونگے۔

الا لحاجة الانسان الخ: یعنی معتکف کیلئے انسانی ضرورت کے واسطے نکلنا جائز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تو گھر میں صرف انسانی ضرورت (پیشاب پاخانہ وغیرہ) کیلئے تشریف لیجاتے تھے۔

فلو خرج الخ: یعنی اگر حاجت طبعیہ یا شرعیہ کے بغیر جو عذر میں داخل ہے، مسجد سے معتکف باہر نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

وأكل الخ: یعنی معتکف کیلئے مباح امور مسجد میں جائز ہیں مثلاً کھانا پینا اور سونا۔

کتاب الحج

اعلم ان الحج فريضة يكفر جاحده لكن اطلق عليه لفظ الوجوب واراد به الفريضة حيث قال يجب على كل حر مسلم مكلف صحيح بصير له زاد وراحلة فضلا عما لا بد منه وعن نفقة عياله الى حين عوده مع امن الطريق والزوج او المحرم للمرأة ان كان بينها وبين مكة مسيرة سفر في العمر مرة على الفور هذا عند ابي يوسفؒ واما عند محمدؒ فعلى التراخي وزعم بعض المتأخرين ان هذا الخلاف بينهما مبني على ان الامر المطلق عند ابي يوسفؒ للفور وعند محمد لا وهذا غير صحيح لان الامر المطلق لا يوجب الفور باتفاق بينهما فهذه مسألة مبتدأة فقال ابو يوسفؒ بوجوبه بالفور احترازا عن الفوت حتى اذا اتى به بعد العام الاول كان اداء عنده وعند محمدؒ وجوبه على التراخي بشرط ان لا يفوت حتى لو لم يحج في العام الاول وادى في الثاني والثالث يكون اداء اتفاقا ولو لم يحج ومات يكون آثما اتفاقا اما عند ابي يوسفؒ فظاهر واما عند محمدؒ فلانه فات عن العام الاول وعدم فوته العمر مشكوك فيكون آثما موقوفا فان ادى بعد ذلك يرتفع الاثم فثمرة الخلاف انه اذا اداه بعد العام الاول يأثم بالتأخير عند ابي يوسفؒ

خلافا لمحمدؒ

ترجمہ: واضح رہے کہ حج فرض ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ مگر مصنفؒ نے لفظ وجوب کا اطلاق کر کے اس سے مراد فرض لیا ہے اور اسطرح کہا کہ حج ہر آزاد مسلمان مکلف (عاقل بالغ) تندرست آنکھوں والا بینا پر واجب ہے بشرطیکہ اس کے پاس توشہ اور سواری ہو جو کہ حوائج اصلیہ سے زیادہ ہو اور عیال (گھر والوں) کے نفقہ سے زائد ہو گھر لوٹنے تک اس شرط کے ساتھ کہ راستہ (بھی) مامون ہو۔ اگر عورت کے سفر کے آغاز کی جگہ اور مکہ کے درمیان سفر شرعی کی مسافت ہو تو اسکے شوہر یا محرم کے ساتھ ہونے بغیر حج درست نہیں۔ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے قدرت ہوتے ہی علی الفور فرض ہو جاتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ یہی فرماتے ہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک علی الفور واجب نہیں، بلکہ تاخیر کے ساتھ بھی ادائیگی درست ہے اور بعض متاخرین کا خیال ہے کہ امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے درمیان یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ مطلق امر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک علی الفور کا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک علی الفور کا نہیں۔ اور یہ صحیح نہیں کیونکہ دونوں کے نزدیک امر مطلق سے علی الفور حج واجب نہیں ہوتا۔ پس حج کا مسئلہ امر مطلق میں اختلاف پر مبنی نہیں ہے۔ پس امام ابو یوسفؒ علی الفور اسے واجب قرار دیتے ہیں کہ حج فوت ہونے کے

اعتبار سے احتیاط اسی میں ہے کیونکہ حج ایک بار فرض ہے اور زندگی کی خبر نہیں کہ کتنی باقی ہے آئندہ
سال تک تاخیر میں مرجانے کا اور فرض ذمہ باقی رہ جانے کا اندیشہ ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک فی الفور
واجب نہیں ہوتا اس شرط کے ساتھ کہ اسکا حج (تاخیر کی وجہ سے) فوت نہ ہوگا حتی کہ اگر پہلے سال میں
واجب ہونے کے بعد ادا نہ کرے اور دوسرے یا تیسرے سال میں ادا کرے تو سب کے نزدیک بالاتفاق
حج ادا ہوگا۔ اور ادا کے بغیر اگر مرجائے تو بالاتفاق سب کے نزدیک گنہگار ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کے
نزدیک واسکا گنہگار رہنا ظاہر ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر اس نے پہلے سال حج نہیں کیا اور زندگی میں
اسکا حج کرنا مشکوک ہے تو اس کا گنہگار ہونا موقوف ہوگا پس اگر اس نے اسکے بعد حج کر لیا تو امام
محمدؒ کے نزدیک اس کا گناہ ختم ہو جائیگا کیونکہ اس نے تاخیر ہی سے سہی مگر حج کر لیا اور امام ابو یوسفؒ کے
نزدیک تاخیر کے باعث اس کا گناہ مرتفع نہ ہوگا لہٰذا امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے اس اختلاف کا ثمرہ و نتیجہ
یہ ہے کہ وہ اگر پہلے سال کے بعد حج کرے گا تو تاخیر کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک گنہگار ہوگا
اور امام محمدؒ کے نزدیک گنہگار نہ ہوگا۔

تشریح و توضیح

کتاب الحج الخ تین رکنوں سے فارغ ہو کر اب چوتھا رکن و رکن اسلام شروع کیا
ہے۔ الحج، حا کے زبر اور جیم کی تشدید اور حا کے زیر کے ساتھ۔ لغت میں اسکے
قصد اور شرعاً مخصوص جگہ کی مخصوص وقت میں زیارت کو کہتے ہیں بوجہ الخ، عمر میں ایک مرتبہ حج کرنا
بشرط استطاعت فرض ہے اور ایک سے زیادہ مرتبہ نفل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسی طرح
ہے (ابو داؤد میں یہ روایت موجود ہے)

علی کل حر الخ آزاد مسلمان مکلف تندرست و بینا پر حج فرض ہے، پس غلام پر واجب نہیں خواہ مدبر
ہو یا مکاتب یا خالص غلام اور کافر پر واجب نہیں کیونکہ کافر حق ادائے عبادت فرض کا مخاطب نہیں اور
اسی طرح غیر مکلف (پاگل و بچہ) پر واجب نہیں۔

فضلاً الخ یعنی حوائج اصلیہ سے زائد ہو اور اہل و عیال کے نفقہ سے زائد ہو۔ مع امن الطریق الخ
راستہ کا مامون ہونا بھی شرط ہے اور عورت ہو تو سفر شرعی کے بقدر مسافت کی صورت میں اسکے
ساتھ شوہر یا محرم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کوئی عورت محرم کے بغیر حج نہ
کرے (یہ روایت مسند بزار میں موجود ہے) اور بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ کوئی عورت
بلا محرم کے سفر نہ کرے۔ اور ایک روایت میں ہے مگر یہ کہ ساتھ اسکا شوہر یا محرم ہو۔ اور عورت کے
پر محرم کا نفقہ واجب ہے۔

علی الفور: یعنی جس سال حج واجب ہوا ہو اسی سال بلا تاخیر حج کرے اور دوسرے سال تک حج
کو موخر نہ کرے۔

ممنوع نہیں۔ اور شکار کے جانور کی طرف نہ اشارہ کرے اور نہ کسی کو بتلائے۔ اور خوشبو لگانے اور اور ناخن کاٹنے سے اجتناب کرے اور منہ و سر ڈھانپے اور سر و داڑھی خطمی سے دھوئے اور بالوں میں کنگھی نہ کرے اور سر منڈانے اور جسم کے بال مونڈنے سے احتراز کرے اور قمیص (کرتہ) اور پاجامہ اور قبا و عمامہ اور ٹوپی اور موزوں اور خوشبودار رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے سے پرہیز کرے۔ البتہ اگر ایسی خوشبو زائل ہو جانے کے بعد استعمال کرے تو درست ہے حمام میں جانا (غسل کرنا) اور عمارت و کجاوے کے سائے میں بیٹھنا درست ہے یعنی پہلے میم کے زبر اور دوسرے میم کے زیر کے ساتھ اور زینے محمل یعنی پہلے میم کے زبر اور دوسرے میم کے زبر کے ساتھ اس سے مراد کجاوا ہوتا ہے۔

تشریح و توضیح اغتسل الخ: یعنی بوقت احرام غسل کرنا مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً و فعلاً ثابت ہے۔ (ترمذی شریف میں روایت موجود ہے)
یہ غسل طہارت کیلئے نہیں بلکہ صرف نظافت کی خاطر کیا جاتا ہے اسلئے عورتوں اور بچوں کیلئے بھی یہ غسل مستحب ہے۔
ازارا ورداء الخ: یہ اقل اور افضل کا بیان ہے لیکن اگر ایک پر اکتفا کرے یا دو سے زیادہ تین سے تب بھی جائز ہے البتہ سلا ہوا نہ ہونا شرط ہے۔ وصلی رکعتین الخ یعنی احرام باندھ کر تو پھر دو رکعات پڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ذی الحلیفہ سے احرام باندھا تو دو رکعات پڑھی تھیں۔
بحضرتہن الخ: یعنی عورتوں کی موجودگی میں بحالت احرام اس قسم کی گفتگو ممنوع ہے کیونکہ اس سے جماع کی جانب رغبت پیدا ہوتی ہے اور ویسے بھی ساتھ نہ ہوں تو یہ حکم نہیں۔
وقتل صید البر الخ: یعنی خشکی کے جانوروں کا شکار محرم کے واسطے ممنوع ہے۔ ارشاد ربانی ہے لا تقتلوا الصید وانتم حرم (الآیۃ) لا البحر: بحری (سمندری) شکار محرم کیلئے ممنوع نہیں۔ ارشاد باری ہے احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما الآیۃ
لا الاستحمام: یعنی محرم کیلئے غسل کرنا ممنوع نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے بحالت احرام غسل فرمانا ثابت ہے۔
والاستظلال: دیوار وغیرہ کے سائے میں بیٹھنا محرم کیلئے درست ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے خیمہ لگایا جاتا تھا حالانکہ وہ محرم ہوتے تھے۔

وشدّ همیان فی وسطه یعنی الهمیان مع انه مخیط لا بأس بشدّه فی حقوه واکثر التلبیة
متی صلی او علا شرفا او هبط وادیا او لقی رکبانا او اسحر واذا دخل مکة بدأ بالمسجد وحین
رأی البیت کبّر وهلل ثم استقبل الحجر وکبر وهلل ویرفع یدیه کالصلوة واستلمه ان
تناوله بالید او بالقبلة او مسحه بالکف من السنة بتقبیلهن وکبر الا وطی الحجر

طرح اچھلتے اور اترتے ہوئے۔ یعنی کندھے اور چھوٹے قدم سے یا چومے یا اسے سلمات کے ساتھ چھوئے سین کے زبر اور لام کے زیر کے ساتھ اس سے مراد حجر اسود ہے۔ اگر ایذاء پہنچائے بغیر قادر ہو۔ یعنی کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے اور مزاحمت کے بغیر اسپر قدرت ہو ورنہ ہاتھ میں کوئی چیز (مثلاً لکڑی) لیکر اس سے چھوے اور اس لکڑی کو چوم لے۔ اور اگر اس سے بھی (بوجہ ہجوم کے) عاجز ہو تو حجر اسود کے سامنے جاکر تکبیر وتہلیل کہے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور نبی علیہ السلام پر درود بھیجے۔ اور بیت اللہ کا طواف طواف قدوم کرے۔ اور یہ طواف آفاقی (خارج میقات سے آنے والے) کیلئے مسنون ہے۔ اور داہنی جانب سے شروع کرے۔ پس اس جہت سے شروع کرے جو باب کعبہ سے متصل وقریب ہو۔ "یمینہ" کی ضمیر طواف کرنے والے کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی جب طواف کرنے والا حجر اسود کا استقبال کرے گا اسکی داہنی جانب باب کعبہ کی طرف ہوگی۔ پس وہ حجر اسود سے آغاز کرکے ملتزم تک جائے گا جو حجر اسود اور باب خانہ کعبہ کے درمیان ہے۔ چادر کو داہنی بغل کے نیچے کرکے اسکے کنارے اپنے بائیں کاندھے پر ڈالے۔ "مختصر" میں ایسا ہی ہے۔ "مضطبعاً" کہا اور اضطباع کے معنی یہی ہیں جو مصنف نے بیان کئے اور حطیم کے سات بار طواف۔ "الحطیم" حطم سے مشتق ہے۔ "الحطم" کے معنی ہیں توڑنا ہوا۔ اور وہ اس جگہ کا نام ہے جہاں میزاب کعبہ ہے۔ حطیم کو حطیم اسلئے کہتے ہیں کہ اسے (قریش نے) بیت اللہ سے نکال دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ پر رسول علیہ السلام کو فتح عطا فرمائی تو بیت اللہ میں دو رکعات پڑھینگی تو جب مکہ مکرمہ فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں پہنچایا اور ارشاد ہوا یہاں نماز پڑھو یہ حطیم بھی بیت اللہ میں داخل ہے۔ تمہاری قوم (قریش) کو مالی پریشانی (خرچ کی دقت) ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ سے نکال دیا اور اگر تمہاری قوم کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کی بنیاد منہدم کرکے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی بنیاد پر ظاہر کرکے حطیم کو بیت اللہ میں داخل کرتا اور کعبہ کی چوکھٹ کو زمین سے ملادیتا اور بیت اللہ کے دو دروازے بناتا ایک شرقی دروازہ اور ایک غربی دروازہ اور اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو میں ضرور ایسا کروں گا مگر آپ آئندہ سال تک حیات نہ رہے اور وصال ہو گیا اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اسکا موقع نہ ملا یہاں تک کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کا زمانہ خلافت آگیا اور حضرت عبداللہؓ نے حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سن رکھی تھی تو انہوں نے ایسا ہی کیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی (اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی بنیاد پر بیت اللہ شریف کی تعمیر لوگوں (صحابہؓ) کی موجودگی میں فرمائی اور حطیم کو بیت اللہ میں داخل کرلیا پھر حضرت عبداللہؓ شہید کر دیئے گئے تو حجاج نے اسے ناپسند کیا کہ بیت اللہ کی بنیاد حضرت

عبد اللہ کی قائم کردہ بنیاد کے مطابق باقی رہے تو حجاج نے کعبہ کی عمارت منہدم کر کے پھر دور جاہلیت کی بنیادوں پر تعمیر کر دی۔ جب حطیم خانۂ کعبہ میں سے قرار پایا تو اس صورت میں طواف حطیم سمیت کیا جائے گا۔ حتی کہ اگر خالی جگہ (جو حطیم اور کعبہ کے درمیان ہے) میں داخل ہو کر طواف میں حطیم کو چھوڑ دے تو جائز نہ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی نماز پڑھنے والا صرف حطیم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا تو جائز نہ ہوگی کیونکہ کعبہ کی طرف منہ کرنا قرآن شریف (فولوا وجوھکم شطر المسجد الحرام) سے ثابت ہے تو احتیاطاً خبر واحد سے ثابت شدہ کے ساتھ نماز ادا نہ ہوگی۔ (یعنی یہ کہ حطیم داخل کعبہ ہے حدیث سے ثابت ہے) اور طواف میں احتیاط یہ ہے کہ حطیم کو اس میں داخل کیا جائے گا۔

تشریح و توضیح همیان الخ ہا کے زیر اور میم کے سکون کے ساتھ وہ چیز جو پاجامہ کے کمر بند سے وسط کمر میں باندھی جائے اور اس میں دراہم (اخراجات) رکھے جائیں۔ ضرورتاً اس کی اجازت صحابہ کرامؓ اور تابعین سے ثابت ہے۔

ویکرہ تغطیۃ الخ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ سلف ان حالات میں اور ان مواقع میں تلبیہ کی کثرت کو پسند فرماتے تھے۔

محجن الخ میم کے پیش اور جیم کے زیر کے ساتھ مقدار سے سے مراد ہے۔ یعنی اگر ہجوم سے چومنا ممکن نہ ہو یا ہاتھ سے چھونا ممکن نہ رہے تو مثلاً عصا وغیرہ سے چھو کر اسے چوم لے اور ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کا عصا سے استیلام کیا (یہ روایت بخاری شریف وغیرہ میں موجود ہے) جاعلاً الخ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح اضطباع ثابت ہے۔ سنن ابی داؤد میں روایت موجود ہے۔

الخلفاء الراشدون الخ یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کا دور خلافت۔ ان کا زمانۂ خلافت ۴۰ھ میں ختم ہوا۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت فرمائی۔ حضرت معاویہؓ کا ۶۰ھ میں انتقال ہوا اور ان کے بعد یزید کا تسلط ہوا۔ اسی کے زمانہ میں شہادت حسینؓ کا حادثہ پیش آیا۔ پھر یزید کا دور تسلط ختم ہو کر مروان کا دور اقتدار آیا اور پھر عبد الملک برسر اقتدار آیا۔ اسی زمانہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے اہل حجاز نے اپنی خلافت کی بیعت لی۔ جب حجاز پر ان کی خلافت مستحکم ہو گئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو کے مطابق جسکے بارے میں وہ اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سن چکے تھے خانۂ کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ پھر جب جمادی الاولیٰ ۷۳ھ میں حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ شہید ہو گئے تو حجاج نے خانۂ کعبہ کی تعمیر عہد جاہلیت کے مطابق کر دی۔

ذلک الخ یعنی اگر کسی شخص نے صرف حطیم کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور اجزائے کعبہ میں سے

کسی جزء کی طرف رخ نہیں کیا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ حطیم کا بیت اللہ میں شامل ہونا اخبار احاد سے ثابت ہے اور اسے تواتر کا درجہ حاصل نہیں ہوا اور کعبہ کی طرف توجہ ہونا کرنا نص قطعی یعنی قرآن کریم سے ثابت ہے بس صرف حطیم کی طرف توجہ کافی نہ ہوگی۔

ويرمل في الثلثة الاول فقط من الحجر الى الحجر وهو ان يمشي سريعاً ويهز في مشيته الكتفين كالمبارز بين الصفين وذلك مع الاضطباع وكان سببه اظهار الجلادة للمشركين حيث قالوا اضناهم حمى يثرب ثم بقي الحكم بعد زوال السبب في زمن النبي عليه السلام وبعده وكلما مر بالحجر فعل ما ذكر ويستلم الركن اليماني وهو حسن ويختم الطواف باستلام الحجر ثم صلى شفعاً يجب بعد كل اسبوع عند المقام او غيره من المسجد ثم عاد واستلم الحجر وخرج فصعد الصفا واستقبل البيت وكبر وهلل وصلى على النبي عليه السلام ورفع يديه ودعا بما شاء ثم مشى نحو المروة ساعياً بين الميلين الاخضرين وصعد عليها وفعل ما فعله على الصفا يفعل هكذا سبعاً يبدأ بالصفا ويختم بالمروة اي السعي من الصفا الى المروة شوط ثم من المروة الى الصفا شوط آخر فيكون بداية السعي من الصفا وختمه وهو السابع على المروة وفي رواية الطحاوي السعي من الصفا الى المروة ثم منها الى الصفا شوط واحد فيكون اربعة عشر شوطاً على الرواية الثانية ويقع الختم على الصفا والصحيح هو الاول ثم سكن بمكة محرماً وطاف بالبيت نفلاً ما شاء وخطب الامام سابع ذي الحجة وعلم فيها المناسك وهي الخروج الى منى والصلوة بعرفات والوقوف بعرفات والافاضة ثم التاسع بعرفات ثم الحادي عشر بمنى يفصل بين كل خطبتين بيوم ثم خرج غداة التروية وهو اليوم الثامن من ذي الحجة سمي بذلك لانهم يروون الابل في هذا اليوم الى منى ومكث فيها الى فجر يوم عرفة ثم منها الى عرفات وكلها موقف الا بطن عرنة واذا زالت الشمس صلى خطب الامام خطبتين كالجمعة وعلم فيها المناسك وهي الوقوف بعرفة والمزدلفة ورمي الجمار والنحر والحلق وطواف الزيارة۔

ترجمہ اور صرف پہلے تین شوط میں رمل کرے اور ایک شوط حجر اسود سے حجر اسود تک پورا ہوتا ہے اور رمل یہ ہے کہ اپنے کاندھوں کو ہلاتے ہوئے تیزی کے ساتھ چلے جیسا کہ لڑائی کی صفوں کے درمیان چلنے کے مانند چلے اور یہ رمل اضطباع کے ساتھ ہو۔ اور اس کا سبب ان مشرکین مکہ کا خیال تھا

شجاعت کرنا تھا جو کہتے تھے کہ مدینہ کے بخار (وغیرہ) نے ان لوگوں کو کمزور کر دیا پھر رمل کا حکم
اس سبب کے ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اسکے بعد بھی باقی رہا (کیونکہ یہ
یادگار رضوان اللہ معمول ہو کر ہمیشہ کیلئے اظہار قوت و شجاعت کا نمونہ بن گئی) اور جب بھی حجر اسود سے گزرے
کرے جو ممکن ہو (یعنی بوسہ دے) اور رکن یمانی کو بوسہ دے اور یہ استلام و چومنا مستحب ہے
پھر حجر اسود کے بوسہ کے ساتھ طواف ختم کرے۔ اسکے بعد دو رکعات پڑھے اور سات شوط کے بعد یہ
دو رکعات مقام ابراہیم یا اسکے علاوہ مسجد کے کسی حصہ میں پڑھنا واجب ہے پھر لوٹ کر حجر اسود کو چومے
اور نکل کر صفا (کوہ صفا) پر چڑھے اور بیت اللہ کی طرف منہ کرے اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے اور نبی
علیہ السلام پر درود بھیجے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر جو چاہے دعاء مانگے پھر مروہ (کوہ مروہ) کی طرف
چلے دو سبز میلوں کے درمیان دوڑتا ہوا اور مروہ پر چڑھکر وہ کرے جو صفا پر کر چکا تھا اسی طرح
سات بار کرے شروع کرے صفا سے اور مروہ پر ختم کرے یعنی صفا سے مروہ تک ایک شوط پھر مروہ
سے صفا تک دوسرا شوط ہوتا ہے تو مختصر یہ کرے دوڑنا اور ختم کرے مروہ پر اور ساتویں دفعہ میں
مروہ پر ختم کرے اور طحاوی کی ایک روایت میں ہے کہ سعی صفا سے مروہ تک پھر مروہ سے صفا تک
ایک شوط ہے تو روایت ثانیہ کے مطابق چودہ شوط ہوں گے اور اختتام صفا پر ہوگا۔ اور صحیح
اول ہے یعنی سات شوط والی روایت، پھر بحالت احرام مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور بیت اللہ کا
نفل طواف جسقدر چاہے کرے اور ساتویں ذی الحجہ کو امام خطبہ دے اور اسمیں حج کے احکام بتائے
اور وہ یہ ہے (مثلاً) منیٰ کی جانب نکلنا اور نماز اور وقوف عرفات اور افاضہ (یعنی عرفات سے لوٹنا)
اور دوسرا خطبہ نویں تاریخ کو عرفات میں پھر تیسرا خطبہ گیارہ تاریخ کو منیٰ میں دے۔ تو ہر خطبہ میں
ایک دن کا فصل رکھے پھر آٹھویں تاریخ کو بوقت صبح منیٰ کی طرف نکلے۔ اور یہ ترویہ ۸ ذی الحجہ
کی آٹھویں تاریخ ہے۔ اسکا یہ نام اسلئے رکھا گیا کیونکہ اونٹوں والے اس دن اونٹوں کو سیراب کرتے تھے
پھر منیٰ میں یوم عرفہ کی فجر تک ٹھہرے۔ اسکے بعد وہاں سے عرفات جائے اور عرفات میں جہاں
چاہے ٹھہرے سوائے بطن عرفہ کے وہاں ٹھہرنے کی ممانعت ہے، اور سورج ڈھلنے (زوال) کے بعد
امام جمعہ کی طرح دو خطبے دے اور اسمیں حج کے احکام بتلائے (مثلاً) وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ کنکریاں
پھینکنا، قربانی، حلق اور طواف زیارت وغیرہ کے احکام ہیں۔

تشریح و توضیح

الی الحجر الخ: اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل رہا اور وہ
ابتداء میں حجر اسود سے رکن یمانی تک رمل کرتے تھے اور ان کے درمیان اپنی عادی
رفتار پر چلتے تھے۔ وکان سببہ الخ: حدیث ابن عباس کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سنہ ۷ھ میں فتح مکہ سے قبل بغرض عمرہ مکہ تشریف لے گئے مگر مشرکین آڑے آئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ

فانه ان صلى المغرب قبل وقت العشاء لا يجوز عند ابي حنيفة ومحمد فيجب الاعادة مالم يطلع الفجر فان حكم بعدم الجواز لادراك فضيلة الجمع وذلك قبل طلوع الفجر فاذا فات امكان الجمع سقط القضاء لانه ان وجب القضاء فاما ان وجب قضاء لفضيلة الجمع وذا لا يمكن اذ لا مثل له وان وجب قضاء نفس الصلوة فقد اداها في الوقت فكيف يجب قضاؤها :-

ترجمہ اور ان کے ساتھ ظہر اور عصر ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھے اور دونوں نمازوں کے جمع کرنے کے واسطے شرط ہے کہ امام ہو اور وہ احرام کی حالت میں ہو پس جس نے ظہر اور عصر کی نماز منفرد ہو کر یا جماعت پڑھی اس کیلئے عصر کی نماز امام کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں اور نہ اس شخص کیلئے جائز ہے جس نے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد احرام باندھا ہو بلکہ وہ نماز عصر اپنے وقت (وقت عصر) میں پڑھے اور وقت ظہر میں نہ پڑھے اور (یعنی اولی وقت) استثناء ہے مصنف کے قول "فلا یجوز العصر" سے اور نماز عصر کو اس حکم کے ساتھ مخصوص کرنا کہ جائز نہیں ہے مگر اپنے وقت میں کہ ظہر اپنے وقت میں واقع ہونے کی وجہ سے جائز ہے رہی عصر کی نماز تو وہ وقت سے پہلے (ظہر کے وقت سے قبل) نماز ظہر وعصر باجماعت پڑھنے کی شرط کے ساتھ جائز ہے اور یہ کہ نماز پڑھنے والا دونوں نمازوں کے وقت محرم ہو۔ پھر موقف کی طرف چلے۔ اس وقت غسل کرنا مسنون ہے اور اپنی اونٹ پر کھڑا ہو جبل رحمت کے قریب قبلہ رخ ہو کر اور پھر تضرع وزاری اور خوب کوشش سے دعا مانگے اور حج کے احکام بتائے۔ اور لوگ امام کے پیچھے اس کے قریب کھڑے ہوں سب قبلہ رخ ہوں امام کے کلام کو سن رہے ہوں۔ اور آفتاب غروب ہونے کے بعد مزدلفہ آئیں اور وادی محسر کے علاوہ جہاں چاہے وقوف کرے۔ اور جبل قزح کے قریب اترے اور مغرب وعشاء اذان اور اقامت کے ساتھ پڑھے یہاں مغرب اور عشاء (دونوں) وقت عشاء میں پڑھی جائیں گی۔ اور جس نے مغرب کی نماز راستہ میں ادا کرلی ہو یا عرفات میں پڑھ لی ہو تو طلوع فجر سے پہلے اس کا اعادہ کرے بعد میں اعادہ نہ کرے کیونکہ اگر وہ مغرب کی نماز عشاء کے وقت سے پہلے پڑھے تو جائز نہیں امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک پس تاوقتیکہ طلوع فجر نہ ہو اسکا اعادہ واجب ہوگا۔ اسلئے کہ عدم جواز کا حکم دونوں نمازوں کی جمع کی فضیلت پانے کیلئے ہے اور یہ طلوع فجر تک ممکن ہے پس جب امکان جمع وقت فوت کی بنا پر ختم ہو گیا تو مغرب کی قضاء بھی ساقط ہو گئی کیونکہ اگر قضاء فضیلت جمع پانے کیلئے ہو تو اسکا مثل موجود نہ ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں اور اگر نفس نماز کی قضاء واجب ہو تو اسکو اپنے وقت پر ادا کیا ہے تو پھر اس کی قضاء کیسے واجب ہوگی :-

تشریح و توضیح: فی وقت الظهر — اسی ابن علم کا تعلق ہے۔ متعدد روایات سے اس کا ثبوت ہے اسی طرح مزدلفہ میں جمع تاخیر متعدد روایات سے ثابت ہے اور ظہر کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نماز جمعہ یوم عرفہ میں نہیں پڑھے گا اگرچہ جمعہ کا دن ہو۔ باذان واقامتین الخ — مسلم شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے کیونکہ اذان دخول وقت کی اطلاع کے لئے ہے پس ایک ہی کافی ہے بخلاف اقامت کے کہ حاضرین کو اطلاع دوبارہ ہونی چاہیے۔ محل الجمعۃ — یہ وادی عرفات کے وسط میں ایک پہاڑ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں وقوف فرمایا تھا۔

عند ابی حنیفۃ — امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے نزدیک اعادہ واجب ہوگا۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اعادہ واجب نہیں ہوگا بلکہ پہلی پڑھی ہوئی نماز کافی ہو جائے گی۔ البتہ سنت کی مخالفت کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

وصلى الفجر بغلس ثم وقف ودعا وهو واجب لا ركن وإذا أسفر أتى منى ورمى جمرة العقبة من بطن الوادي سبعا خذفا وكبر بكل منها وقطع التلبية بأولها ثم ذبح إن شاء ثم قصر وحلقه أفضل وحل له كل شيء إلا النساء ثم طاف للزيارة يوما من أيام النحر سبعة بلا رمل وسعي إن كان سعى قبل وإلا فعلهما وأول وقته بعد طلوع فجر يوم النحر وهو فيه أفضل أي في يوم النحر وحل له النساء فإن أخره عنها كره أي عن أيام النحر ووجب دم ثم أتى منى وبعد زوال ثاني النحر رمى الجمار الثلث يبدأ بما يلي المسجد أي مسجد الخيف ثم بما يليه ثم بالعقبة سبعا سبعا وكبر بكل حصاة ووقف بعد ما بعده رمي فقط أي يقف بعد الرمي الأول وبعد الثاني لا بعد الثالث ولا يقف بعد رمي يوم النحر ودعا ثم غدا كذلك ثم بعده كذلك إن مكث وهو أحب وإن قدم الرمي فيه أي في اليوم الرابع على الزوال جاز وله النفر قبل طلوع فجر اليوم الرابع والنفر خروج الحاج من منى لا بعده فإنه إن توقف حتى طلع الفجر وجب عليه رمي الجمار وجاز الرمي راكبا وفي الأوليين ماشيا أحب لا العقبة الأوليان ما يلي مسجد الخيف ثم ما يليه ولو قدم ثقله إلى مكة وأقام بمنى للرمي كره وإذا نفر إلى مكة نزل بالمحصب ثم طاف للصدر سبعة أشواط بلا رمل وسعي وهو واجب إلا على أهل مكة ثم شرب من زمزم وقبل العتبة ووضع صدره ووجهه على الملتزم وهو ما بين الحجر والباب وتشبث بالأستار ساعة ودعا مجتهدا ويبكي ويرجع قهقرى حتى يخرج من المسجد ويسقط

طواف القدوم معنی وقیل بعرفة قبل دخول مكة ولا شيء عليه بتركه اذ لا يجب عليه شيء بترك السنة

ترجمہ: اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھے (یعنی روشنی زیادہ پھیلنے سے پہلے پڑھے) پھر وقوف کرے (مزدلفہ میں ٹھہرے) اور دعا کرے۔ اور یہ وقوف ہمارے نزدیک واجب ہے رکن نہیں اور کچھ نہیں۔ اور جب خوب روشنی ہو جائے تو منیٰ میں آکر جمرہ عقبہ کی رمی بطن وادی سے کرے سات بار انگلیوں سے سات کنکریاں پھینکے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور پہلی کنکری پھینکنے (رمی) کے ساتھ تلبیہ ختم کرے پھر ذبح کرے اگر چاہے پھر اسکے بعد قصر کرے اور حلق کرنا افضل ہے اور اب اس کیلئے سوائے عورتوں کے اور سب چیزیں حلال ہو جائیں گی پھر طواف زیارت کرے ایام نحر میں سے کسی دن سات مرتبہ رمل اور سعی کے بغیر بشرطیکہ اس سے قبل رمل اور سعی کر چکا ہو ورنہ (بصورت دیگر) رمل اور سعی بھی کرے۔ اور طواف زیارت کا اول وقت یوم نحر کے طلوع فجر کے بعد ہے اور اسی دن یہ طواف کرنا افضل ہے۔ اور طواف کے بعد اب عورتیں بھی حلال ہیں (یعنی ان سے صحبت وغیرہ)۔ طواف ایام نحر سے مؤخر کرنا اور ان دنوں میں نہ کرنا مکروہ ہے۔ اور ایام نحر سے طواف مؤخر کرنے میں دم واجب ہوگا (یعنی قربانی واجب ہوگی) اسکے بعد منیٰ میں آئے اور گیارہ ذی الحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمروں کی رمی کرے۔ مسجد خیف کے نزدیک والے جمرہ سے شروع کرے پھر جو اس سے قریب ہو پھر جمرہ عقبہ کی۔ ہر جمرہ پر سات سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور محض پہلی رمی اور دوسری رمی کے بعد توقف کرے۔ یعنی پہلی رمی اور دوسری رمی کے بعد وقوف کرے تیسری کے بعد اور یوم نحر کی رمی کے بعد نہ کرے۔ اور دعا کرے پھر دوسرے دن اسی طرح کرے۔ اسکے بعد ایسا ہی کرے اگر وہاں ٹھہرے۔ اور یہ تیسرے دن ٹھہرنا اچھا ہے اور اگر چوتھے دن رمی زوال سے پہلے کرے تو جائز ہے اور چوتھے دن طلوع فجر سے پہلے وہاں سے چلے جانا درست ہے۔ یعنی حاجی کا طلوع فجر سے قبل منیٰ سے جانا درست ہے۔ طلوع فجر کے بعد بغیر رمی کے جانا درست نہیں۔

اسلئے کہ اگر وہ طلوع فجر تک ٹھہرے تو اس پر رمی چہارم واجب ہے اور سوار ہو کر رمی کرنا جائز ہے۔ اور جمرہ اولیٰ کی رمی (جو مسجد خیف کے پاس ہے) اور جمرہ وسطیٰ کی (جو اسکے بعد ہے) بغیر سواری کے کرنا مستحب (و افضل) ہے نہ کہ جمرہ عقبہ کی۔ الاولیٰ سے مراد مسجد خیف سے متصل اور اسکے بعد کا جمرہ وسطیٰ۔

اور اگر اپنا اسباب مکہ میں بھیج دے اور منیٰ میں رمی کے واسطے ٹھہرے تو یہ مکروہ ہے۔ اور جب منیٰ سے لوٹے تو محصب میں اترے پھر طواف صدر کرے رمل و سعی کے بغیر سات شوط

اور یہ طواف واجب ہے مگر اہل مکہ پر واجب نہیں پھر آب زمزم پئے اور چوکھٹ کو بوسہ دے اور ملتزم پر اپنا سینہ اور منہ رکھے۔ ملتزم وہ ہے جو حجر اسود اور دروازہ کے درمیان ہے اور کچھ دیر کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر تضرع وزاری سے دعا مانگے اور الٹے پاؤں لوٹے رخصت کرتا ہوا لوٹے، حتیٰ کہ مسجد حرام سے باہر آجائے اور جس نے مکہ مکرمہ میں جانے سے پہلے وقوف عرفہ کیا ہو تو طواف قدوم اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اس کے ترک کے باعث اس پر کوئی دم واجب نہ ہوگا۔ (پھر ترک سنت کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ یہ طواف سنت ہے)

تشریح و توضیح بغلس الخ یعنی صبح صادق کے طلوع کے بعد کچھ تاریکی باقی رہتے ہوئے نماز پڑھ لے۔ کیونکہ اس میں اسفار مستحب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے۔ (بخاری شریف وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے۔)

ثم وقف الخ مستحب یہ ہے کہ جبل قزح کے قریب وقوف کیا جائے اگر ممکن ہو اور ذکر دعاء اور درود میں مصروف رہے اور تلبیہ کی کثرت رکھے۔ صحاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے، ویکبر الخ ہر مرتبہ رمی کے ساتھ اللہ اکبر کہے،

بادئا بها الخ۔ صحاح ستہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تلبیہ پڑھتے تھے حتیٰ کہ جمرۂ عقبہ کی رمی فرما لیتے، وجب الخ یعنی ترک واجب کے نقصان کی تلافی کیلئے دم واجب ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مناسک حج (واجبات) میں سے کچھ بھول جائے یا ترک کر دے تو اسے دم دینا چاہئے

(موطا امام مالک میں یہ ارشاد موجود ہے) ثم شرب الخ یعنی طواف وغیرہ سے فارغ ہو کر زمزم کے کنویں پر آئے اور تین بار قبلہ رخ کھڑے ہو کر پانی پئے۔ مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کا عمل ثابت ہے۔

ومن وقف بعرفة ساعة من زوال يومها الى طلوع فجر يوم النحر او اجتاز نائما او مغمى عليه او اهل عنه رفيقه به او جهل انها عرفة صح ومن لم يقف فيها فات حجه فطاف وسعى وتحلل وقضى من قابل. هذا لمن احرم ولم يدرك الحج والمرأة كالرجل لكنها لا تكشف رأسها بل وجهها ولو سدلت شيئا عليه وجافته عنه صح ولا تلبي جهرا ولا تسعى بين الميلين ولا تحلق بل تقصر وتلبس المخيط ولا ترمل ولا تستلم الحجر في الزحام وحيضها لا يمنع نسكا الا الطواف فانه في المسجد ولا يجوز للحائض دخوله وهو بعد ركنيه يسقط طواف الصدر اى الحيض بعد الوقوف وطواف الزيارة

ويسقط طواف الصدر وعلم ان الاحرام قد يكون بسوق الهدي فلذا اراد ان يبينه فقال (ومن قلد بدنة نفل او نذر او جزاء صيد او نحوه كالدماء الواجبة بسبب الجناية في السنة الماضية يريد الحج او بعث بها ثم اي بعث بالبدنة المقلدة وتوجه معها بنية الاحرام فقد احرم) المراد بالتقليد ان يربط قلادة على عنق البدنة ليعلم به انها هدي فيصير به محرما كما بالتلبية (ولو اشعرها) اي شق سنامها ليعلم انها هدي (او جللها) اي القى الجل على ظهرها (او قلد شاة لا او لم يبعث بدنة ثم توجه حتى يلحقها) اي ان لم يتوجه مع البدنة ولم يسقها بل بعثها لا يصير محرما حتى يلحقها فاذا لحقها يصير محرما والبدن من الابل والبقر هذا عندنا واما عند الشافعي فالبدن من الابل فقط

ترجمہ: اور جس شخص نے یوم عرفہ (نویں تاریخ) کے زوال آفتاب کے بعد سے یوم النحر (دسویں تاریخ) کے طلوع فجر تک ایک ساعت بھی وقوف عرفہ کیا یا سوتے ہوئے عرفات سے گزر گیا یا بیہوشی کی حالت میں گزرا یا (وہ بے ہوش تھا) اور اسکے رفیق نے اسکی طرف سے لبیک کہا اور اسکی طرف سے احرام باندھا یا اسے معلوم نہ ہوا کہ یہ عرفہ ہے تو اسکا وقوف (اور حج) صحیح ہوگیا اور جس نے وقوف عرفہ نہیں کیا اس کا حج فوت ہوگیا پس وہ طواف اور سعی کرکے حلال ہو جائے اور آئندہ سال اس کی قضاء کرے یہ اس شخص کیلئے ہے جو احرام باندھ چکا ہو اور حج نہ پائے (یعنی وقوف عرفہ فوت ہو جانے کی وجہ سے حج فوت ہو جائے) اور عورت کا حکم (کل امور میں) مرد کی طرح ہے۔ لیکن وہ اپنا سر نہ کھولے (صرف) چہرہ کھولے۔ اور اگر چہرہ پر کوئی کپڑا اسطرح ڈال لے کہ چہرہ سے الگ رہے تو صحیح ہے۔ اور عورت جہراً تلبیہ نہ پڑھے (لبیک نہ کہے) اور سعی کے درمیان نہ دوڑے اور حلق نہ کرے (سر نہ منڈوائے) بلکہ قصر کرے اور سلے ہوئے کپڑے پہنے اور بھیڑ میں حجر اسود کے قریب نہ ہو اور حائضہ ہو جائے تو طواف کے علاوہ کل امور حج کرے کیونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ کیلئے مسجد میں جانا جائز نہیں۔ اور اگر اسے وقوف عرفہ اور طواف زیارۃ کے بعد حیض آئے تو اس سے طواف صدر (طواف رخصت) ساقط ہو جائے گا۔ اور واضح رہے کہ احرام ہدی (مکہ کو بھیجا جانے والا قربانی کا جانور) سے بھی ہو جاتا ہے تو مصنف نے اسے بیان کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے فرمایا جو بدنہ (اونٹ یا گائے یا بیل) کے گلے میں قلادہ ڈالے خواہ یہ بدنہ بطور نفل ہو یا بطور نذر یا شکار وغیرہ کا بدلہ ہو مثلاً وہ قربانیاں جو گزشتہ سال میں جنایت کے سبب واجب ہوئی ہوں۔ (اور وہ) ارادہ کرتا ہے حج کا یا قربانی تمتع کے قصد سے بھیجے اور اس بدنہ کے ساتھ احرام کی نیت سے مکہ کا ارادہ کرے تو وہ محرم ہوگیا۔ تقلید سے مراد یہ ہے کہ بدنہ کی گردن میں ہار بنا کر جوتے کا ٹکڑا وغیرہ لٹکا دے تو جس طرح تلبیہ سے محرم

اور سات روزے ایام تشریق کے بعد جب اس کا جی چاہے رکھے خواہ مکہ مکرمہ میں اور خواہ وطن لوٹ کر، پس اگر تین روزے فوت ہو گئے تو قربانی متعین ہو گئی اور اگر قارن مکہ میں جانے کے بجائے اوّلاً عمرہ کیلئے پہلے ہی وقوف عرفہ کرے تو عمرہ باطل ہو گیا اور اس پر قضاء واجب ہوگی

اور عمرہ کے ترک کی بنا پر اس پر قربانی واجب ہوگی اور دم قران ساقط ہو جائے گا اور تمتع افراد سے افضل ہے اور وہ یہ ہے کہ عمرہ کا احرام حج کے مہینوں میں میقات سے باندھے اور طواف اور سعی کرے اور حلق کرے یا قصر کرے اور طواف عمرہ کے شروع ہی میں تلبیہ ترک کر دے۔ پھر یوم ترویہ (نویں تاریخ میں) حج کا احرام باندھے اور اس سے پہلے باندھنا افضل ہے۔ اور مفرد کی طرح حج کرے مگر وہ طواف زیارت میں رمل اور اس کے بعد سعی کرے گا کیونکہ یہ اس کا حج کیلئے اوّل طواف ہے۔ بخلاف مفرد کے کہ اس نے ایک مرتبہ سعی کی۔ اور اگر یہ تمتع کرنے والا منیٰ جانے سے قبل حج کا احرام باندھنے کے بعد طواف نفل کرے تو طواف زیارت میں نہ رمل کرے گا اور نہ سعی کرے گا۔ کیونکہ وہ سعی اور رمل ایک مرتبہ کر چکا۔ اور اس پر دم تمتع لازم ہوگا۔ اور نحر کے دن قربانی دم تمتع کے قائم مقام (اور کافی) نہ ہوگی اور اگر (مفلسی کی بنا پر) دم تمتع سے عاجز مجبور ہو تو تین روزے احرام کے بعد رکھے احرام سے قبل نہ رکھے اور یہ تین روزے تاخیر سے رکھنا (سات سے شروع کر کے نو یعنی یوم عرفہ پر ختم کرے) مستحب ہے واضح رہے کہ حج کے مہینے ان تین روزوں کا وقت ہے مگر سبب کے تحقق یعنی احرام کے بعد رکھے جائیں اور یہی حکم قران میں ہے مگر تاخیر افضل ہے کیونکہ شاید ہدی مل جائے، اور وجہ یہ کہ پہلے در پے تین روزے رکھے اور آخری روزہ یوم عرفہ میں ہو اور اگر چاہے محرم پیچھے سے ہدی کو ہانکے اور یہ افضل ہے اور بدنہ تقلید کے ساتھ ہدی چلانے اور یہ آگے سے کھینچنے سے اولیٰ ہے اور بدنہ کی گردن میں قلادہ ڈالے۔ اور قلادہ ڈالنا جھول سے افضل ہے یعنی جھول ڈالنا جائز ہے مگر قلادہ ڈالنا اس سے بہتر ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ جھول ڈالنے سے محرم ہو جائے گا کیونکہ یہ اس باب سے قبل گزر چکا کہ جھول ڈالنے سے محرم نہ ہوگا بلکہ تلبیہ یا وہ فعل جو اس کے قائم مقام ہے ضروری ہے اور وہ قلادہ ڈالنا ہے۔

تشریح و توضیح باب القران الخ۔ جب مفرد بالحج کا ذکر کیا تو مصنف نے ارادہ کیا کہ باقی دو قسموں قران اور تمتع کا بھی ذکر کیا جائے اور ان کے احکام بھی بیان کئے جائیں تاکہ ان تینوں قسموں سے کون سی افضل ہے معلوم ہو جائے۔ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ تینوں قسموں میں سے کون سی قسم افضل ہے۔ اور اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں قارن تھے یا متمتع یا مفرد۔ تو کثیر روایات سے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں مروی ہیں ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے۔

ابن قیم نے زاد المعاد میں تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ اسلئے معلوم ہوا کہ قران ان دونوں سے افضل ہے ۔ (من المیقات) من میقات کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ قارن اور متمتع آفاقی ہی ہوگا مکی کیلئے تمتع اور قران نہیں ۔ بلکہ افراد ہے ۔ (بعد ایام التشریق) یعنی یہ روزے ایام تشریق کے بعد رکھے کیونکہ روزہ یوم نحر اور ایام تشریق میں مطلقاً ممنوع ہے ۔ (وقضیت) یعنی اس پر قضاء عمرہ واجب ہوگی کیونکہ وہ شروع کرنے سے واجب ہوگیا تھا ۔ (فی اشهر الحج) یعنی شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ ۔ (ویحلق) یعنی حلق کرے یا قصر کرے پس احرام سے افعال عمرہ کرنے کے بعد نکل جائے گا اور مکہ ہی سے یہ تمتع بلا احرام عمرہ ۔ اسکے بعد حج کا احرام باندھے ۔ (وقلد) یعنی بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالے اسکی طرف اس ارشاد ربانی میں اشارہ ہے ۔ جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس والشهر الحرام والهدی والقلائد ۔ الآیۃ

ذكره الاشعار وهو شق سنامها من الايسر وهو الاشبه اي الاشبه بالصواب فان النبي عليه السلام قد طعن في جانب اليسار قصدا وفي جانب الايمن اتفاقا وابو حنيفة انما كره هذا الصنع لانه مثلة وانما فعله النبي عليه السلام لان المشركين كانوا لا يمتنعون عن تعرضه الا بهذا وقيل انما كره اشعار اهل زمانه لمبالغتهم فيه حتى يخاف منه السراية وقيل انما كره ايثاره على التقليد واعتمر ولا يحل منها اي من العمرة وهذا عند سوق الهدي اما اذا لم يكن سوق الهدي يتحلل من احرام العمرة كما مر ثم احرم بالحج كما مر اي يوم التروية وقبله افضل وحلق يوم النحر وحل من احراميه والمكي يفرد فقط اي لا قران له ولا تمتع ومن اعتمر بلا سوق ثم عاد الى بلده فقد ألم ومع سوق تمتع اعلم ان المتمتع هو المترفق باداء النسكين الصحيحين في سفر واحد من غير ان يلم باهله الماما صحيحا بينهما فالذي اعتمر بلا سوق الهدي ثم عاد الى بلده ألم باهله الماما صحيحا فبطل تمتعه فقوله فقد ألم ذكر الملزوم وقصد اللازم وهو بطلان التمتع اما اذا ساق الهدي لا يكون الماما صحيحا لانه لا يجوز له التحلل فيكون عوده واجبا فلا يكون الماما صحيحا فاذا عاد واحرم بالحج كان متمتعا فان طاف لها اقل من اربعة قبل اشهر الحج واتمها فيها وحج فقد تمتع ولو طاف اربعة قبلها اي لو طاف اربعة قبل اشهر الحج لا يكون متمتعا كوفي حل من عمرته فيها اي في اشهر الحج وسكن بمكة او بصرة وحج فهو متمتع لان السفر الاول لم ينته بل يرجع الى البصرة فصار كانه لم يخرج من الميقات ولو افسدها ورجع من البصرة وقضاها وحج لا لانه انشأ

ہو جائے گا اور اس کا وہ تمتع صحیح ہوگا، پس اگر عمرہ حج کے مہینوں سے قبل احرام باندھے اور طواف
چار شوط سے کم حج کے مہینوں سے پہلے کرے اور حج کے مہینہ میں ان کی تکمیل کرے اور حج کرے۔ تو اس
کا تمتع درست ہو گیا اور اگر حج کے مہینوں سے پہلے چار شوط کر چکا ہو تو متمتع نہ ہوگا۔ ایک کوفہ کا
رہنے والا حج کے مہینوں میں عمرہ سے حلال ہو اور مکہ یا بصرہ میں قیام کرے اور حج کرے تو وہ متمتع
ہے اسلئے کہ بصرہ جانے سے اس کا پہلا سفر ختم نہیں ہوا پس وہ گویا میقات سے باہر نہیں ہوا۔
اور اگر عمرہ فاسد کرکے پھر بصرہ سے لوٹے اور پھر حج کے مہینوں میں عمرہ کی قضاء کرے اور حج کرے اسی
سال، تو متمتع نہ ہوگا۔ کیونکہ پہلے سفر کا حکم جب بصرہ سے لوٹنے پر باقی رہا تو گویا وہ مکہ سے نہیں نکلا
اور مکہ کے رہنے والے کیلئے تمتع نہیں۔ لیکن اگر لوٹ کر آئے اپنے گھر میں پھر عمرہ اور حج کرے اسلئے کہ وہ
جب اپنے گھر جائے پھر لوٹ کر حج اور عمرہ کرے تو اس کے باعث پہلا سفر ختم ہونے کی وجہ سے یہ نیا
سفر ہوگا۔ لہٰذا دو نسک (عمرہ و حج) ایک سفر میں اکٹھے ہوئے تو وہ متمتع ہوگا، اور ان میں سے جسے
فاسد کرے اسے بلا دم کے پورا کرے یعنی جو حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور اسی سال حج کرے تو دونوں
میں سے جسے فاسد کرے اسے پورا کرے کیونکہ افعال حج و عمرہ کرکے احرام سے نکلے گا اور دم تمتع ساقط
ہو جائے گا کیونکہ دو صحیح نسک (حج و عمرہ) کی ایک سفر میں ادائیگی سے استمتاع (نفع) نہ ہوگا۔

متن پھر دونو صفحہ

لا یتحلل منہا الخ: یعنی حلق وغیرہ سے حلال نہ ہوگا بلکہ محرم برقرار رہے گا
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی
تو میں بھی حلال ہو جاتا۔

وفی اشھر الخ: یعنی تمتع میں یہ شرط ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کی ادائیگی حج کے مہینوں میں
ایک سفر میں ہو۔

التمتع الخ: یعنی رفق وسہولت و استمتاع۔

ولو افسد ھا الخ: یعنی مثلاً کوفہ کے رہنے والے نے حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا
پھر اسے افعال عمرہ کی ادائیگی سے قبل جماع (صحبت) وغیرہ سے فاسد کردیا پھر بصرہ جا کر قیام کیا
اس کے بعد وہاں سے مکہ مکرمہ لوٹا اور عمرہ کا احرام میقات سے باندھا یہ فاسد کردہ عمرہ کی قضاء
کے طور پر باندھے۔ اور پھر اسی سال حج کرے تو اسے متمتع قرار نہ دیں گے۔

26
1

باب الجنايات

إن تطيّب محرمٌ عضواً أو خضب رأسه بالحناء أو ادّهن بزيت أي استعمل الدهن
في عضو فما لا دماً إن كان بزيت خالص أو بحلٍّ خالص يجب الدم عند أبي حنيفة
وعندهما تجب الصدقة وعند الشافعي إن استعمله في الشعر يجب الدم وإن استعمله
في غيره فلا شيء عليه أما الدهن المطيّب كدهن البنفسج ونحوه فيجب الدم اتفاقاً
أو لبس مخيطاً أو ستر رأسه يوماً أو حلق ربع رأسه أو محاجمه أو أحد إبطيه
أو عانته أو رقبته أو قصّ أظفار يديه أو رجليه في مجلس واحد أو يداً أو رجلاً أو طاف
للقدوم جنباً أو للفرض محدثاً أو أفاض من عرفات قبل الإمام أو ترك أقل سبع
الفرض أي ترك ثلاثة أشواط أو أقل من طواف الزيارة وبترك أكثره بقي محرماً حتى
يطوف أي إن ترك أربعة أشواط وأكثر من طواف الزيارة بقي محرماً حتى يطوف
أو طواف الصدر أو أربعة منه أو السعي أو الوقوف بجمع أو الرمي كله أو في يوم واحد
أو رمي الأولى أو أكثره وهو رمي جمرة العقبة يوم النحر أو حلق في حلٍّ لحجة أو عمرة
فإن الحلق اختص بمنى وهو من الحرم لا في معتمر رجع من حلٍّ ثم قصّر أي إن خرج
المعتمر من الحرم قبل التحلل ثم عاد إليه وقصّر لا شيء عليه وإنما خص بالمعتمر لأن
الحاج إن خرج من الحرم قبل التحلل ثم عاد إلى الحرم يجب عليه الدم أو قبّل أو لمس
بشهوة أنزل أو لا اعلم أن قوله أو قبّل ليس معطوفاً على قوله ثم قصّر بل هو معطوف
على قوله أو حلق في حلٍّ أو أخّر الحلق أو طواف الفرض عن أيام النحر أو قدّم نسكاً على
آخر كالحلق قبل الرمي ونحر القارن قبل الرمي والحلق قبل الذبح فعليه دم هذا جواب
الشرط وهو قوله إن تطيّب محرم عضواً فيجب دمان على قارن إن حلق قبل ذبحه
دم للحلق قبل أوانه ودم التأخير الذبح عن الحلق وعندهما دم واحد وهو الأول فقط۔

ترجمہ اگر محرم کسی عضو کو خوشبو لگائے یا سر پر مہندی کا خضاب کرے یا روغن زیتون لگائے
یعنی کسی عضو پر تیل لگائے پھر تیل اگر خالص زیتون کا یا خالص تلوں کا ہو اگر اس میں خوشبو ملی ہوئی نہ
ہو، تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دم واجب ہوگا، یعنی قربانی واجب ہوگی، اور امام ابو یوسف
ومحمد رحمہم اللہ کے نزدیک صدقہ واجب ہوگا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر تیل بالوں میں

26/2

استعمال کرے تو دم واجب ہوگا اور بالوں کے علاوہ دوسرے اعضائے بدن میں استعمال کرے تو اسپر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور تیل خوشبودار ہو مثلاً بنفشہ وغیرہ کا تیل تو خوشبو کی وجہ سے بالاتفاق دم واجب ہوگا۔ یا سلا ہوا کپڑا پہنے یا سر کو ایک دن تک چھپائے یا چوتھائی سر منڈائے یا پچھنے لگوانے یا ایک بغل کے بال مونڈے یا زیر ناف یا گردن کے بال صاف کرے یا اپنے دونوں ہاتھوں یا پاؤں کے ناخن ایک نشست واحد مجلس میں کاٹے۔ یا ایک ہاتھ یا ایک پیر کے کاٹے یا طواف قدوم یا طواف صدر بحالت جنابت کرے یا فرض طواف کرے۔ بلا وضو کرے۔ یا امام سے پہلے عرفات سے لوٹے یا فرض طواف کے سات شوط میں سے کم تر یعنی تین یا تین سے کم شوط طواف زیارت سے ترک کرے۔ طواف فرض کے اکثر شوط ترک کرے گا تو طواف کرنے تک محرم باقی رہے گا یعنی اگر چار یا چار سے زیادہ شوط طواف زیارت کے ترک کرے تو طواف کرنے تک محرم باقی رہے گا۔ یا طواف صدر ترک کردے یا اس کے چار شوط ترک کرے یا سعی یا وقوف مزدلفہ یا پوری رمی یا ایک دن کی رمی یعنی یوم نحر کی یا اسکے اکثر حصہ کو ترک کرے مثلاً چار کنکر یا اس سے زائد ترک کرے اور باقی پھینکے ۔ پہلی رمی سے مراد جمرۂ عقبہ کی یوم نحر میں رمی ہے۔ یا حل وقارن نے حرم زمین میں حج یا عمرہ کے لئے حلق کرے کیونکہ حلق منیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ حرم میں داخل ہے ان سب پر دم واجب ہوگا۔

دم اس عمرہ کرنے والے پر واجب ہوگا جو خارج حرم حل کی طرف حلال ہونے بغیر چلا جائے پھر لوٹ کر قصر کرے یعنی اگر عمرہ کرنے والا حرم سے حلال ہونے سے قبل نکلے پھر لوٹ کر قصر کرائے تو اسپر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور عمرہ کرنے والے کی تخصیص اسلئے کی گئی کہ اگر حج کرنے والا حرم سے حلال ہونے سے پہلے نکلے پھر حرم لوٹے تو اسپر دم واجب ہوگا۔ یا بوسہ لے یا شہوت سے چھوئے خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ واضح رہے کہ مصنفؒ کا قول "والقبل" اسکے قول "ثم قصر" پر اس کا عطف نہیں بلکہ وہ اس کے قول "او حلق فی حل" پر معطوف ہے یا حلق۔ موخر کرے یا طواف فرض ایام نحر سے موخر کردے یا ایک فعل کو دوسرے پر مقدم کردے۔ مثلاً حلق رمی سے پہلے کرے یا قارن رمی سے پہلے نحر کرے یا ذبح سے قبل حلق کرے تو ان سب صورتوں میں اسپر دم واجب ہوگا یہ مصنفؒ کے قول "ان طیب محرم عضواً" یعنی شرط کا جواب ہے پس قارن اگر ذبح سے قبل حلق کرے تو اسپر دو دم واجب ہوں گے۔ ایک دم تو وقت سے قبل حلق کا اور ایک دم حلق سے ذبح کو موخر کرنے کا۔ اور یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک حلق قبل وقت کے باعث ایک دم واجب ہوگا۔

تشریح و توضیح یجب الدم الخ کیونکہ روغن زیتون اور تلوں کے تیل میں اصل کے اعتبار سے خوشبو ہوتی ہے اسلئے ان کے استعمال سے دم واجب ہو جائے گا خواہ اور خوشبو ملائی گئی ہو یا نہ ملائی گئی ہو۔

یوم النحر یعنی پورے دن سر ڈھکا رہا تو اس صورت میں دم واجب ہوگا ۔ اوقبل الخ کیونکہ
بوسہ لینا یا چھونا دواعی جماع اور فرکے صحبت میں داخل ہے اسلئے خواہ انزال ہو یا نہ ہو ہر
صورت دم واجب ہوگا لیکن اگر بغیر شہوت کے چھوئے یا کسی جانور سے صحبت کرے تو تاوقتیکہ
انزال نہ ہو دم واجب نہ ہوگا ۔ اوالحلق الخ رمی سے قبل یوم النحر میں چار چیزیں واجب ہیں
(۱) رمی (۲) ذبح (۳) حلق (۴) طواف ۔ لیکن ترتیب پہلے تینوں کے درمیان واجب ہے
پس ترتیب کے ترک اور خلاف ترتیب کرنے پر دم واجب ہوگا یہ حکم قارن اور متمتع کیلئے ہے
اور مفرد تو اس کیلئے ترتیب صرف رمی اور حلق کے درمیان واجب ہے اور رہا طواف تو طواف
میں رمی و حلق کے درمیان ترتیب واجب نہیں پس اگر رمی اور حلق سے قبل طواف کرے تو اس پر
کچھ واجب نہ ہوگا ۔

وإن تطيب أقل من عضو أو ستر رأسه أو لبس مخيطاً أقل من يوم أو حلق أقل من ربع رأسه
أو قص أقل من خمسة أظفار أو خمسة متفرقة أو طاف للقدوم أو للصدر محدثاً أو ترك
ثلاثة من سبع الصدر أو إحدى الجمار الثلاث وهي ما يلي مسجد الخيف أو ما يليه أو العقبة
في يوم بعد يوم النحر أو حلق رأس غيره تصدق بنصف صاع من بر وإن تطيب
أو حلق بعذر أي تطيب عضواً أو حلق ربع رأسه ذبح أو تصدق بثلاثة أصوع
طعام على ستة مساكين أو صام ثلاثة أيام أو وطئه ولو ناسياً قبل وقوف فرض يفسد
حجه ويمضي ويذبح ويقضي ولم يفترقا أي ليس عليه أن يفارقها في قضاء ما
أفسداه وعند مالك يفارقها إذا خرجا من بيتهما وعند زفر إذا أحرما وعند الشافعي
إذا بلغا المكان الذي واقعها فيه وبعد وقوفه لم يفسد وتجب بدنة وبعد الحلق
شاة وفي عمرته قبل طوافه أربعة أشواط مفسد لها فيمضي ويذبح ويقضي وبعد
أربعة ذبح ولم تفسد أي وطئه في عمرته قبل أن يطوف أربعة أشواط مفسد
للعمرة فيجب المضي فيها والذبح والقضاء وبعد أربعة أشواط يجب به الذبح
ولا تفسد به العمرة

ترجمہ ۔ اور اگر ایک عضو سے کم خوشبو لگائے یا اپنا سر چھپائے یا سلا ہوا کپڑا ایک دن
سے کم پہنے یا چوتھائی سر سے کم مونڈے یا پانچ ناخنوں سے کم کترے یا پانچ متفرق کترے یا
طواف قدوم یا طواف صدر بے وضو کرے یا طواف صدر کے سات شوطوں میں سے تین شوط ترک
کردے یا تینوں جمروں میں سے ایک کی رمی ترک کردے اور وہ وہ جمرہ ہے جو مسجد خیف کے

یا وہ جانور مانوس ہو (اور گھر میں رہنے والا) ہو یا مسرول (یعنی پاؤں پر پروں والا) اور پیروں سے نہ اڑنے والا کبوتر ہو یا محرم اس کے کھانے پر مضطر و مجبور ہو تو جزاء واجب ہوگی۔ اور اسکی قتل کی جگہ یا اس سے قریبی جگہ کی قیمت کے اعتبار سے دو عادل شخص جو قیمت مقرر کردیں وہی اس کی جزا ہے یعنی اگر اس کے قتل کی جگہ اسکی قیمت نہ ہو (اور وہاں شکار فروخت نہ کیا جاتا ہو) تو اس مقتول کی جگہ سے قریب تر جگہ میں جو اسکی قیمت ہو وہ قیمت لگائی جائے گی لیکن اگر یہ قتل کردہ جانور ایسا ہے کہ اسکی جزا ایک بکری کی قیمت سے زیادہ نہ ہوئی پھر قتل کرنے والے کیلئے جائز ہے کہ اس قیمت سے ہدی خرید کر اسے حرم میں ذبح کرے یا اس سے طعام خرید کر صدقہ کردے ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو دے۔ اس سے کم نہ دے یا ہر مسکین کے طعام کے بدلہ ایک ایک روزہ رکھے اور اگر مسکین کے طعام میں سے کچھ بچ جائے تو اسے صدقہ کردے یا ایک روزہ رکھ لے یہ حکم امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس جانور جیسی شکل والا دوسرا جانور ہو تو وہی واجب ہوگا پس ہرن اور بجو کو قتل کرنے کی صورت میں ایک بکری واجب ہوگی اور خرگوش مارنے پر بکری کا بچہ جو ایک سال سے کم کا ہو واجب ہے اور جنگلی چوہا ہلاک کرنے کی صورت میں چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے اور شتر مرغ کو مار ڈالنے پر بدنہ (اونٹ یا گائے) واجب ہے اور حمار وحشی کو مار ڈالنے پر گائے واجب ہوگی اور کبوتر مارنے پر بکری کا وجوب ہوگا اور مسلک اس باب میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کیا ہے ومن قتلہ الخ۔ (اور جو شخص تم میں اسکو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جسکو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کردیں خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں میں سے ہو بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دیدیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جائیں تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے۔

پس امام محمدؒ اور امام شافعیؒ دونوں مثل کو صورت میں (اس جیسی صورت) پر محمول کرتے ہیں اس دلیل سے کہ مثل کی تفسیر آیت مذکورہ میں "من النعم" (جانور) سے کی گئی ہے۔ اور ہم (احناف) کہتے ہیں کہ مثل کا حکم ضمانت میں مستمر نا معتبر نہیں مگر یہ کہ اس سے مثلیات میں صورۃ اور معنی مثل کا ہی ارادہ کیا جاتا ہے اور مقصود یہی جزا ہے یا معنی مثل مراد لیتے ہیں اور غیر مثلیات میں قیمت ہے بہرحال گائے تو وہ حمار وحشی کی مثل نہیں نہ صورۃ اور نہ معنی اور اسی طرح بدنہ (اونٹ یا گائے) شتر مرغ کی مثل نہیں اسی طرح باقی جانور ہیں مصنفؒ کا قول "من النعم" کا مطلب یہ ہے کہ وہ وحشی جانوروں میں سے ہو لہذا معنی یہ ہیں کہ واجب وہ جزا ہے جو مقتول جانور کے مماثل ہو اور وہ جنس نعم (جانوروں) کی قیمت سے بایں طور کہ اس قیمت سے کوئی جانور (مثلاً اونٹ یا بکری) خرید لے۔ پھر مصنف کے

ورنہ اسپر جزا لازم ہوگی۔ جیسے محرم اپنے شکار کی بیع کو رد کرنا واجب ہے اگر وہ مشتری کے پاس موجود ہو ورنہ اسکی جزا لازم ہوگی خواہ جسے فروخت کیا وہ محرم ہو یا نہ ہو۔ احرام باندھنے والے کے گھر میں اگر صید (جانور) ہو یا پنجرہ میں اسکے ہمراہ ہو تو اسے چھوڑنا واجب نہیں یعنی اگر وہ احرام باندھے اور اس کے گھر یا پنجرہ میں صید (جانور) ہو تو اسپر اس کا چھوڑنا لازم نہیں اسلئے کہ احرام صید کی ملکیت و محافظت کے منافی نہیں بخلاف اس شخص کے جو حرم میں صید کے ساتھ داخل ہو کر وہ صید حرم کا صید ہو جائے گا اور اسپر اس کا چھوڑنا اور تعرض نہ کرنا واجب ہوگا۔

اور جو شخص (محرم شخص) صید دوسرے محرم کے ہاتھ میں چھوڑ دے اگر اسے غیر محرم پکڑے تو چھوڑنے والے پر تاوان لازم آئے گا ورنہ لازم نہ ہوگا یعنی محرم پکڑے ہوئے کو چھوڑنے والے پر تاوان لازم نہ ہوگا پس اگر محرم دوسرے محرم کے بحالت احرام پکڑے ہوئے صید (شکار) کو مار ڈالے تو دونوں پر اسکی جزا لازم ہوگی اور پکڑنے والا مار ڈالنے والے سے اسکی قیمت لے۔ اور جس جنایت کے باعث حج افراد کرنے والے پر ایک دم واجب ہوتا ہے قارن پر دو دم واجب ہوتے ہیں ایک دم حج کا اور ایک دم عمرہ کا لیکن اگر قارن میقات سے بلا احرام بڑھ جائے تو اسپر ایک ہی دم واجب ہوگا، وقت سے مراد میقات ہے کیونکہ میقات پر پہونچ کر اسکے اوپر ایک ہی دم واجب ہوا اور دو محرم ملکر ایک صید کو قتل کریں تو دونوں میں سے ہر ایک پر پوری جزا واجب ہوگی۔ اور اگر ایک صید کو حرم میں دو ایسے شخص قتل کریں جنہوں نے احرام نہ باندھ رکھا ہو تو ان پر ایک صید کی جزا (نصف نصف) واجب ہوگی کیونکہ یہ ان کے فعل کی جزا ہے اور فعل متعدد ہیں اور صید حرم کی جزا محل کی جزا ہے اور محل (شکار) واحد ہے محرم کسی صید کو بیچے یا اسے خریدے تو بیع باطل ہوگی۔ اور اگر محرم اسے ذبح (بطریق شرعی) کرے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور اگر وہ اس میں سے کچھ کھائے تو جتنا کھایا ہو اسی کے بقدر دینی واجب ہوگی۔ اور اگر اس ذبح کردہ کو دوسرا محرم کھائے تو کھانے والے پر اس کی قیمت لازم نہ ہوگی یعنی اگر دوسرا محرم کھائے تو اس پر قیمت لازم نہ ہوگی وہ ہرنی جسے محرم نے نکال دیا ہو خارج حرم بچہ جنے اور بچہ ہرنی اور بچہ دونوں مر جائیں تو نکالنے والے پر دونوں ہرنی و بچہ کی جزا واجب ہوگی اور اگر اس کی جزا دینے کے بعد وہ بچہ کو جنم دے تو اسپر بچہ کی جزا لازم نہ ہوگی۔

کسی آفاقی کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو اور وہ میقات سے بڑھ جائے اسکے بعد احرام باندھے تو اسپر دم لازم ہوگا اور اگر میقات کی طرف لوٹ کر احرام باندھے تو اس سے دم ساقط ہو جائے گا اور مصنف نے فرمایا۔ یرید الحج والعمرۃ " حتی کہ اگر وہ دونوں میں سے کسی کا ارادہ نہ کرے تو میقات سے آگے بڑھ جانے پر اسکے اوپر کسی چیز کا وجوب نہ ہوگا، اور مصنف کا قول

"ثم احرم" اس قید کی کوئی احتیاج نہیں اسلئے کہ اگر اس نے احرام نہیں باندھا یعنی میقات سے بڑھ جانے کے بعد بلکہ مکہ مکرمہ میں اسی طرح داخل ہو گیا، تب بھی اس پر دم واجب ہوگا پس مناسب کلام یہ کہنا ہے کہ میقات سے بڑھ جانے پر دم لازم ہوگا اور ممکن ہے اس قید لگانے کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا جائے کہ مصنفؒ نے "ثم احرم" کہنا یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ دم جو آگے بڑھ جانے کی بنا پر واجب ہوا اس احرام سے ساقط نہ ہوگا۔ اس کے برعکس جب وہ میقات کی طرف لوٹ کر احرام باندھے تو اس وقت دم ساقط ہو جائے گا دیکھو تو اس نے میقات کے حق کی تلافی کر دی، پھر مصنفؒ کے قول "ثم عاد محرما" کے معنی یہ ہیں کہ اگر میقات پر احرام نہیں باندھا۔ اس کے بعد میقات کی جانب لوٹ کر احرام باندھا تو بالاتفاق اس کے ذمہ سے دم ساقط ہو جائے گا۔

تشریح و توضیح

ولا یرعی الخ یہ ممانعت امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چرانا درست ہے۔

ولا یقطع الخ یعنی حرم کی گھاس کاٹنا نہ محرم کے لئے جائز ہے نہ غیر محرم کیلئے۔ وان قتل الخ یعنی اگرچہ یہ مبتدی کم ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً سنی بحر طعام، وحشی یعنی چیل وغیرہ کے مارنے پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی اصل اس بارے میں یہ روایت ہے کہ محرم چوہے، کوے، چیل، بچھو اور کاٹنے والے کتے کو مار سکتا ہے۔ (یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے)

وصید الخ: صید اگر گھر میں ہو تو اسکی وجہ سے محرم پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ "مصنف ابن ابی شیبہ" میں حضرت عبداللہ ابن حارث رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ حج کرتے تھے اور اپنے گھر میں صید رہنے دیتے تھے

ومحرما لم يشرع في نسك ولبى سقط دمه والا فلا اي ان احرم بعد المجاوزة ثم عاد الى الميقات قبل ان يشرع في نسك ملبيا سقط الدم عنه خلافا لزفر فانه لا يسقط الدم عنده وانما قال لم يشرع في نسك حتى لو احرم وشرع في نسك ثم عاد الى الميقات ملبيا لا يسقط الدم اجماعا وانما قال ولبى احترازا عن قولهما ان العود الى الميقات محرما كاف بسقوط الدم عندهما واما عند ابي حنيفة فلابد من ان يعود محرما ملبيا كمكي يريد الحج ومتمتع فرغ من عمرته وخرج من الحرم واحرما تشبيه بالمسألة المتقدمة في لزوم الدم فان احرام المكي من الحرم والمتمتع بالعمرة لما دخل مكة واتى بالعمرة صار مكيا واحرامه من الحرم فيجب عليهما دم لمجاوزة الميقات بلا احرام فان دخل كوفي اي البستان لحاجة فله دخول مكة

غیر محرم ووقته البستان ای البستانی بستان بنی عامر موضع داخل المیقات خارج الحرم فاذا دخله لحاجة لا یجب علیه الاحرام لکونها غیر واجب التعظیم فاذا دخله التحق باهله ویجوز لاهله دخول مکة غیر محرم لکن ان اراد الحج فوقته البستان ای جمیع الحل الذی بین البستان والحرم کالبستانی ولا شیء علیهما ای لا شیء علی البستانی وعلی من دخله ان احرما من الحل ووقفا بعرفة لانهما احرما من میقاتهما ۔

ترجمہ: یا وہ احرام باندھ چکا ہو اور کوئی عمل حج (بھی) انجام نہ دیا ہو اور وہ میقات کی طرف لوٹ کر لبیک کہے تو اس سے دم ساقط ہو جائے گا ورنہ ساقط نہ ہوگا یعنی اگر میقات سے آگے بڑھ جانے کے بعد احرام باندھے پھر میقات کی جانب حج کا کوئی عمل کرنے سے قبل تلبیہ کہتا ہوا لوٹے تو ہمارے نزدیک دم (اس کے ذمہ سے) ساقط ہو جائے گا۔ امام زفرؒ کے نزدیک ساقط نہ ہوگا اور مصنفؒ نے فرمایا "لم یعرش عملی نسک" یعنی کہ اگر احرام باندھے اور حج کا کوئی فعل (مثلاً طواف اور سعی) بجا لائے پھر میقات کی طرف تلبیہ کہتا ہوا لوٹے تو بالاجماع ہمارے سب ائمہ کے نزدیک دم اس سے ساقط نہ ہوگا۔ اور مصنفؒ نے ولبیٰ کہہ کر امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے قول سے احتراز کیا ہے کیونکہ امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک بحالت احرام میقات کی طرف لوٹنا سقوط دم کیلئے کافی ہے، (خواہ تلبیہ نہ کہے) اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک بحالت احرام تلبیہ کہتے ہوئے میقات کی طرف لوٹنا ضروری ہے اسی طرح مکہ کا باشندہ جس کا ارادہ حج کا ہو اور متمتع جو اپنے عمرہ سے فارغ ہو چکا ہو اور وہ دونوں حدود حرم سے نکل کر احرام باندھیں تو ان پر دم واجب ہوگا (دم کے لازم ہونے میں یہ مسئلہ مذکورہ بالا سے ہونے مستلزم کے مشابہ ہے۔ اسلئے کہ مکی (مکہ کے رہنے والے) کا احرام حرم سے ہے اور متمتع بالعمرۃ کا احرام حرم سے ہے جبکہ وہ مکہ میں داخل ہو اور عمرہ کے افعال سے فارغ ہو جائے تو وہ مکی ہو گیا اور مکی کا احرام حرم سے ہے پس مکی اور متمتع دونوں پر میقات سے بلا احرام آگے بڑھ جانے کے باعث دم واجب ہوگا پس اگر کوئی آفاق کا رہنے والا بستان (باغ) میں کسی ضرورت سے داخل ہو تو اس کیلئے مکہ میں بلا احرام کے داخل ہونا جائز ہے اور اس کا میقات بستان میں رہنے والے کی طرح بستان ہے۔ بستان بنی عامر داخل میقات اور خارج حرم ایک مقام ہے پس جب اس میں کسی ضرورت سے داخل ہو تو اسکے غیر واجب التعظیم (یعنی حرم نہ) ہونے کی بنا پر احرام واجب نہ ہوگا۔ لہٰذا جب بستان میں داخل ہو تو وہ اس کے رہنے والوں میں سے شمار ہوگا اور بستانی کیلئے مکہ مکرمہ میں بلا احرام داخل ہونا جائز ہے لیکن اگر حج کا ارادہ کرے تو اس کا میقات بستان ہے یعنی وہ تمام حل جو بستان اور حرم کے درمیان

ہے بستانی کی طرح اس کے لئے بھی میقات ہے۔ اور بستانی اور بستان میں داخل ہونے والے دونوں پر بستان کے حل سے احرام باندھنا ہے، پس دم واجب نہ ہوگا۔ اگر وہ دونوں حل سے احرام باندھیں اور وقوف عرفہ کریں کیونکہ ان دونوں نے اپنے میقات سے احرام باندھا۔

تشریح و توضیح لم یشرع الخ یعنی ابھی افعال حج میں سے کچھ ادا نہیں کیا تھا کہ میقات کی طرف تلبیہ کہتا ہوا لوٹ گیا تو اس کے ذمہ سے دم ساقط ہو جائے گا، اور اگر کوئی فعل حج ادا کرنے کے بعد لوٹا یا بغیر تلبیہ کہے ہوئے لوٹا تو دم اس پر بدستور واجب رہے گا۔

موضع الخ یہ ایک مقام ہے مکہ کے قریب داخل میقات اور حدود حرم سے باہر۔ اب یہ مقام "نخلہ محمود" کے نام سے معروف ہے۔

ومن دخل مكة بلا احرام لزمه حج او عمرة وصح منه لو حج عما عليه في عامه ذلك لا بعده فان جاوز وقته فاحرم بعمرة وافسدها مضى وقضى ولا دم عليه لترك الوقت فانه يصير قاضيا حق الميقات بالاحرام منه في القضاء ومكي طاف لعمرته شوطا فاحرم بحج رفضه وعليه دم وحج وعمرة فلزم الدم لاجل الرفض والحج والعمرة لانه فائت الحج وهذا عند ابي حنيفة واما عندهما يرفض العمرة وانما قال طاف شوطا لانه لو طاف اربعة اشواط يرفض احرام الحج اتفاقا فلو اتمهما صح وذبح لانه ادى افعالهما لكنه منهي عنه والنهي عن الافعال الشرعية يحقق المشروعية لكنه يجب دم للنقصان ومن احرم بالحج وحج ثم احرم يوم النحر باخر فان حلق للاول لزمه الآخر بلا دم والا فمع دم قصر اولا اي احرم بالحج وحج ثم احرم يوم النحر بحجة اخرى في العام القابل فان حلق للاول من هذا الاحرام لزمه الآخر بلا دم وان لم يحلق لزمه الآخر مع دم ومن اتى بعمرة الا الحلق فاحرم باخرى ذبح لانه جمع بين احرامي العمرة وهو مكروه فلزمه الدم وآفاقي احرم به ثم بها لزماه لان الجمع بينهما مشروع للآفاقي كالقران وبطل هي بالوقوف قبل افعالها لا بالتوجه اي بالتوجه الى عرفات فان طاف له ثم احرم بها ومضى عليهما ذبح لانه بنى افعال العمرة على افعال الحج وندب رفضها فان رفض قضى وذبح وان حج فاهل بعمرة يوم النحر او في ثلثة تليه لزمته ورفضت وقضيت مع دم وانما لزمته لان الجمع بين احرامي الحج والعمرة صحيح وان مضى عليها صح ويجب دم وفائت الحج اهل به او بها رفض وقضى وذبح اي فائت الحج اذا احرم بحج او عمرة يجب ان يرفض الاحرام ويتحلل بافعال العمرة لان فائت الحج يجب عليه ان يقضي ما احرم به لصحة الشروع

27/2

ترجمہ: اگر محرم کو کوئی شخص روک دے یا مرض کے باعث رک جائے تو وہ روانہ کرنے والا ایک دم (قیمت یا رقم) یا بکری اور قارن دو دم (دو جانور) روانہ کرے اور ذبح کا ایک دن متعین کر دے اگرچہ نحر کے دن سے پہلے ہو۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک اگر اسے عمرہ سے روکا گیا ہو تو یہی حکم ہے اور اگر حج سے روکا گیا ہو تو ذبح نحر کے دن ہی جائز ہے (اس سے قبل نہیں) اور (نیز) خارج حرم میں اسکا ذبح کرنا جائز نہیں اور ذبح کے بعد وہ حلق اور قصر سے پہلے ہی حلال ہو جائے گا۔ اور وہ محصر اگر حج سے حلال ہو تو اسپر حج اور عمرہ لازم ہوگا اور عمرہ سے حلال ہو تو عمرہ واجب ہوگا۔ اور جب اس کا احصار (رکاوٹ) دور ہو جائے اور اس کا ہدی اور حج پا لینا اس کیلئے ممکن ہو تو جائے۔ اور اگر دونوں میں سے ایک (حج یا ہدی) کے ملنے کا امکان ہو تو اس کے لئے حلال ہو جانا (اور احرام ختم کر دینا) جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں۔

اسلئے کہ حج کا پانا ہدی کے بغیر ممکن ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یوم نحر سے پہلے ذبح جائز ہے۔ امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ہدی اور حج دونوں کا پانا معتبر ہے اور ایک کا پانا ان کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ ذبح ان کے نزدیک یوم نحر ہی میں جائز ہے۔ پس جس شخص نے حج پایا یا ہدی ابھی پالی۔

اور جو شخص مکہ میں حج کے دونوں رکن وقوف عرفہ اور طواف زیارت سے روکا جائے تو اسکا احصار شرعاً ثابت (و معتبر) ہے اور دونوں میں سے ایک سے روکا گیا ہو تو اس کا احصار ثابت نہیں۔ اور جو شخص حج کرنے سے عاجز و مجبور ہو جائے پس اسکی طرف سے حج کیا گیا ہو (حج بدل) تو اسکا حج صحیح ادا اسکی طرف سے ہوگا بشرطیکہ اس کا عجز موت تک باقی رہے اور حج میں اسکی نیت کی ہو۔ اور جو شخص دو حج کا حکم کرنے والوں کی طرف (ان) کے خرچ پر حج کرے تو وہ حج حج کرنے والے کی طرف سے ہوگا اور ان دونوں کے مال کا ضمان اسپر لازم آئے گا۔ اور اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ یہ حج ان دو حکم کرنے والوں میں سے ایک کی طرف سے کرے۔ اور وہ اپنے والدین کی طرف سے نفل حج (یعنی ان کے امر کے بغیر) کرے اسکا ثواب انہیں پہونچا دے تو درست ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کو حج کا حکم کرے (اور وہ اپنی طرف سے حج بدل کرنے چلے) اور اسے احصار پیش آجائے تو دم احصار حج کا حکم کرنے والے پر واجب ہوگا اور حکم کرنے والا مر جائے تو اسکے مال میں سے دم احصار (روکے کی بنا پر قربانی) واجب ہے۔ اور دم قران اور دم جنایت حج کرنے والے پر واجب ہوگا یعنی اگر کوئی شخص حکم کرے کہ وہ اسکی طرف قران کرے تو دم قران مامور (حکم کردہ) پر ہوگا اور مامور اگر وقوف عرفہ سے قبل صحبت کرے تو نفقہ (مصارف) کا ضمان مامور پر لازم آئے گا (کہ وہ خرچ کردہ رقم وغیرہ کو لوٹائے) اور وقوف عرفہ کے بعد صحبت کرے تو نفقہ کا ضمان لازم نہ ہوگا۔ اگر مامور راستہ میں مر جائے